بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

یا قوت

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸۔ اردو بازار لاہور

marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

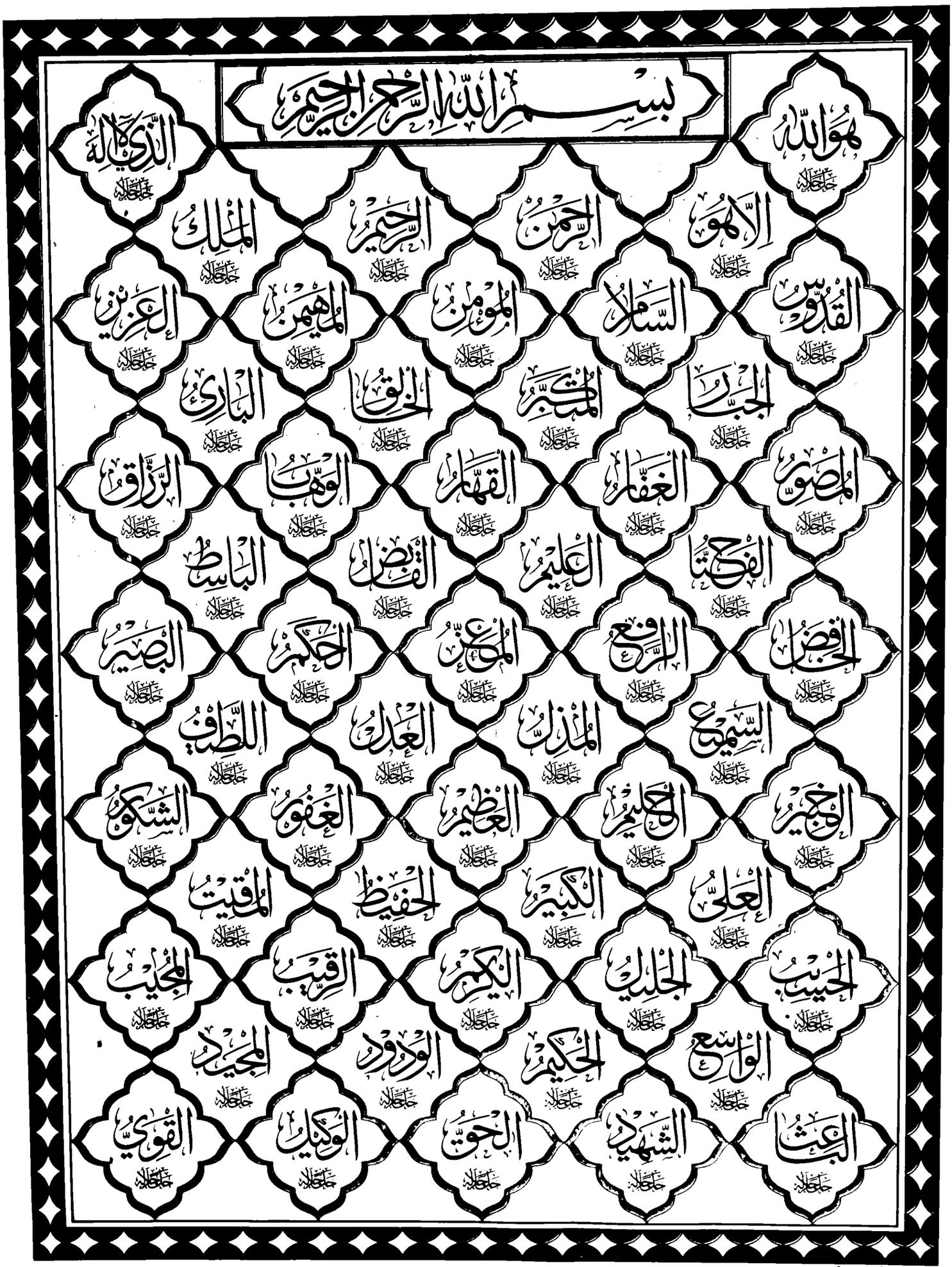

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

marfat.com

Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

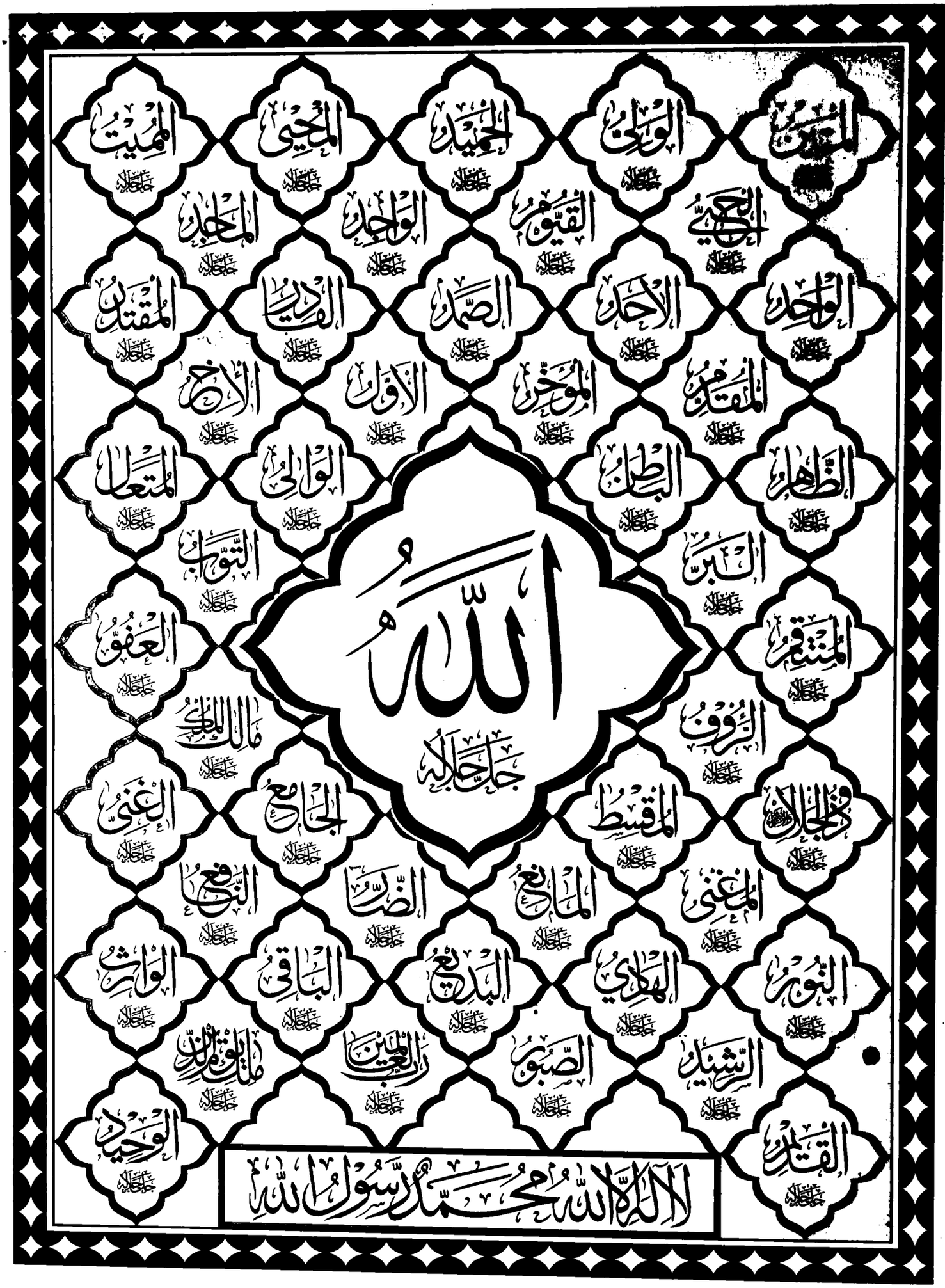

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

Copyright ©
All Rights reserved

This book is registered under the copyright act. Reproduction of any part, line, paragraph or material from it is a crime under the above act.

جملہ حقوق محفوظ ہیں

یہ کتاب کاپی رائٹ ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہے، جس کا کوئی جملہ، پیرہ، لائن یا کسی قسم کے مواد کی نقل یا کاپی کرنا قانونی طور پر جرم ہے۔

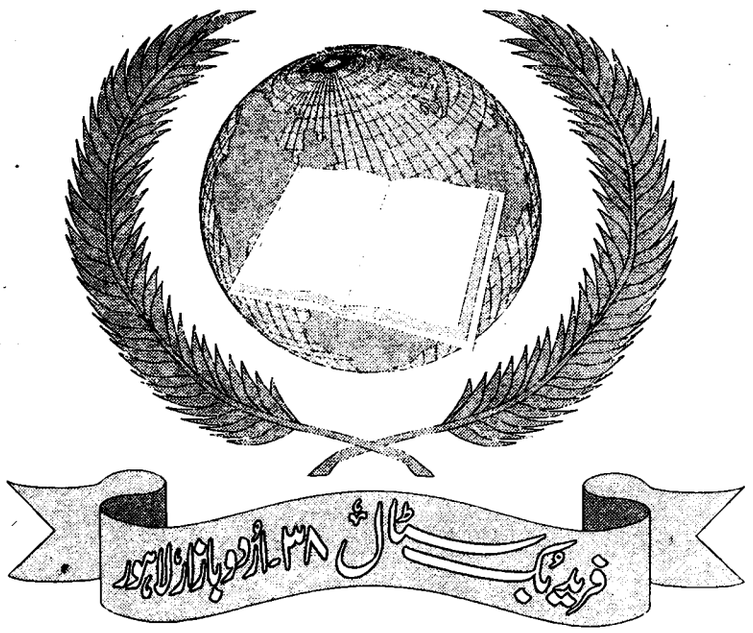

تصحیح بار اوّل : مولانا حافظ محمد ابراہیم فیضی، فاضل علوم شرقیہ
تصحیح بار دوئم : قاری ظہور احمد فیضی، خطیب جامع مسجد الف
مطبع : رومی پبلی کیشنز اینڈ پرنٹرز، لاہور
الطبع الثالث : ربیع الاوّل ۱۴۲۰ھ / جون ۱۹۹۹ء
الطبع السادس : رجب ۱۴۲۶ھ / اگست ۲۰۰۵ء

Farid Book Stall®
Phone No:092-42-7312173-7123435
Fax No.092-42-7224899
Email:info@faridbookstall.com
Visit us at:www.faridbookstall.com

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور
فون نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۳۱۲۱۷۳۔۷۱۲۳۴۳۵
فیکس نمبر ۰۹۲۔۴۲۔۷۲۲۴۸۹۹
ای۔میل : info@faridbookstall.com
ویب سائٹ : www.faridbookstall.com

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

سرنامہ

به حضور سرورِ کائنات
علیہ افضلُ الصّلوٰت واکمل التّحیاتْ

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

اے اللہ! مجھ پر حق کی حقانیّت واضح کر اور
مجھے اس کی اتّباع عطا فرما!
اے اللہ! مجھ پر باطل کا بطلان واضح کر اور
مجھے اس سے اجتناب عطا فرما!

آمین

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
حدیث دل	۳۷
مقدمہ تفسیر	۴۳
وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۴۳
ضرورت وحی اور ثبوت وحی	۴۵
وحی کی اقسام	۴۶
قرآن مجید کی تعریف اور قرآن مجید کے اسماء	۴۸
قرآن کریم کے فضائل اور اجر و ثواب	۵۰
قرآن مجید کو پڑھنے اور سننے کے احکام' آداب اور بعض ضروری مسائل	۵۴
تفسیر کی کتابوں کو بے وضو ہاتھ لگانے کی تحقیق	۵۹
قرآن مجید کا اعجاز	۶۰
عدیم النظیر ہونے کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا	۶۱
فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا	۶۱
کمی اور زیادتی نہ ہو سکنے کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا	۶۲
پیش گوئیوں کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا	۶۲
حقائق کائنات کی خبر دینے کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا	۶۴
نسخ کی تحقیق	۷۰
نسخ کا لغوی معنی	۷۰
نسخ کا شرعی معنی	۷۰
نسخ میں مذاہب	۷۱
نسخ کے متعلق پرویز صاحب کے نظریہ کا علمی جائزہ	۷۲
نسخ کے وقوع پر قرآن مجید سے استدلال	۷۵
ثبوت نسخ کے ذرائع	۷۶
مصنف کی تحقیق کے مطابق قرآن مجید کی آیات منسوخہ کا بیان	۷۶
احکام شرعیہ کو منسوخ کرنے کی حکمتیں	۸۰
نسخ القرآن بالسنۃ کے قائلین اور ان کے دلائل	۸۲
نسخ القرآن بالسنۃ کے مانعین اور ان کے دلائل کا تجزیہ	۸۲
نسخ القرآن بالسنۃ میں سنت کا محمل	۸۳
نسخ القرآن بالسنۃ میں نسخ کا محمل	۸۴
نسخ القرآن بالسنۃ کی مثالیں	۸۴
نسخ السنۃ بالقرآن کا بیان	۸۶
نسخ السنۃ بالسنۃ کا بیان	۸۷
اسباب نزول کا بیان	۸۸

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
اسباب نزول کے فوائد	۸۹
عام سبب اور آیت کے عام الفاظ	۹۰
خاص سبب اور آیت کے خاص الفاظ	۹۱
خاص سبب اور آیت کے عام الفاظ	۹۱
ایک آیت کے متعدد اسباب اور ایک سبب کی متعدد آیات	۹۳
مکمل قرآن یکبارگی نازل نہ کرنے کی حکمتیں	۹۴
سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت اور سورت کا بیان	۹۶
سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت اور سورت کا بیان	۹۷
مکی اور مدنی سورتوں کی معرفت	۹۸
عہد رسالت میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان	۹۹
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان	۱۰۲
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان	۱۰۴
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اوراق قرآن جلانے کا محمل اور قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کے متعلق فقہاء کے نظریات	۱۰۵
قرآن مجید کے غیر محرف ہونے کے متعلق علماء شیعہ کی تصریحات	۱۰۷
جمع قرآن کے متعلق علماء شیعہ کا نظریہ	۱۰۸
سات حرفوں پر قرآن مجید کے نزول کی تحقیق	۱۰۹
قرآن مجید کی سورتوں، آیتوں اور حرفوں کی تعداد کا بیان	۱۱۱
قرآن مجید کے محفوظ اور غیر مبدل ہونے پر مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات	۱۱۲
قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگانے کی تاریخ اور تحقیق	۱۱۶
قرآن مجید پر رموز، اوقاف لگانے کی تاریخ اور تحقیق	۱۱۷
مضامین قرآن کا خاکہ ایک نظر میں	۱۲۲
تفسیر اور تاویل کا لغوی معنی	۱۲۲
تفسیر کی اصطلاحی تعریف	۱۲۳
تفسیر اور تاویل کا فرق	۱۲۳
تفسیر قرآن کی فضیلت پر عقلی دلائل	۱۲۴
تفسیر قرآن کی فضیلت کے متعلق احادیث اور آثار	۱۲۵
قرآن مجید کی تفسیر کرنے پر اعتراضات کے جوابات	۱۲۶
قرآن مجید کی تفسیر کرنے کی مشروعیت اور جواز پر قرآن مجید، احادیث اور آثار سے دلائل	۱۲۷
طبقات مفسرین کا بیان	۱۲۹
قرآن مجید کی تفسیر کے اصل مآخذ	۱۳۳
قرآن مجید کی تفسیر کے لیے ضروری علوم	۱۳۳
سورہ فاتحہ	۱۳۵
سورہ فاتحہ کے اسماء	۱۳۷
سورہ فاتحہ کے فضائل	۱۴۰
سورہ فاتحہ کا مقام نزول	۱۴۳
سورہ فاتحہ کی آیات کی تعداد	۱۴۵
سورہ فاتحہ کے مضامین	۱۴۵
اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم	۱۴۷

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
اعوذ باللہ کے مفردات کے معانی	۱۴۷
اعوذ باللہ کے صرف اور اعراب کا بیان	۱۴۷
نماز اور غیر نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق احادیث	۱۴۷
نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب	۱۴۷
نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب	۱۴۸
نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب	۱۴۹
نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب	۱۴۹
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	۱۵۱
بائے بسم اللہ کا معنی	۱۵۱
فعل کو بسم اللہ کے بعد مقدر کرنے کی وجوہ	۱۵۱
بسم اللہ میں اسم کا الف حذف کرنے کی وجہ	۱۵۲
لفظ "اللہ" کا معنی اور اس کے وصف یا علم ہونے کی تحقیق	۱۵۲
رحمان اور رحیم کا معنی	۱۵۴
رحمان کو رحیم پر مقدم کرنے کی وجوہ	۱۵۴
بسم اللہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رمز اور اشارہ	۱۵۵
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے متعلق فقہی مباحث	۱۵۶
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے آیت قرآن ہونے کی تحقیق	۱۵۶
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے سورہ فاتحہ کے جز نہ ہونے کی تحقیق اور مذاہب اربعہ	۱۵۷

عنوان	صفحہ نمبر
اوائل سور میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ان سورتوں کے جز نہ ہونے کی تحقیق اور مذاہب اربعہ	۱۵۸
نماز میں بسم اللہ پڑھنے کے متعلق مذاہب اربعہ	۱۵۸
نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو آہستہ سے پڑھنے کی تحقیق اور مذاہب اربعہ	۱۶۰
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے احکام شرعیہ اور مسائل	۱۶۱
اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسماء لکھنے اور پڑھنے کے آداب	۱۶۲
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے فوائد اور حکمتیں	۱۶۳
الحمدللہ رب العلمین (۱)	۱۶۵
حمد کے لغوی اور اصطلاحی معنی	۱۶۵
تمام تعریفوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے استحقاق پر دلیل	۱۶۶
مخلوق کا شکر ادا کرنے سے پہلے خالق کا شکر ادا کیا جائے	۱۶۷
اللہ تعالیٰ کی کماحقہ حمد و ثناء سے مخلوق کا عاجز ہونا	۱۶۷
اللہ کی حمد کرنے کے اقوال اور اوقات	۱۶۸
اللہ کی حمد کی فضیلت اور اجر و ثواب	۱۶۹
خود اپنی حمد و ثناء کرنے کی شرعی نوعیت	۱۷۰
کسی دوسرے شخص کے سامنے اس کی حمد و ثنا کرنے کی شرعی نوعیت	۱۷۲
منہ پر تعریف کرنے کے جواز اور عدم جواز کا محمل	۱۷۴
رب کا لغوی اور شرعی معنی	۱۷۵
العلمین کا لغوی اور عرفی معنی	۱۷۶
العلمین کے متعلق اقوال میں مصنف کا مختار	۱۷۷

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
اللہ تعالیٰ کی تربیت میں غور و فکر	۱۷۷
کمال ذات، گذشتہ احسان، رجا اور خوف سے حمد و ثناء کا تقاضا	۱۷۸
الرحمٰن الرحیم (۲)	۱۷۸
بعض مفسرین کی فروگذاشت	۱۷۸
مالک یوم الدین (۳)	۱۷۹
مالک اور ملِک کی دو قراءتیں	۱۷۹
یوم کا عرفی اور شرعی معنی	۱۷۹
یوم قیامت کی مقدار	۱۸۰
وقوع قیامت پر عقلی دلیل	۱۸۱
وقوع قیامت پر شرعی دلائل	۱۸۲
دنیا میں راحت اور مصیبت کا آنا، مکمل جزا اور سزا نہیں ہے	۱۸۲
دین کا لغوی معنی	
دین، شریعت اور مذہب وغیرہ کی تعریفات	۱۸۳
اللہ، رب، رحمٰن، رحیم اور مالک یوم الدین میں وجہ ارتباط	۱۸۴
ایاک نعبد و ایاک نستعین (۴)	۱۸۵
عبادت کا لغوی معنی	۱۸۵
عبادت کا اصطلاحی معنی	۱۸۵
قرآن مجید میں عبد کے اطلاقات	۱۸۶
اپنے غلام کو "میرا عبد" کہنے کی کراہت اور عبدالنبی وغیرہ نام رکھنے کی تحقیق	۱۸۷
عبادت کا اللہ تعالیٰ میں منحصر ہونا	۱۸۸
ایاک نعبد میں حرف خطاب کو مقدم کرنے کے اسرار اور نکات	۱۸۹
ایاک نعبد میں جمع کا صیغہ لانے کے اسرار اور	

عنوان	صفحہ نمبر
نکات	۱۹۰
غیبوبت سے خطاب کی طرف التفات کے اسرار اور نکات	۱۹۱
استعانت کا معنی	۱۹۱
ایاک نستعین کی تفسیر	۱۹۱
عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی وجوہ	۱۹۲
اولیاء اللہ سے استعانت کی تحقیق	۱۹۲
اولیاء اللہ سے استعانت کا صحیح طریقہ	۱۹۴
وسیلہ کا لغوی معنی	۱۹۵
انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی ذوات سے توسل کے متعلق فقہاء کرام کی عبارات	۱۹۵
حضرت آدم علیہ السلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا	۱۹۷
رسول اللہ ﷺ کا خود اپنے وسیلہ سے دعا فرمانا	۱۹۹
رسول اللہ ﷺ کا خود اپنے وسیلہ سے دعا کرنے کی ہدایت دینا	۱۹۹
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کا رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کرنا	۲۰۱
حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں صحابہ کا رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کرنا	۲۰۲
شیخ ابن تیمیہ کے حوالہ سے حضرت عثمان بن حنیف کی روایت کی تائید، توثیق اور تصحیح	۲۰۳
طبرانی کی روایت مذکورہ کا صحاح کی دوسری روایت سے تعارض کا جواب	۲۰۳
توسل بعد از وصال پر شیخ ابن تیمیہ کے اعتراضات اور مصنف کے جوابات	۲۰۴
توسل بعد از وصال کے متعلق شیخ عبدالحق محدث	

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
ہادی کا نظریہ	۲۰۶
توسل بعد از وصال کے متعلق علامہ آلوسی کا نظریہ	۲۰۷
توسل بعد از وصال کے متعلق غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان کا نظریہ	۲۰۸
توسل بعد از وصال کے متعلق غیر مقلد عالم قاضی شوکانی کا نظریہ	۲۰۹
انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین سے براہ راست استمداد کے متعلق احادیث	۲۰۹
رجال غیب (ابدال) سے استمداد کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات	۲۱۰
امام ابن اثیر اور حافظ ابن کثیر کے حوالوں سے عہد صحابہ میں ندائے یا محمدؐ کا رواج	۲۱۱
ندائے یا محمد اور توسل میں علماء دیوبند کا موقف	۲۱۲
نداء غیر اللہ اور توسل کے متعلق مصنف کا موقف	۲۱۶
اھدنا الصراط المستقیم (۵)	۲۱۸
ہدایت کا لغوی معنی اور اس کی اقسام	۲۱۸
ہدایت کی اقسام کی مزید تفصیل	۲۱۸
اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کا فرق	۲۱۹
صراط مستقیم کا لغوی اور شرعی معنی	۲۲۰
کیا نمازی کا صراط مستقیم کی دعا کرنا تحصیل حاصل ہے؟	۲۲۰
جمع کے صیغہ سے دعا کرنے کی وجہ اور ربط آیات	۲۲۱
صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین (۶-۷)	۲۲۱
انعام یافتہ لوگوں کا بیان	۲۲۲

عنوان	صفحہ نمبر
انعام یافتہ لوگوں کے راستوں کا بیان	۲۲۲
مغضوب کا معنی	۲۲۳
المغضوب علیہم کی ماثور تفسیر	۲۲۳
مغضوب کا معنی بیان کرنے میں بعض علماء کی لغزش	۲۲۳
ضالین کے معانی	۲۲۴
رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے ضالین کی منقول تفسیر	۲۲۶
جن لوگوں تک اسلام کا پیغام نہیں پہنچا آیا وہ شریعت کے مکلف ہیں یا نہیں؟	۲۲۶
آمین کا معنی	۲۲۷
نماز میں آمین کہنے کے متعلق مذاہب اربعہ	۲۲۷
آمین کہنے کی فضیلت میں احادیث	۲۲۸
آمین بالجہر کے متعلق احادیث	۲۲۹
آمین بالسر کے متعلق احادیث	۲۲۹
آمین قرآن مجید کا جز نہیں ہے	۲۳۰
فاتحہ خلف الامام میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۲۳۰
فاتحہ خلف الامام میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۲۳۱
فاتحہ خلف الامام میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۲۳۲
فاتحہ خلف الامام میں فقہاء احناف کا نظریہ	۲۳۲
سورہ بقرہ	۲۳۹
سورہ بقرہ کا اجمالی تعارف	۲۴۱
سورہ بقرہ کی وجہ تسمیہ	۲۴۲
سورہ بقرہ کے محل نزول، اور آیات اور حروف کی تعداد کا بیان	۲۴۳

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
سورہ بقرہ کے فضائل میں احادیث اور آثار	۲۴۴
الم(۱)	۲۴۷
حروف مقطعات کے علم کی تحقیق	۲۴۸
ذالک الکتاب لا ریب فیہ	۲۵۰
کتاب کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۲۵۰
ریب کا معنی	۲۵۱
قرآن مجید میں ریب کی نفی اور اثبات کا محمل	۲۵۱
ھدی للمتقین(۲)	۲۵۲
آیا قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے یا صرف متقین کے لیے؟	۲۵۲
تقویٰ کا صیغہ اور اس کا لغوی معنی	۲۵۳
تقویٰ کا اصطلاحی معنی	۲۵۴
تقویٰ اور متقین کے متعلق احادیث	۲۵۶
تقویٰ کے مراتب	۲۵۷
الذین یؤمنون بالغیب(۳)	۲۵۷
ایمان کے لغوی معنی کی تفصیل اور تحقیق	۲۵۸
ایمان کی تعریف میں اھل قبلہ کے مذاہب کا خلاصہ	۲۶۰
نفس ایمان اور ایمان کامل کا بیان	۲۶۱
مومن ہونے کے لیے فقط جاننا اور سمجھنا کافی نہیں ہے بلکہ ماننا ضروری ہے	۲۶۲
ایمان کی حقیقت میں فقط تصدیق کے معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد	۲۶۳
ایمان کی حقیقت میں فقط اقرار کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد	۲۶۳
ایمان کی حقیقت میں اعمال کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد	۲۶۴

عنوان	صفحہ نمبر
ایمان میں کمی اور زیادتی کے ثبوت پر قرآن مجید سے استشہاد	۲۶۵
ایمان میں کمی اور زیادتی کے ثبوت پر احادیث سے استشہاد	۲۶۶
ایمان میں کمی اور زیادتی کے دلائل کے جوابات	۲۶۶
آیا اسلام اور ایمان متغائر ہیں یا متحد؟	۲۶۷
غیب کا معنی	۲۶۹
آیات مذکورہ میں غیب کا مصداق	۲۶۹
آیات مذکورہ میں مومنین بالغیب کا مصداق	۲۷۰
آیا مخلوق کے علم پر علم غیب کا اطلاق جائز ہے یا نہیں	۲۷۰
خلاصہ بحث	۲۷۵
جس غیب کی خبر دے دی جائے آیا وہ غیب رہا یا نہیں؟	۲۷۵
ویقیمون الصلوٰۃ(۴)	۲۷۵
صلوۃ کا لغوی معنی	۲۷۶
اقامت صلوۃ کے معانی اور محامل	۲۷۶
بہ تدریج نمازوں کی فرضیت کی کیفیت کا بیان	۲۷۷
عبادات میں نماز کی جامعیت	۲۷۹
قرآن مجید اور احادیث میں نماز پڑھنے کی تاکید	۲۷۹
تارک نماز کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات	۲۸۱
تارک نماز کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۲۸۲
تارک نماز کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۲۸۳
فقہاء شافعیہ کے دلائل کے جوابات	۲۸۴
تارک نماز کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۲۸۴
تارک نماز کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ	۲۸۵
فقہاء احناف کے موقف پر دلیل	۲۸۵

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
ومما رزقنهم ينفقون(۳)	۲۸۶
رزق کا لغوی معنی	۲۸۶
رزق کا اصطلاحی معنی	۲۸۶
حرام کے رزق نہ ہونے پر معتزلہ کے دلائل	۲۸۶
معتزلہ کے دلائل کے جوابات	۲۸۷
حرام کے رزق ہونے پر اہل سنت کے دلائل	۲۸۸
آیا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بالخصوص زکوۃ مراد ہے یا عام	۲۸۸
راہ خدا میں کل مال خرچ کرنے کی شرعی حیثیت	۲۸۹
والذین یؤمنون بما انزل الیک(۴)	۲۹۰
انزال کا معنی اور اس کی کیفیت	۲۹۰
ما انزل الیک و ما انزل من قبلک کی تفصیل	۲۹۰
ختم نبوت پر دلیل	۲۹۱
دار آخرت اور یقین کا معنی	۲۹۱
اولئک علی ھدی من ربھم واولئک ھم المفلحون(۵)	۲۹۲
ان الذین کفروا (۶-۷)	۲۹۲
کفر کا لغوی معنی	۲۹۳
دیگر مفردات کے لغوی معانی	۲۹۳
شان نزول	۲۹۳
اللہ تعالیٰ کے کلام کے قدیم ہونے پر معتزلہ کا اعتراض اور اس کا جواب	۲۹۴
اللہ تعالیٰ نے جس ممکن کے عدم وقوع کی خبر دی ہے اس کے ساتھ مکلف کرنے کی تحقیق	۲۹۴
محال بالذات کے ساتھ مکلف کرنے پر علامہ	

عنوان	صفحہ نمبر
بیضاوی کی دلیل اور اس کا جواب	۲۹۵
جن کا ایمان نہ لانا مقدر ہو چکا ہے ان کو تبلیغ کرنے کی وجہ	۲۹۵
جب کفار کے دلوں پر مہر لگا دی گئی تو ان سے مواخذہ کیوں؟	۲۹۶
قلب کی تعریف	۲۹۷
ومن الناس من یقول امنا باللہ(۸-۱۰)	۲۹۸
منافقین کے اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کے سلسلہ میں اعتراضات کے جوابات	۲۹۹
شعور کا معنی	۳۰۰
مرض کی تعریف اور منافقین کے مرض کا بیان	۳۰۰
جھوٹ کی تعریف اس کا شرعی حکم اور منافقین کے جھوٹ کا بیان	۳۰۱
جھوٹ بولنے کی ممانعت اور اس کے عذاب کے متعلق احادیث	۳۰۱
جھوٹ بولنے کی رخصت کے مواقع	۳۰۲
جان' مال اور عزت بچانے کے لیے جھوٹ بولنے کی اجازت	۳۰۲
شعر اور مبالغہ میں جھوٹ کا جواز	۳۰۳
تعریض اور توریہ میں جھوٹ بولنے کا جواز	۳۰۳
توریہ کے سلسلہ میں فقہاء کی رائے	۳۰۵
خلاصہ بحث	۳۰۶
واذا قیل لھم لا تفسدوا فی الارض (۱۱-۱۲)	۳۰۶
منافقین اپنے افساد کو اصلاح کیوں کہتے تھے؟	۳۰۶
عہد رسالت سے لے کر آج تک افساد کو اصلاح کا نام دینے کا تسلسل	۳۰۷

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
ایمان لانے کے لیے صحابہ کرام کے ایمان کا معیار ہونا	۳۰۷
زندیق کی توبہ کی قبولیت پر دلیل	۳۰۸
زندیق کی تحقیق اور اس کا شرعی حکم	۳۰۸
صحابہ کرام پر سب و شتم کی مذمت اور رد۔ واذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا (۱۵۔۱۴)	۳۱۰
ان شیاطین کا بیان جن سے منافق خلوت میں ملتے تھے	۳۱۱
اللہ تعالیٰ کے استہزاء کی توجیہ	۳۱۱
اولئک الذین اشتروا الضلالۃ بالھدی (۱۸۔۱۶)	۳۱۲
منافقین کے احوال کی پہلی مثال	۳۱۳
او کصیب من السماء (۲۰۔۱۹)	۳۱۴
منافقین کے احوال کی دوسری مثال	۳۱۴
دونوں مثالوں کا تجزیہ	۳۱۵
آیا عہد رسالت کے بعد منافقوں کا وجود ہے یا نہیں؟	۳۱۵
شے کے معنی میں اھل سنت اور معتزلہ کا اختلاف	۳۱۵
اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کا محال ہونا	۳۱۶
اللہ تعالیٰ کی قدرت کے معنی کی تحقیق اور اس کے کذب کے محال ہونے پر دلائل	۳۱۶
یا یھا الناس اعبدوا ربکم (۲۲۔۲۱)	۳۱۸
ربط آیات اور التفات کے فوائد	۳۱۸
باوجود اللہ تعالیٰ کے قرب کے یا یھا الناس سے ندا کرنے کی توجیہ	۳۱۸
یا یھا الناس سے سورہ بقرہ کے مدنی ہونے پر	

عنوان	صفحہ نمبر
اعتراض کا جواب	۳۱۹
مومنین، کفار اور منافقین کے لیے عبادت کے حکم کا الگ الگ معنی	۳۱۹
کفار کا فروع کے مکلف ہونے میں علماء بخارا اور علماء شافعیہ کا اختلاف اور صحیح موقف کا بیان	۳۱۹
اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا اعتراف	۳۲۰
اللہ تعالیٰ کے خالق اور لاشریک ہونے پر دلائل	۳۲۰
لعلکم تتقون میں امید کی نسبت بندوں کی طرف ہے	۳۲۲
انسان عبادت پر غرور کرے نہ عبادت کی وجہ سے خود کو اجر کا مستحق سمجھے	۳۲۳
زمین کا گول ہونا اور اس کا گردش کرنا اس کے فرش ہونے کے منافی نہیں ہے	۳۲۴
پھلوں کو بتدریج پیدا کرنے کی حکمت	۳۲۴
اللہ تعالیٰ کے لاشریک ہونے کا بیان	۳۲۵
شرک کی تعریف	۳۲۷
کیا چیز شرک ہے اور کیا چیز شرک نہیں ہے	۳۲۷
وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا (۲۴۔۲۳)	۳۲۹
سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل	۳۳۰
شہید کا معنی	۳۳۱
دوزخ میں جلنے والے پتھروں کا بیان	۳۳۲
وبشر الذین امنوا وعملوا الصلحت (۲۵)	۳۳۲
نجات کا مدار اللہ کے فضل پر ہے نہ کہ اعمال پر	۳۳۲
جنت کا معنی، قرآن اور حدیث میں جنت کی ترغیب اور اس کی طلب کا بیان	۳۳۳

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
جنتی عورتوں اور حوروں کی پاکیزگی' حسن و جمال اور ان کے ساتھ نکاح کی کیفیت کا بیان	۳۳۶
جس عورت نے دنیا میں متعدد نکاح کیے ہوں وہ آخرت میں کس خاوند کے نکاح میں ہو گی؟	۳۳۷
جن مردوں اور عورتوں کا دنیا میں نکاح نہیں ہوا' ان کا جنت میں نکاح ہو جائے گا	۳۳۸
جنت میں ناپاک اور ناجائز خواہشات نہیں ہوں گی	۳۳۸
ان اللہ لا یستحی ان یضرب مثلا ما بعوضۃ فما فوقہا (۲۷-۲۶)	۳۳۹
مثال بیان کرنے کا قاعدہ	۳۴۰
حیاء کا معنی اور قرآن اور حدیث میں اللہ کی طرف حیاء کی نسبت کا محمل	۳۴۰
اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے کی توجیہ	۳۴۱
فسق کی تعریف اور اس کی اقسام	۳۴۲
عہد موثق کا معنی اور اس کی اقسام	۳۴۲
منافقین کا شر اور فساد	۳۴۳
کیف تکفرون باللہ (۲۹-۲۸)	۳۴۳
حیات اور موت کا معنی	۳۴۴
زمین اور آسمان کی تخلیق کی ترتیب	۳۴۵
اباحت کے اصل ہونے کی تحقیق	۳۴۶
حشر اجساد پر دلیل	۳۴۸
واذقال ربک للملائکۃ (۳۴-۳۰)	۳۴۸
ربط آیات	۳۴۹
ملائکہ کی حقیقت ان کی خصوصیت اور ان کے فرائض منصبی کا بیان	۳۴۹
خلیفہ کی تعریف اور اس کی اقسام	۳۵۱
آیت مذکورہ میں خلیفہ کے مصداق کا بیان	۳۵۲
اللہ تعالیٰ کی طرف مشورہ کی نسبت کا شرعی حکم	۳۵۲
حضرت آدم کے خلیفہ بنانے پر فرشتوں کے سوال کرنے کا محمل	۳۵۳
حضرت آدم کو خلیفہ بنانے کی وجہ اور فرشتوں کے شبہ کا ازالہ	۳۵۳
آدم کی لفظی تحقیق اور حضرت آدم کی تخلیق کے مراحل	۳۵۴
حضرت آدم کو تمام اسماء کی تعلیم کا بیان	۳۵۵
واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لادم (۳۹-۳۴)	۳۵۵
حضرت آدم کو فرشتوں کے سجدہ کرنے کی وجہ	۳۵۶
سجدہ کے لغوی اور شرعی معنی	۳۵۷
تکبر کا معنی اور ابلیس کے تکبر کا بیان	۳۵۷
ابلیس کا معنی اور اس کے فرشتہ یا جن ہونے کی تحقیق	۳۵۸
حضرت حوا کی خلقت کا بیان	۳۶۰
آیا حضرت آدم کو جنت الخلد میں رکھا گیا تھا یا زمین کے کسی باغ میں؟	۳۶۱
شجر ممنوع کا بیان	۳۶۲
آیا شجر ممنوع سے کھانا معصیت تھا یا نہیں؟	۳۶۲
شجر ممنوع سے کھانے کے لیے ابلیس کی وسوسہ اندازی کا بیان	۳۶۳
عصمت انبیاء کا اصطلاحی معنی	۳۶۵
انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر دلائل	۳۶۶
عصمت انبیاء کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات اور مذاہب	۳۶۷
عصمت انبیاء کے متعلق محققین کا مذہب	۳۶۸
انبیاء علیہم السلام کی عصمت پر اعتراضات کا اجمالی جواب	۳۶۸
حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے کی حکمتیں	

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
کا بیان	۳۶۸
حضرت آدم کی توبہ کے کلمات اور سیدنا حضرت محمد ﷺ سے توسل	۳۷۰
توبہ کا لغوی اور شرعی معنی	۳۷۲
قرآن اور سنت میں توبہ کا بیان	۳۷۳
نیچے اترنے کا دو بار حکم دینے کی حکمت	۳۷۵
عصمت آدم پر حشویہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات	۳۷۵
حضرت سیدنا محمد ﷺ کا حقیقت میں خلیفہ اعظم ہونا	۳۷۶
بشر اور فرشتہ کے درمیان افضلیت کا بیان	۳۷۸
قصہ آدم اور ابلیس میں حکمتیں اور نصیحتیں	۳۷۹
یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی (۴۰-۴۶)	۳۸۰
ربط آیات	۳۸۰
بنو اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان اور ان نعمتوں کے یاد دلانے کی وجہ	۳۸۱
بنو اسرائیل اور اللہ تعالیٰ کے مابین عہد کا بیان	۳۸۲
قرآن مجید کس چیز میں تورات کا مصدق ہے؟ ہر نبی کے زمانہ میں اس کی شریعت پر عمل اور حضور کی رسالت کا عموم	۳۸۲
تعلیم قرآن پر اجرت لینے کی تحقیق	۳۸۴
قرآن خوانی کے نذرانوں کے جواز کا بیان	۳۸۸
یہود کی تلبیس اور کتمان حق کا بیان	۳۸۹
زکوۃ کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کے وجوب کی شرائط کا بیان	۳۸۹
باجماعت نماز پڑھنے کے فوائد	۳۹۰

عنوان	صفحہ نمبر
جماعت کے شرعی حکم میں مذاہب فقہاء	۳۹۰
نوافل کی جماعت کی تحقیق	۳۹۲
خواتین کی امامت کی تحقیق	۳۹۳
خواتین کی امامت کے متعلق احادیث	۳۹۴
خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۳۹۵
خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۳۹۵
خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۳۹۵
خواتین کی امامت کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ	۳۹۶
سمجھ دار نابالغ لڑکے کی امامت کی تحقیق	۳۹۷
یہود کی بے عملی کا بیان	۳۹۹
بے عمل علماء کے عذاب کا بیان	۳۹۹
آیا نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے خود نیک ہونا ضروری ہے؟	۴۰۰
بے علم کے وعظ، تقریر اور اس کے مرید کرنے کا شرعی حکم	۴۰۲
صبر کے معانی	۴۰۷
صبر کے متعلق احادیث	۴۰۷
نماز سے مدد حاصل کرنے کا بیان	۴۰۸
خشوع کا معنی	۴۰۸
یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی (۴۰-۴۸)	۴۰۹
شفاعت کی تحقیق	۴۱۰
شفاعت پر قرآن کریم سے دلائل	۴۱۱
شفاعت پر احادیث سے دلائل	۴۱۳
واذنجینا کم من ال فرعون (۴۹-۵۴)	۴۱۵
بنو اسرائیل پر فرعون کے عذاب کا بیان	۴۱۶
فرعون کا نام	۴۱۷

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
کل کا لغوی معنی	۴۱۷
نبی ﷺ کی کل کے مصداق کی تحقیق	۴۱۸
بنو اسرائیل کے لیے سمندر چیرنے کا بیان	۴۲۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام و نسب کا بیان	۴۲۱
تورات کا نزول اور بنو اسرائیل کی گوسالہ پرستی	۴۲۱
بنو اسرائیل کی قبولیت توبہ کا بیان	۴۲۲
واذ قلتم یا موسیٰ لن نؤمن لک (۵۵-۵۹)	۴۲۴
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معذرت کے لیے ستر بنو اسرائیل کو طور پر لے جانا	۴۲۵
ستر اسرائیلیوں کا دوبارہ زندہ ہونا ان کے مکلف ہونے کے منافی نہیں	۴۲۵
میدان تیہ میں بنو اسرائیل کی سرگردانی کا پس منظر و پیش منظر اور اللہ کی نعمتوں کا بیان	۴۲۶
بنو اسرائیل کا حطۃ کو حنطۃ کہنا	۴۲۷
بنو اسرائیل پر طاعون کا عذاب	۴۲۸
طاعون کے متعلق احادیث	۴۲۸
طاعون کے متعلق قدیم علماء اور جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق	۴۲۹
طاعون کا علاج	۴۳۰
واذ استسقیٰ موسیٰ لقومہ (۶۰-۶۱)	۴۳۰
زمین سے پانی نکالنے میں حضرت موسیٰ کا معجزہ اور اس کے مقابلہ میں ہمارے نبی کا معجزہ	۴۳۱
یہودیوں کے نبیوں کو قتل کرنے پر تورات کی شہادت	۴۳۲
یہودیوں پر ذلت مسلط کیے جانے کے باوجود اسرائیل کی حکومت کی توجیہ	۴۳۳
ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصاریٰ (۶۲)	۴۳۴
صابئین کے دین کی تحقیق	۴۳۴
ایمان لائے ہوئے لوگوں کے ایمان لانے کی توجیہ	۴۳۵
آیا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے سے موجودہ یہودیوں اور عیسائیوں کی نجات ہو جائے گی	۴۳۵
نجات کے لیے صرف کسی دین کی طرف منسوب ہونا کافی نہیں ہے	۴۳۶
واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور (۶۳-۶۴)	۴۳۷
عہد اور میثاق کے معنی	۴۳۸
کتابوں کو نازل کرنے سے مقصود عمل ہے	۴۳۸
کیا بنو اسرائیل کے سروں پر پہاڑ کو معلق کر کے ان سے تورات کو قبول کرانا ان کے اختیار کے منافی نہیں تھا؟	۴۳۹
موجودہ بندروں کے مسخ شدہ اسرائیلی ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق	۴۴۰
نسخ اور تناسخ کا بیان	۴۴۳
حیلہ کی تحقیق	۴۴۴
قرآن اور سنت میں حیلہ کا ثبوت	۴۴۵
حیلہ کی تعریف اور اس کی اقسام	۴۴۶
فقہاء کے بیان کیے ہوئے بعض حیلے	۴۴۶
حیلہ اسقاط کی تحقیق	۴۴۷
واذ قال موسیٰ لقومہ ان اللہ یامرکم (۶۷-۷۱)	۴۴۸
بنو اسرائیل کے گائے ذبح کرنے کا بیان	۴۴۹
بنو اسرائیل کی گائے کا بیان	۴۵۰
گائے ذبح کرنے کے واقعہ سے استنباط شدہ مسائل	۴۵۱

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
واذ قتلتم نفسا فادارء تم فیھا (۷۲-۷۳)	۴۵۱
گائے کا ایک عضو مقتول پر مارنے سے اس کا زندہ ہونا	۴۵۲
گائے ذبح کرا کر مقتول کو زندہ کرنے کی حکمت	۴۵۲
پتھروں، درختوں اور جانوروں کا ادراک اور ان کا آپ کی رسالت کی گواہی دینا	۴۵۳
افتطمعون ان یؤمنوا لکم (۷۵-۷۹)	۴۵۶
آیات مذکورہ کا شان نزول	۴۵۷
بنو اسرائیل کی تحریف کا بیان	۴۵۷
یہود کے نفاق کا بیان	۴۵۸
امی اور امنیہ کا بیان	۴۵۹
ویل کا معنی	۴۵۹
وقالوا لن تمسنا النار (۸۰-۸۲)	۴۶۰
عذاب یہود کے مزعومہ چند دنوں کا بیان	۴۶۱
بلا توبہ مرتکب کبیرہ مرنے والوں کے دائمی عذاب پر معتزلہ کا استدلال اور اس کا جواب	۴۶۱
واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل (۸۳)	۴۶۱
ربط آیات	۴۶۲
والدین کی اطاعت پر ثواب کے متعلق احادیث	۴۶۲
ماں باپ کی نافرمانی پر عذاب کے متعلق احادیث	۴۶۴
رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق احادیث	۴۶۶
واذ اخذنا میثاقکم لا تسفکون دماءکم (۸۴-۸۶)	۴۶۷
یہود مدینہ کا ایک دوسرے کو قتل کر کے میثاق توڑنے کا بیان	۴۶۸

عنوان	صفحہ نمبر
ولقد اتینا موسی الکتب (۸۷-۸۸)	۴۶۸
عیسیٰ، مریم اور روح القدس کے معنی	۴۶۹
انبیاء کرام سے یہود کے عناد رکھنے کا بیان	۴۶۹
آیات مذکورہ سے مسائل کا استنباط	۴۷۰
ولما جاءھم کتاب من عند اللہ (۸۹-۹۰)	۴۷۰
ہمارے نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا کا قبول ہونا	۴۷۱
خلاصہ آیات اور استنباط مسائل	۴۷۲
واذا قیل لھم امنوا بما انزل اللہ (۹۱-۹۳)	۴۷۲
تورات پر یہود کے دعویٰ ایمان کا رد اور ابطال	۴۷۳
قرآن کے احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ	۴۷۴
قل ان کانت لکم الدار الاخرۃ (۹۴-۹۶)	۴۷۵
یہودیوں کے اس دعویٰ کا رد کہ جنت کے صرف وہی مستحق ہیں	۴۷۵
قرآن مجید کی صداقت اور ہمارے نبی ﷺ کی صداقت کی دلیل	۴۷۶
حصول شہادت کے لیے موت کی تمنا کا استحباب	۴۷۶
اور مصیبت سے گھبرا کر موت کی تمنا کی ممانعت	۴۷۶
قل من کان عدوا لجبریل (۹۷-۱۰۱)	۴۷۷
یہود کا جبرائیل کو اپنا دشمن کہنا	۴۷۸
جبرائیل کو دشمن کہنے کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب	۴۸۰
ہمارے نبی ﷺ کی نبوت پر دلیل	۴۸۰
یہودیوں کا آپ پر ایمان لانے کے عہد کو توڑنا	۴۸۱
واتبعوا ما تتلوا الشیاطین علی ملک سلیمان (۱۰۲-۱۰۳)	۴۸۱

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

صفحہ نمبر	عنوان
۴۸۲	حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف جادو کی نسبت کی تحقیق
۴۸۴	سحر کے لغوی معنی
۴۸۵	سحر کے شرعی معنی
۴۸۵	سحر کی تحقیق میں مذاہب' سحر کے دلائل اور ان پر اعتراضات کے جوابات
۴۸۸	سحر کے شرعی حکم کی تحقیق
۴۸۸	سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ
۴۸۹	سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ
۴۸۹	سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ
۴۹۰	سحر کے شرعی حکم کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ
۴۹۱	مذاہب اربعہ کا خلاصہ اور تجزیہ
۴۹۲	ہاروت اور ماروت پر سحر کو نازل کرنے کی حکمت
۴۹۲	ہاروت اور ماروت کی معصیت کی روایت
۴۹۳	ہاروت اور ماروت کی معصیت کی روایت کا قرآن مجید سے بطلان
۴۹۴	ہاروت اور ماروت کی معصیت کی روایت پر بحث و نظر
۴۹۶	علم کے تقاضوں پر عمل نہ کرنا حکماً جہل ہے
۴۹۶	اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کا فرق
۴۹۶	یایھا الذین اٰمنوا لا تقولوا راعنا (۱۰۵-۱۰۴)
۴۹۷	راعنا کہنے کی ممانعت اور انظرنا کہنے کا حکم
۴۹۸	رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے شرعی حکم کی تحقیق
۵۰۱	گستاخانہ کلام میں توہین کی نیت کی بحث
۵۰۴	ما ننسخ من ایۃ او ننسہا (۱۰۶)

صفحہ نمبر	عنوان
۵۰۴	نسخ کی تحقیق
۵۰۴	نسخ کے دو معنی
۵۰۵	نسخ اور بداء کا فرق
۵۰۷	خبر کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف
۵۰۷	نسخ اور تخصیص کا فرق
۵۰۸	نسخ اور تقیید کا فرق
۵۰۸	عرف اور تعامل کا بدلنا نسخ نہیں ہے
۵۰۹	قرآن مجید کی آیات منسوخہ کی تعداد میں اختلاف کا منشاء
۵۰۹	الم تعلم ان اللہ لہ ملک السموت والارض (۱۰۷-۱۰۶)
۵۱۰	ربط آیات
۵۱۱	نبی ﷺ سے سوالات کی ممانعت کا محمل
۵۱۲	حسد کی تحقیق
۵۱۳	حسد کے متعلق احادیث اور آثار
۵۱۴	حسد کے مراتب
۵۱۵	حسد کے اسباب
۵۱۶	حسد کو زائل کرنے کا علاج
۵۱۶	کافروں اور مشرکوں کی زیادتی سے نبی ﷺ کا درگزر کرنا
۵۱۷	عفو اور درگزر کا منسوخ ہونا
۵۱۸	شخصی معاملہ میں زیادتی سے درگزر کرنا اور دین کے معاملہ میں رعایت نہ کرنا
۵۱۹	آخرت کے لیے نیکیوں کا بھیجنا
۵۲۰	وقالت الیہود لیست النصاری (۱۱۳)
۵۲۱	یہود و نصاریٰ کا فرقوں میں بٹنا
۵۲۱	ملت اسلامیہ کا بیان اور اسلامی فرقوں کی تحقیق

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
شریعت، طریقت اور حقیقت کا بیان	۵۲۶
ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ (۱۱۴-۱۱۵)	۵۲۶
آیت مذکورہ کے شان نزول کی تحقیق	۵۲۷
ذکر بالجہر کی تحقیق	۵۲۷
مسجد میں کافر کے دخول کے متعلق مذاہب ائمہ	۵۲۹
وللہ المشرق والمغرب کے شان نزول کا بیان	۵۲۹
چلتی ہوئی ٹرین میں فرض نماز پڑھنے کا جواز	۵۳۰
وقالوا اتخذ اللہ ولدا (۱۱۶-۱۱۹)	۵۳۲
اللہ تعالیٰ کی اولاد نہ ہونے پر دلائل	۵۳۳
ابداع اور بدعت کا معنی	۵۳۳
بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام	۵۳۴
سنت کی تعریف، اس کی اقسام اور اس کا شرعی حکم	۵۳۵
ڈاڑھی میں قبضہ کی بحث	۵۳۶
کیا ترک سنت کی سزا شفاعت سے محرومی ہے؟	۵۳۷
کن فیکون کی تحقیق	۵۳۷
مشرکین کے فرمائشی معجزات اور مطالبات پورا نہ کرنے کی وجوہ	۵۳۸
نبی ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کی بحث	۵۴۰
ولن ترضی عنک الیہود (۱۲۰-۱۲۱)	۵۴۳
یہود و نصاریٰ کی عدم اطاعت کی خبر کا قرب قیامت میں ان کے ایمان لانے کی آیت سے تعارض اور اس کا جواب	۵۴۳
بعض آیات میں بہ ظاہر رسول اللہ ﷺ سے اور حقیقت میں مسلمانوں سے خطاب ہونا	۵۴۴
تورات اور انجیل کی تلاوت کا ناجائز ہونا اور قرآن مجید کی تلاوت کے آداب	۵۴۴
یا بنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی	

عنوان	صفحہ نمبر
(۱۲۲-۱۲۴)	۵۴۵
نسبت ابراہیم کی وجہ سے یہود، نصاریٰ اور مشرکین پر دین اسلام کا حجت ہونا	۵۴۶
ان کلمات کا بیان جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی گئی	۵۴۷
امام کا لغوی معنی	۵۴۸
اہل سنت کے نزدیک امام کا شرعی معنی	۵۴۸
اہل تشیع کے نزدیک امامت کا شرعی معنی اور بحث و نظر	۵۴۹
امام کے معصوم ہونے پر علماء شیعہ کے دلائل اور بحث و نظر	۵۵۱
علماء شیعہ کے نزدیک اللہ اور رسول کی تصریح سے امام کا تقرر اور بحث و نظر	۵۵۳
علماء شیعہ کے نزدیک امام کو مقرر کرنے کا اللہ پر وجوب اور بحث و نظر	۵۵۴
اہل تشیع کے بارہ اماموں کا بیان	۵۵۵
اہل سنت کے نزدیک امامت کو منعقد کرنے کے طریقے	۵۵۵
امامت کے مسائل	۵۵۶
امامت کے وجوب پر دلائل	۵۵۶
کیا اب امام نہ بنانے کی وجہ سے پوری امت گمراہ ہے؟	۵۵۷
فاسق کی امامت امت میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۵۵۷
فاسق کی امامت امت میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۵۵۸
فاسق کی امامت امت میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۵۵۹
فاسق کی امامت امت میں فقہاء احناف کا نظریہ	۵۶۰
فاسق کی امامت نماز میں ائمہ مالکیہ کا نظریہ	۵۶۲
فاسق کی امامت نماز میں ائمہ حنبلیہ کا نظریہ	۵۶۲
فاسق کی امامت نماز میں ائمہ شافعیہ کا نظریہ	۵۶۳
فاسق کی امامت نماز میں ائمہ احناف کا نظریہ	۵۶۳

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
حضرت ابراہیم کے مطلقاً ذریت کے لیے دعا کرنے کی توجیہ	۵۶۸
واذجعلنا البیت مثابۃ للناس وامنا	۵۶۸
حرم میں قصاص لینے اور حدود جاری کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ	۵۶۹
مقام ابراہیم کے تعیین کی تحقیق	۵۷۰
آیا مکہ مکرمہ ابتداء آفرینش سے حرم ہے یا حضرت ابراہیم کی دعا کے بعد سے؟	۵۷۱
واذیرفع ابراھیم القواعد (۲۸-۲۷)	۵۷۲
تعمیر کعبہ کی تاریخ کے متعلق روایات کا بیان	۵۷۲
حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے مسلمان کرنے کی دعا پر اعتراض اور اس کا جواب	۵۷۴
اپنی اولاد کے لیے دعا کی تخصیص کا جواب	۵۷۵
حضرت ابراہیم کو مناسک حج کی تعلیم کا بیان	۵۷۵
ربنا وابعث فیھم رسولا (۲۹)	۵۷۵
حضرت ابراہیم نے جس عظیم رسول کی بعثت کی دعا کی وہ سیدنا محمد ﷺ ہیں	۵۷۶
اہل مکہ میں ہی سے رسول کو مبعوث کرنے کی حکمت	۵۷۶
نماز میں حضرت ابراہیم پر صلوۃ کی تخصیص اور ان کے ساتھ تشبیہ کی حکمتیں	۵۷۷
کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ نفس کی تشریح	۵۷۷
ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم (۳۱-۳۰)	۵۷۸
ملت کا معنی	۵۷۸
ملت ابراہیم سے انحراف کا حماقت ہونا	۵۷۸
تمام انبیاء کا پیدائشی مومن ہونا	۵۷۹
ووصی بھا ابراھیم بنیہ (۳۴-۳۲)	۵۷۹

عنوان	صفحہ نمبر
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹوں کی سوانح	۵۸۰
جبریہ اور قدریہ کے نظریہ کا رد	۵۸۱
کسی کے گناہ کی سزا دوسرے کو نہ دینا	۵۸۱
قرآن اور حدیث کی بناء پر اکابر علماء سے اختلاف کرنے کا جواز	۵۸۲
وقالوا کونوا ھودا او نصاری (۱۳۷-۱۳۵)	۵۸۴
حنیف کا معنی	۵۸۵
تمام انبیاء پر ایمان لانے کی وجہ	۵۸۵
باقی انبیاء پر جو نازل کیا گیا اس پر ایمان لانے کے کامل اللہ کی مثل پر ایمان لانے میں اشکال اور اس کے جوابات	۵۸۶
صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ (۱۳۸-۱۳۱)	۵۸۷
صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ) کی تفسیر	۵۸۸
اخلاص کا معنی	۵۸۸
حضرت ابراہیم اور اسماعیل وغیرہ کے دین یہودیت اور عیسائیت پر نہ ہونے کا بیان	۵۸۹
اس شہادت کا بیان جس کو یہودیوں اور عیسائیوں نے چھپایا	۵۹۰
ایک شخص کے عمل سے دوسرے کو فائدہ پہنچنے کی تحقیق	۵۹۰
سیقول السفھاء من الناس (۱۴۳-۱۴۲)	۵۹۲
آیا مکہ مکرمہ میں ابتداء آپ کا قبلہ کعبہ تھا یا بیت المقدس؟	۵۹۳
تحویل قبلہ کا بیان	۵۹۳
تحویل قبلہ سے متعلق مسائل	۵۹۴
نماز کے لیے کسی ایک جہت کی طرف منہ کرنے کے اسرار	۵۹۵

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
کعبہ کو قبلہ بنانے کے اسرار	۵۹۵
استقبال قبلہ کے فقہی مسائل	۵۹۶
کعبہ کا اولیاء اللہ کی زیارت کے لیے جانا	۵۹۷
امت مسلمہ کا باقی امتوں پر گواہ ہونا	۵۹۸
دین اسلام اور مسلک اہل سنت و جماعت کا سب سے افضل ہونا	۵۹۹
عدالت صحابہ اور حجیت اجماع	
قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں پچھلی امتوں اور اس امت کے افعال اور احوال کا نبی ﷺ پر پیش کیا جانا	۶۰۰
بعض ترجموں سے اللہ تعالیٰ کے علم کی نفی کا اشکال اور اس کے جوابات	۶۰۳
اہل کتاب پر تحویل قبلہ کے بھاری ہونے کی وجہ	۶۰۴
نمازوں پر ایمان کے اطلاق کی توجیہ	۶۰۴
قدنری تقلب وجهک (۱۴۴-۱۴۶)	۶۰۵
نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کی تحقیق	۶۰۶
اھل کتاب کو تحویل قبلہ کے برحق ہونے کا علم	۶۰۷
علماء سے معصیت کے صدور کا زیادہ قبیح ہونا	۶۰۷
اہل کتاب کا نبی ﷺ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ پہچاننا	۶۰۷
الحق من ربک فلا تکونن من الممترین (۱۴۷-۱۵۲)	۶۰۹
قبلہ کے بارے میں شک کرنے کی ممانعت کی توجیہ	۶۱۰
اللہ کی ذات کا حضور کے لیے قبلہ ہونا	۶۱۱
پانچوں نمازوں کے مستحب اوقات	۶۱۱
کعبہ کی طرف منہ کرنے کے حکم کو تین بار ذکر کرنے کی حکمتیں	۶۱۳

عنوان	صفحہ نمبر
تمام نعمت کا مصداق	۶۱۴
دعائے ابراھیم میں تزکیہ کا موخر ہونا اور دعائے استجابت میں مقدم ہونا	۶۱۵
نبی اور رسول کی تعریف	۶۱۶
نبی اور رسول کو مبعوث کرنے کی حکمتیں	۶۱۷
نبی کی شرائط	۶۱۸
ہر نبی کے پیدائشی نبی ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق	۶۱۸
نبیوں، رسولوں، کتابوں اور صحیفوں کی تعداد کی تحقیق	۶۱۹
ذکر کی اقسام اور ذکر کے متعلق اقوال	۶۲۱
یا یھا الذین اٰمنوا استعینوا بالصبر والصلوۃ (۱۵۳-۱۵۷)	۶۲۳
ربط آیات	۶۲۳
اللہ کے نزدیک موت اور حیات کا معنی اور شان نزول	۶۲۴
برزخ میں حیات کا بیان	۶۲۴
اولیاء اللہ کی جسمانی حیات کا بیان	۶۲۵
شہداء کی حیات کا بیان	۶۲۵
شہادت کے بعد بعض جسموں کے تغیر سے ان کی حیات پر معارضہ کا جواب	۶۲۶
سبز پرندوں میں شہید کی روح کے متمثل ہونے سے تناسخ کا جواب	۶۲۷
انبیاء علیہم السلام کی حیات کا بیان	۶۲۷
حیات انبیاء پر حضرت سلیمان علیہ السلام کے گرنے سے معارضہ کے جوابات	۶۳۰
وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کے دکھائی دینے کی کیفیت کا بیان	۶۳۰

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
شہید کا معنی	۶۳۱
شہداء کی تعداد کا بیان	۶۳۲
شہید کے متعلق فقہی احکام	۶۳۲
علم اور شعور کا فرق	۶۳۳
دنیا میں مصائب پیش آنے کی وجوہات	۶۳۴
صبر کے معانی اور مصیبت پر صبر کرنے کی فضیلت	۶۳۵
انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کی فضیلت	۶۳۶
صلوۃ کا معنی اور غیر انبیاء پر صلوۃ بھیجنے کی شرعی حیثیت	۶۳۷
مروجہ ماتم کی شرعی حیثیت	۶۳۷
ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ (۱۵۸-۱۶۰)	۶۳۸
ربط آیات	۶۳۹
صفا اور مروہ کے معنی	۶۳۹
حج اور عمرہ کا لغوی اور شرعی معنی	۶۳۹
شوال میں عمرہ کرنے والے پر استطاعت کے بغیر حج فرض ہونے کی تحقیق	۶۴۰
یہ فرمانے کی وجہ کہ صفا اور مروہ میں سعی گناہ نہیں ہے	۶۴۲
صفا اور مروہ کے درمیان سعی میں مذاہب ائمہ	۶۴۳
علم چھپانے پر وعید کا بیان	۶۴۵
نااہل لوگوں کے سامنے علم اور حکمت کو بیان کرنے کی ممانعت	۶۴۶
لعنت کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کے شرعی احکام	۶۴۷
توبہ کے قبول ہونے کے لیے گناہ کو ترک کرنے اور اس کی تلافی کرنے کی شرط	۶۴۸

عنوان	صفحہ نمبر
ان الذین کفروا وماتوا وھم کفار (۱۶۱-۱۶۳)	۶۴۸
مردہ کافروں پر لعنت کرنے کا جواز اور زندہ کافروں پر لعنت کرنے کی ممانعت	۶۴۹
مسلمانوں پر لعنت کرنے کی ممانعت	۶۵۰
کفار کے عذاب میں تخفیف نہ ہونے پر دلائل اور ابولہب وغیرہ کے عذاب میں تخفیف کے جوابات	۶۵۰
واحد کا معنی اور لا الہ الا اللہ پڑھنے کی فضیلت	۶۵۲
ان فی خلق السموات والارض (۱۶۴)	۶۵۳
اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدت اور اس کے علم پر دلائل	۶۵۳
ومن الناس من یتخذ من دون اللہ (۱۶۵-۱۶۷)	۶۵۵
مومن کے نزدیک محبوبین کے مدارج	۶۵۶
البقرہ کی آیت : ۱۶۵ کے متعدد نحوی تراکیب کے اعتبار سے آٹھ معانی	۶۵۶
گمراہ کرنے والے متبوعین کا اپنے تابعین سے قیامت کے دن بری ہونا	۶۵۷
یا یھا الناس کلوا مما فی الارض (۱۶۸-۱۷۰)	۶۵۸
ربط آیات	۶۵۹
حلال اور طیب اور گناہ اور بدعت کا معنی	۶۵۹
سوء اور فحشاء کا معنی	۶۵۹
تقلید کی تعریف	۶۶۰
ومثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق (۱۷۱-۱۷۳)	۶۶۱

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
نعق کا معنی	۶۶۱
حرام کھانے کا وبال	۶۶۲
حرام کئے ہوئے مردہ جانوروں میں سے مستثنیات کا بیان	۶۶۲
عنبر کی تحقیق	۶۶۳
سطح آب پر آنے والی مردہ مچھلی کا شرعی حکم	۶۶۴
ملکی اور غیر ملکی صابنوں کو استعمال کرنے کا شرعی حکم	۶۶۵
بہائے ہوئے خون کا بالاجماع حرام ہونا	۶۶۶
ضرورت کی وجہ سے ایک شخص کے جسم میں دوسرے شخص کے خون کو منتقل کرنے کا جواز	۶۶۷
حرام چیزوں سے علاج کی ممانعت کے متعلق احادیث	۶۶۷
فقہاء اسلام کے نزدیک احادیث مذکورہ کا محمل	۶۶۹
ضرورت کے وقت حرام چیزوں سے علاج کے متعلق احادیث اور فقہاء اسلام کی تشریحات	۶۷۰
صحت اور زندگی کی حفاظت کا حکم باقی تمام احکام پر مقدم ہے	۶۷۲
اللہ کی دی ہوئی رخصت پر عمل کرنا واجب ہے	۶۷۵
وما اھل بہ لغیر اللہ کی تحقیق	۶۷۶
ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتاب (۱۷۶-۱۷۴)	۶۷۸
تورات میں نبی ﷺ کے اوصاف کو چھپانے کا گناہ ہونا	۶۷۸
اللہ تعالیٰ کے کلام نہ کرنے اور نظر نہ فرمانے کی توجیہ	۶۷۸
لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل	

عنوان	صفحہ نمبر
المشرق والمغرب (۱۷۷)	۶۷۹
آیت مذکورہ کے شان نزول کے متعلق اقوال	۶۸۰
اللہ تعالیٰ، یوم آخرت، فرشتوں، کتابوں اور نبیوں پر ایمان لانے کا معنی	۶۸۰
رشتہ داروں پر مال خرچ کرنے کی فضیلت	۶۸۱
یتیم، مسکین اور ابن السبیل کا معنی	۶۸۲
سوال کرنے کی جائز حد	۶۸۲
سائلین کو دینے کے متعلق مصنف کی تحقیق	۶۸۳
غلام آزاد کرنے، نماز پڑھنے اور زکوۃ وغیرہ کے معانی	۶۸۴
یایھاالذین امنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی (۱۷۹-۱۷۸)	۶۸۵
آیات مذکورہ کا شان نزول	۶۸۵
غلام اور ذمی کے خون کا قصاص نہ لینے کے حق میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل	۶۸۵
غلام اور ذمی کے قصاص کے متعلق امام ابوحنیفہ کا مذہب	۶۸۶
آزاد سے غلام کا قصاص لینے کے ثبوت میں قرآن اور سنت سے دلائل	۶۸۶
آزاد سے غلام کا قصاص نہ لینے کے متعلق ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب	۶۸۷
مسلمان سے ذمی کا قصاص لینے کے متعلق قرآن اور سنت سے دلائل	۶۸۸
متعدد لوگوں کی جماعت سے ایک شخص کے قصاص لینے کا بیان	۶۸۹
سلاطین اور حکام سے قصاص لینے کے متعلق احادیث اور آثار	۶۹۰

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
قصاص لینا حکومت کا منصب ہے	۶۹۱
کیفیت قصاص اور آلہ قتل میں ائمہ مذاہب کی آراء اور ان کے دلائل	۶۹۱
ولی مقتول کے معاف کرنے کی تفصیل	۶۹۳
دیت کی مقدار اور عاقلہ کا بیان	۶۹۴
کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت (۱۸۲-۱۸۰)	۶۹۴
ربط آیات اور خلاصہ تفسیر	۶۹۵
وصیت کا لغوی اور شرعی معنی	۶۹۵
وصیت کی اقسام	۶۹۵
وصیت کی شرائط اور رکن	۶۹۶
وصیت کا لزوم	۶۹۶
ورثاء کے لیے وصیت کا منسوخ ہونا اور غیر ورثاء کے لیے تہائی مال کی وصیت کا استحباب	۶۹۷
احادیث کی روشنی میں وصیت کے احکام	۶۹۷
یا یھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام (۱۸۴-۱۸۳)	۶۹۸
ربط آیات	۶۹۹
روزہ کا لغوی اور شرعی معنی اور اس کی مشروعیت کی تاریخ	۶۹۹
رمضان اور روزوں کے فضائل کے متعلق احادیث	۷۰۰
بعض نفلی روزوں کی فضیلت	۷۰۳
بعض ایام میں روزہ رکھنے کی ممانعت	۷۰۵
روزہ کے اسرار و رموز	۷۰۵
روزہ کے فساد و عدم فساد کے بعض ضروری مسائل	۷۰۶

عنوان	صفحہ نمبر
انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹنے کا بیان	۷۰۷
مریض کے روزہ قضاء کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ	۷۰۸
مسافر کے روزہ قضاء کرنے کے متعلق مذاہب ائمہ	۷۰۹
الذین یطیقونہ کے معنی کی تحقیق میں احادیث اور آثار	۷۱۰
بڑھاپے یا دائمی مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھنے کے متعلق مذاہب ائمہ	۷۱۴
شھر رمضان الذی انزل فیہ القران (۱۸۵)	۷۱۵
رمضان کے اسرار و رموز اور رمضان میں نزول قرآن کا بیان	۷۱۶
قطبین میں روزہ اور نماز کی تحقیق	۷۱۶
سعودی عرب کے حساب سے روزہ رکھتا ہوا پاکستان آیا تو عید کس حساب سے کرے گا؟	۷۱۷
پاکستان سے روزہ رکھتا ہوا سعودی عرب گیا تو عید کس حساب سے کرے گا۔	۷۱۷
سعودی عرب سے عید کے دن سوار ہو کر پاکستان آیا اور یہاں رمضان ہے	۷۱۸
روزہ کی رخصت کے لیے شرعی مسافت کا بیان	۷۱۸
میت کی طرف سے روزے رکھنے میں مذاہب ائمہ	۷۱۸
حاملہ اور مرضعہ کے لیے روزہ کی رخصت میں مذاہب ائمہ	۷۱۹
اسلام دین یسر ہے	۷۲۰
عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیرات پڑھنے میں مذاہب ائمہ	۷۲۲

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
واذا سالک عبادی عنی فانی قریب (۱۸۷-۱۸۶)	۷۲۳
شان نزول	۷۲۴
اللہ سے دعا کرنے کے متعلق احادیث	۷۲۴
ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق احادیث	۷۲۵
فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق احادیث	۷۲۶
فرض نمازوں کے بعد دعا کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء	۷۳۰
طلب جنت کی دعا کرنے کا قرآن اور سنت سے بیان	۷۳۱
دعا قبول ہونے کی شرائط اور آداب	۷۳۳
دعا قبول نہ ہونے کی وجوہات	۷۳۵
روزہ کی رات میں سونے کے بعد کھانے پینے اور عمل زوجیت کی اجازت	۷۳۶
سفید دھاگے اور کالے دھاگے کا بیان	۷۳۷
اعتکاف کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کی اقسام	۷۳۸
اعتکاف کی شرائط	۷۳۸
اعتکاف کے آداب	۷۳۸
اعتکاف کے مفسدات	۷۳۹
اعتکاف کے بعض ضروری مسائل	۷۳۹
ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (۱۸۸)	۷۴۰
مال حرام کھانے کی حرمت	۷۴۰
مال حرام سے صدقہ کرنے کا شرعی حکم	۷۴۰
رشوت کا معنی	۷۴۱
قرآن مجید کی روشنی میں رشوت کا حکم	۷۴۱
احادیث اور آثار کی روشنی میں رشوت کا حکم	۷۴۲
رشوت کی اقسام	۷۴۲
قاضی اور دیگر سرکاری افسروں کے ہدیہ قبول کرنے کی تحقیق	۷۴۳
قضاء کے ظاہراً" اور باطناً" نافذ ہونے میں مذاہب ائمہ	۷۴۴
قضاء کے ظاہراً" اور باطناً" نافذ ہونے میں فقہاء احناف کا موقف	۷۴۳
جن صورتوں میں فقہاء احناف کے نزدیک قضاء ظاہراً" اور باطناً" نافذ ہو جاتی ہے	۷۴۵
فقہاء احناف کے نزدیک قضاء کے ظاہراً" اور باطناً" نافذ ہونے کی شرائط	۷۴۶
قضاء باطنی کے نفاذ میں فقہاء احناف کے دلائل اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا تجزیہ	۷۴۶
یسئلونک عن الاھلۃ (۱۹۰-۱۸۹)	۷۵۰
اسلامی تقویم کا بیان	۷۵۰
اپنی طرف سے عبادت کے طریقے مقرر کرنے کی مذمت	۷۵۱
اجازت جہاد کی پہلی آیت کا بیان	۷۵۱
قتال اور جہاد میں بچوں' بوڑھوں' اور عورتوں وغیرہ کو قتل کرنے کی ممانعت	۷۵۲
ہجرت سے پہلے قتال کرنے کی ممانعت	۷۵۳
واقتلوھم حیث ثقفتموھم (۱۹۳-۱۹۱)	۷۵۴
خلاصہ آیات	۷۵۴
حرم میں ابتداءً" قتل کرنے کی ممانعت کا منسوخ ہونا اور کفار سے مدافعانہ جنگ کا جائز ہونا	۷۵۴
الشھر الحرام بالشھر الحرام (۱۹۵-۱۹۴)	۷۵۶
حرمت والے مہینوں کا بیان	۷۵۶

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
خود کو ہلاکت میں ڈالنے کی تفسیر	۷۵۵
واتموا الحج والعمرۃ للہ (۱۹۶)	۷۵۸
فرضیت حج کی تاریخ اور حج کی اقسام	۷۵۹
احرام میں ممنوع کام	۷۵۹
احرام میں جائز کام	۷۶۰
احرام میں مستحب کام	۷۶۰
عمرہ کرنے کا طریقہ	۷۶۰
حج کرنے کا طریقہ	۷۶۱
مسجد حرام اور مسجد نبوی میں نمازوں کا اجر و ثواب	۷۶۲
رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا طریقہ	۷۶۲
"احصار" (حج یا عمرہ کے سفر میں پیش آنے والی رکاوٹ) کی تعریف میں مذاہب ائمہ	۷۶۵
امام ابوحنیفہ کے موقف پر ائمہ لغت کی تصریحات	۷۶۶
امام ابوحنیفہ کے موقف پر احادیث سے استدلال	۷۶۶
امام ابوحنیفہ کے موقف پر آثار صحابہ سے استدلال	۷۶۷
امام ابوحنیفہ کے موقف پر اقوال تابعین سے استدلال	۷۶۸
امام ابوحنیفہ کے موقف کی ہمہ گیری اور معقولیت	
مُحصَر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں امام ابوحنیفہ کا مسلک	۷۶۹
مُحصَر کے لیے قربانی کی جگہ کے تعین میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب	۷۶۹
ضرورت کی وجہ سے منیٰ میں پہنچنے سے پہلے سر منڈوانے کی رخصت	۷۷۰
حج تمتع کا بیان	۷۷۰
الحج اشھر معلومات (۱۹۷-۱۹۹)	۷۷۱
حج کے مہینوں کے متعلق فقہاء امت کے نظریات	۷۷۲
فرضیت حج کے سبب میں ائمہ مذاہب کے اقوال	۷۷۲
ایام حج میں فحش باتیں، گناہ اور جھگڑا کرنے کی ممانعت	۷۷۳
حج کے لیے سفر خرچ تیار کرنے کا حکم	۷۷۳
حج کے دوران روزی کمانے کا جواز	۷۷۴
مشعر حرام کا بیان	۷۷۴
نسلی برتری کے تفاخر کا ناجائز ہونا	۷۷۵
فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ (۲۰۰-۲۰۳)	۷۷۶
دوزخ سے پناہ اور جنت کی طلب کی دعا کرنا انبیاء کرام اور صحابہ عظام کا طریقہ ہے	۷۷۷
اللہ کے جلد حساب لینے کی تفسیر	۷۷۹
تکبیرات تشریق میں مذاہب ائمہ	۷۷۹
ذکر بالجہر میں امام ابوحنیفہ کا موقف	۷۸۱
قیام منیٰ کی مدت کا بیان	۷۸۲
حجاج کرام کے اجر و ثواب اور ان سے مصافحہ کرنے کے متعلق احادیث و آثار	۷۸۲
رسول اللہ ﷺ پر سلام عرض کرنے اور شفاعت طلب کرنے کے متعلق احادیث اور آثار	۷۸۳
ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیوۃ الدنیا (۲۰۴-۲۰۶)	۷۸۴
دنیا اور آخرت کو برباد کرنے والا	۷۸۵
الالد الخصام (سخت جھگڑالو) کا بیان	۷۸۵
ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ (۲۰۷-۲۱۰)	۷۸۶
رضاء الٰہی کی خاطر دنیا ترک کرنے والا	۷۸۷
دین اسلام کے ساتھ کسی اور دین کی رعایت یا	

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
موافقت کا ناجائز ہونا	۷۸۸
بینات کی تفسیر	۷۸۹
بادلوں کے ساتھ عذاب کی تمثیل کا بیان	۷۸۹
سل بنی اسرائیل کم اتینھم من ایة بینة (۲۱۱-۲۱۴)	۷۹۰
بنو اسرائیل کا اللہ کی نعمتوں کو کفر سے تبدیل کرنا	۷۹۰
اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو کفر کے ساتھ تبدیل کرنے کا سبب	۷۹۱
کان الناس امة واحدة (۲۱۳)	۷۹۲
تاریخ انسانیت	۷۹۳
ابتداء میں نوع انسان کے دین حق پر ہونے کے دلائل	۷۹۴
تمام انسانوں کا دین صرف اسلام ہے	۷۹۴
ام حسبتم ان تدخلوا الجنة (۲۱۴-۲۱۴)	۷۹۵
راہ حق میں پیش آنے والے مصائب	۷۹۶
راہ خدا میں مال خرچ کرنے کے مصارف	۷۹۷
جہاد کی تعریف اور اس کی اقسام	۷۹۷
جہاد کرنے میں عزت اور جہاد ترک کرنے میں ذلت کا بیان	۷۹۸
جہاد کے درجات اور اجر و ثواب کے متعلق احادیث	۷۹۸
یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فیه (۲۱۷-۲۱۸)	۸۰۰
ربط آیات اور شان نزول	۸۰۱
حضرمی کے قتل کی تاریخ کی تحقیق	۸۰۱
حرمت والے مہینوں میں ممانعت قتال کے منسوخ ہونے کی تحقیق	۸۰۳

عنوان	صفحہ نمبر
مرتد کی تعریف اور اس کا شرعی حکم	۸۰۵
قتل مرتد پر قرآن اور سنت سے دلائل	۸۰۶
مرتدہ کو قتل کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء اور فقہاء احناف کے دلائل	۸۰۷
کیا مرتد کو قتل کرنا آزادی فکر کے خلاف ہے	۸۰۷
ارتداد سے نیک عمل ضائع ہونے کے متعلق مذاہب فقہاء	۸۰۸
دارالاسلام، دارالکفر اور دارالحرب کی تعریفات	۸۱۰
یسئلونک عن الخمر والمیسر (۲۱۹-۲۲۰)	۸۱۰
قرآن مجید سے خمر (شراب) کی تحریم کا بیان	۸۱۱
احادیث سے خمر (شراب) کی تحریم کا بیان	۸۱۲
خمر کی تعریف میں ائمہ مذاہب کا نظریہ اور امام ابوحنیفہ کے موقف پر دلائل	۸۱۴
جوئے کی تعریف اور اس کے حرام ہونے کا بیان	۸۱۵
لاٹری اور انعامی بانڈز وغیرہ کا شرعی حکم	۸۱۶
"عفو" (زائد از ضرورت) کے معانی اور محامل	۸۱۶
عفو کے لفظ سے سوشلزم کے جواز پر استدلال اور اس کا جواب	۸۱۷
زیر کفالت یتیم کے ساتھ طرز معاشرت	۸۱۹
ولا تنکحوا المشرکت حتی یؤمن (۲۲۱)	۸۲۰
مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کے ساتھ مسلمانوں کے نکاح کا عدم جواز	۸۲۰
مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کے باوجود اہل کتاب سے نکاح کے جواز کی توجیہ	۸۲۱
ویسئلونک عن المحیض (۲۲۲-۲۲۳)	۸۲۲

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
حیض کا حکم بیان کرنے کا شان نزول	۸۲۳
حائضہ سے مباشرت کرنے کی دینی اور دنیاوی خرابی	۸۲۴
حیض کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۸۲۴
ایام حیض کی تعیین میں مذاہب ائمہ	۸۲۵
حیض، نفاس اور استحاضہ میں مبتلا خواتین کے مسائل	۸۲۶
ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم (۲۲۴-۲۲۷)	۸۲۸
قسم کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور قسم کی شرائط اور ارکان	۸۲۹
غیر اللہ کی قسم اور مستقبل اور ماضی میں طلاق اور عتاق کی قسم کھانے کی تحقیق	۸۳۰
یمین غموس (جھوٹی قسم)	۸۳۱
یمین لغو (بلا قصد قسم)	۸۳۲
یمین منعقدہ (بالقصد قسم)	۸۳۳
احکام شرعیہ کے اعتبار سے قسم کی اقسام	۸۳۳
ایلاء کا معنی اور ایلاء کے بعد وقوع طلاق میں فقہاء احناف کا موقف	۸۳۴
ایلاء کے بعد وقوع طلاق میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب اور دلائل اور فقہاء احناف کی طرف سے جوابات	۸۳۵
والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء (۲۲۸)	۸۳۶
مطلقہ عورتوں کی عدت مقرر کرنے کا شان نزول	۸۳۷
مطلقہ عورتوں کی اقسام اور ان کی عدتوں کا بیان	۸۳۷
عدت کا لغوی اور شرعی معنی اور عدت کے احکام	۸۳۸
عدت مقرر کرنے کی حکمتیں	۸۳۸
قرء کے معانی کے متعلق ائمہ لغت کی تصریحات	۸۳۹
قرء بہ معنی حیض کی تائید میں احادیث اور فقہاء احناف کے دلائل	۸۳۹
قرء کے معنی کی تعیین میں دیگر ائمہ مذاہب کی آراء	۸۴۱
اسلام میں عورتوں کے مردوں پر حقوق	۸۴۲
اسلام میں مردوں کے عورتوں پر حقوق	۸۴۷
آیا عورت پر مرد کی خدمت واجب ہے یا نہیں؟	۸۴۹
حاصل بحث	۸۴۹
الطلاق مرتان (۲۲۹-۲۳۰)	۸۵۰
طلاق کا لغوی معنی	۸۵۰
طلاق کا اصطلاحی معنی	۸۵۰
طلاق کی اقسام	۸۵۱
طلاق کیوں مشروع کی گئی؟	۸۵۱
صرف ناگزیر حالات میں طلاق دی جائے	۸۵۲
صرف مرد کو طلاق کا اختیار کیوں دیا گیا؟	۸۵۲
طلاق میں عورت کی رضامندی کا اعتبار کیوں نہیں ہے؟	۸۵۳
خلع	۸۵۴
قاضی اور حکمین کی تفریق	۸۵۴
تین طلاقوں کی تحدید کی وجوہات، مصالح اور حکمتیں	۸۵۴
سنت کے مطابق اور احسن طریقہ سے طلاق دینے کے فوائد	۸۵۵
طلاق کی تدریج میں مرد کی اور تحدید میں عورت کی رعایت ہے	۸۵۵
ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کے نتائج	۸۵۶
بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں کے حکم میں جمہور	

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
کا موقف	۸۵۷
بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں میں شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کا موقف	۸۵۷
بہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں میں علماء شیعہ کا موقف	۸۵۸
تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کے دلائل	۸۵۸
شیخ ابن تیمیہ اور ان کے موافقین کے دلائل کے جوابات	۸۵۹
زنا کی شہادت اور قسامت کی قسموں پر قیاس کے جوابات	۸۶۰
تسبیح فاطمہ پر قیاس کے جوابات	۸۶۰
حضرت عمر پر عہد رسالت کے معمول کو بدلنے کے الزام کے جوابات	۸۶۱
صحیح مسلم کی زیر بحث روایت غیر صحیح اور مردود ہے	۸۶۱
صحیح مسلم کی زیر بحث روایت کے غیر صحیح ہونے پر دوسری دلیل	۸۶۲
اعتبار راوی کی روایت کا ہے یا اس کی رائے کا؟	۸۶۲
مسلم میں درج طاؤس کی روایت کے غلط اور شاذ ہونے پر مزید دلائل	۸۶۴
طاؤس کی روایت کا صحیح محمل	۸۶۵
حضرت رکانہ سے متعلق مسند احمد کی روایت کے فنی اسقام	۸۶۵
حضرت رکانہ سے متعلق صحاح کی روایت کی تقویت	۸۶۷
حضرت رکانہ سے متعلق سنن ابوداؤد کی ایک شاذ روایت کے ضعف کا بیان	۸۶۸

عنوان	صفحہ نمبر
بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے تین ہونے پر جمہور کے قرآن مجید سے دلائل	۸۶۸
قرآن مجید سے استدلال پر اعتراض کے جوابات	۸۶۹
بیک وقت دی گئی تین طلاقوں پر جمہور فقہاء اسلام کے احادیث سے دلائل	۸۷۰
حضرت عویمر کی حدیث سے استدلال پر اعتراض کے جوابات	۸۷۲
صحیحین کی ایک اور حدیث سے استدلال پر اعتراض کا جواب	۸۷۳
سوید بن غفلہ کی روایت کی تحقیق	۸۷۴
سنن نسائی کی روایت سے استدلال پر اعتراض کا جواب	۸۷۶
بیک وقت دی گئی تین طلاقوں کے واقع ہونے میں آثار صحابہ اور اقوال تابعین	۸۷۷
حرف آخر	۸۷۹
واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن (۲۳۱-۲۳۲)	۸۸۰
جس عورت کو خاوند خرچ نہ دے اس کی گلوخلاصی میں آراء ائمہ	۸۸۱
خرچ سے محروم عورت کی گلوخلاصی پر جمہور فقہاء کے دلائل	۸۸۲
مذاق میں دی ہوئی طلاق کا نافذ ہونا	۸۸۳
بغیر ولی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے متعلق مذاہب ائمہ	۸۸۳
بغیر ولی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار	۸۸۴
والوالدات یرضعن اولادھن (۲۳۳)	۸۸۵

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
دودھ پلانے کے شرعی احکام	۸۸۵
دودھ پلانے کی مدت میں ائمہ مذاہب کی آراء	۸۸۶
والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا (۲۳۴-۲۳۵)	۸۸۷
عدت وفات کا بیان اور عدت کی تعریف	۸۸۸
عدت کے مسائل اور شرعی احکام	۸۸۹
گناہ کے ارتکاب پر مواخذہ ہونے اور گناہ کے ارادہ پر مواخذہ نہ ہونے کی تحقیق	۸۹۰
لا جناح علیکم ان طلقتم النساء (۲۳۶-۲۳۷)	۸۹۲
غیر مدخولہ کے مہر اور متاع کی ادائیگی کا بیان	۸۹۲
مطلقہ کی متاع کی مقدار میں ائمہ مذاہب کی آراء	۸۹۳
مطلقہ کی متاع کے شرعی حکم کے متعلق ائمہ مذاہب کی آراء	۸۹۴
متاع کے وجوب پر فقہاء احناف کے دلائل	۸۹۴
متاع کے وجوب کے خلاف فقہاء مالکیہ کے دلائل کے جوابات	۸۹۴
نکاح کی گرہ کا مالک شوہر ہے یا عورت کا ولی؟	۸۹۵
شوہر کے حق میں عقد نکاح کی ملکیت پر جمہور کے دلائل	۸۹۵
شوہر کے حق میں عقد نکاح کی ملکیت کے متعلق احادیث	۸۹۶
حافظوا علی الصلوت والصلوة الوسطی (۲۳۸-۲۴۲)	۸۹۶
حفاظت نماز کی تاکیدات اور نماز میں سستی اور اس کو ترک کرنے پر وعیدات	۸۹۸
صلوۃ وسطی کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء	۹۰۱
فجر کی نماز کے صلوۃ وسطی ہونے کے متعلق احادیث	۹۰۲
ظہر کی نماز کے صلوۃ وسطی ہونے کے متعلق احادیث	۹۰۲
عصر کی نماز کے صلوۃ وسطی ہونے کے متعلق احادیث	۹۰۳
باتیں نہ کرنے اور خضوع خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم	۹۰۴
چلتی ٹرین اور طیارہ وغیرہ پر نماز پڑھنے کا بیان	۹۰۵
حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق ائمہ کی آراء	۹۰۶
حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق احادیث	۹۰۶
حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب	۹۰۸
حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب	۹۰۸
حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب	۹۰۸
حالت خوف میں نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب	۹۰۹
حفاظت نماز اور عدت وفات میں مناسبت کا بیان	۹۱۰
ایک سال تک عدت وفات کے منسوخ ہونے کا بیان	۹۱۰
عدت وفات کے شرعی حکم میں اختلاف فقہاء	۹۱۱
حدیث سے عدت وفات کا بیان	۹۱۱
عدت وفات کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ	۹۱۲
عدت وفات کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ	۹۱۳

Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
عدت وفات کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ	۹۱۳
عدت وفات کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ	۹۱۳
مطلقہ عورتوں کے مہر کی ادائیگی کا وجوب	۹۱۴
الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم (۲۴۵-۲۴۳)	۹۱۴
طاعون سے ڈر کر بھاگنے والوں کا مرنا اور دوبارہ زندہ ہونا	۹۱۵
وقت سے پہلے موت آنے اور تیسری موت کے اشکال کا جواب	۹۱۶
الم تر (کیا آپ نے نہیں دیکھا) کی تحقیق	۹۱۶
جہاد کی تحریک	۹۱۷
اللہ کو قرض حسن دینے کا بیان	۹۱۷
قبض اور بسط کا معنی	۹۱۸
اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کے متعلق احادیث	۹۱۸
الم تر الی الملا من بنی اسرائیل (۲۴۷-۲۴۶)	۹۱۹
نبی ﷺ اور مسلمانوں کو بنو اسرائیل کی ایک جماعت کے جہاد کی طرف متوجہ کرنے کے اسرار	۹۲۰
بنو اسرائیل کی اس جماعت کے نبی آیا شمویل تھے یا شمعون؟	۹۲۱
یہود کو سرزنش	۹۲۲
طالوت کا بیان	۹۲۳
وقال لھم نبیھم ان ایۃ ملکہ (۲۴۸)	۹۲۴
بنو اسرائیل کے تابوت کی تحقیق	۹۲۴
سکینہ کے معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق	۹۲۵
آل موسیٰ اور آل ھارون کے باقی ماندہ تبرکات کا بیان	۹۲۶
دیگر انبیاء علیہم السلام اور ہمارے نبی ﷺ کے تبرکات سے استفادہ اور حصول شفاء	۹۲۸
فلما فصل طالوت بالجنود (۲۴۹-۲۵۲)	۹۳۱
طالوت کی فتح اور جالوت کی شکست کا بیان	۹۳۲
نیکوکاروں کی برکت سے گنہ گاروں سے عذاب کا دور ہونا	۹۳۳
سیدنا محمد ﷺ کی رسالت پر دلیل اور آپ کو تسلی دینے کا بیان	۹۳۶
تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض (۲۵۳)	۹۳۷
رسولوں کی باہمی فضیلت	۹۳۷
بعض کفار عرب کے اسلام نہ لانے پر آپ کو تسلی دینا	۹۳۸
رحمتہ للعلمین ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا	۹۳۹
تمام نبیوں اور رسولوں کے نبی ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا	۹۴۰
تمام انبیاء کے اوصاف اور کمالات کے جامع ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا	۹۴۲
رسالت کے عموم کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا	۹۴۴
خاتم الانبیاء ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا	۹۴۵
کثرت معجزات کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا	۹۴۷
آپ کے دین کے ناسخ الادیان ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا	۹۴۸

Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
امت کی کثرت اور افضلیت کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا	۹۴۹
مقام محمود پر فائز ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا	۹۵۰
اللہ کی رضا جوئی کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا	۹۵۱
آپ کے ذکر کی رفعت کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا	۹۵۲
دنیا میں اعلان مغفرت ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا	۹۵۳
نبی ﷺ کی طرف مغفرت کی نسبت کے محامل	۹۵۶
باعث تخلیق کائنات ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا	۹۵۸
قائد المرسلین ہونے اور بعض دیگر فضائل کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا	۹۵۹
خالق اور خلق کے محبوب ہونے کی وجہ سے آپ کا افضل الرسل ہونا	۹۶۱
خلیل اور حبیب میں فرق کا بیان	۹۶۳
کلیم اور حبیب میں فرق کا بیان	۹۶۴
انبیاء سابقین علیہم السلام کے معجزات پر نبی ﷺ کے معجزات کی افضلیت	۹۶۵
سب سے پہلے قبر سے اٹھنے والی حدیث کا حضرت موسیٰ کے پہلے اٹھنے والی حدیث سے تعارض کا جواب	۹۶۷
جس حدیث میں آپ نے دوسرے انبیاء پر فضیلت دینے سے منع کیا ہے اس کے جوابات	۹۶۸
یا یھا الذین امنوا انفقوا مما رزقناکم (۲۵۴)	۹۶۹
راہ خدا میں مال خرچ کرنے کی تاکید	۹۶۹
آخرت میں دوستی اور سفارش سے مسلمانوں کے انتفاع کا بیان	۹۶۹
اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم (۲۵۵-۲۵۶)	۹۷۰
آیۃ الکرسی کے مفردات اور جملوں کی تشریح	۹۷۱
آیۃ الکرسی کے فضائل	۹۷۳
کرسی پر بیٹھنے کی تحقیق	۹۷۴
کرسی کا لغوی معنی	۹۷۵
قرآن مجید، احادیث اور آثار سے کرسی پر بیٹھنے اور چار زانو بیٹھنے کا جواز	۹۷۵
دین میں جبر نہ ہونے کی تحقیق	۹۷۶
مشروعیت جہاد پر، نفی جبر کی وجہ سے اعتراض اور معاصر مفسرین کے جوابات	۹۷۸
جوابات مذکورہ پر بحث و نظر	۹۷۹
مصنف کی طرف سے مشروعیت جہاد پر اعتراض کا جواب	۹۸۰
اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور (۲۵۷)	۹۸۳
مومنوں کو ظلمات سے نکالنے کے محامل	۹۸۳
کافر کو نور سے نکالنے کے محامل	۹۸۳
طاغوت کا معنی	۹۸۴
الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ (۲۵۸-۲۵۹)	۹۸۴
مومن کے نور اور کافر کی ظلمت کی مثالیں	۹۸۵
حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مباحثہ کا	

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
پس منظر اور پیش منظر	۹۸۵
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کا خلاصہ	۹۸۶
مناظرہ اور مباحثہ کے احکام اور آداب	۹۸۷
تباہ شدہ بستی اور اس کے پاس سے گزرنے والے شخص کی تحقیق	۹۸۸
حضرت عزیر کو حیات بعد الموت کا مشاہدہ کرانا	۹۸۹
واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتی (۲۶۰)	۹۹۰
حضرت ابراہیم کو حیات بعد الموت کا مشاہدہ کرانا	۹۹۰
مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ (۲۶۶-۲۶۱)	۹۹۱
حیات بعد الموت کے ذکر کے بعد صدقہ و خیرات کے ذکر کی مناسبت	۹۹۳
انفاق فی سبیل اللہ کے مصارف	۹۹۳
دس گنے' سات سو گنے اور بے حساب اجر دینے کی وجوہات	۹۹۴
صدقات و خیرات کے آداب اور شرائط	۹۹۵
صدقات کے مصارف' اجر و ثواب اور آداب و شرائط کے متعلق احادیث	۹۹۶
جہاد اور اللہ کی رضا جوئی میں خرچ کرنے کی مثالوں کا فرق	۹۹۷
ریاکار' منافق اور مخلص مومن کے راہ خدا میں خرچ کرنے کی مثالوں کا فرق	۹۹۷
اللہ کی رضاجوئی اور اسلام پر ثابت قدمی کے لیے خرچ کرنے کی صورتیں	۹۹۸
سخت حاجت کے وقت باغ کے جل جانے کی مثال کی دو تقریریں	۹۹۹

عنوان	صفحہ نمبر
یا یھا الذین امنوا انفقوا من طیبت ما کسبتم (۲۶۷-۲۷۴)	۱۰۰۰
صدقہ میں دیئے جانے والے مال کی صفات کا بیان	۱۰۰۲
حلال کمائی کی مدح اور برناء ضرورت اولاد کے مال سے کھانے کا جواز	۱۰۰۳
حرام مال سے صدقہ کرنے کا وبال	۱۰۰۴
عشر کا بیان	۱۰۰۵
عشر کے نصاب میں فقہاء کے نظریات	۱۰۰۵
عشر کے نصاب میں ائمہ ثلاثہ کا نظریہ	۱۰۰۵
عشر کے نصاب میں امام ابو حنیفہ کا نظریہ	۱۰۰۶
عشری اور خراجی اراضی کی تعریفیں	۱۰۰۸
خراج کی مقدار کا بیان	۱۰۰۹
اراضی پاکستان کے عشری ہونے کا بیان	۱۰۰۹
بخل کو بے حیائی کے ساتھ تعبیر کرنے کی توجیہ	۱۰۱۰
حکمت کے مصداق میں صحابہ اور فقہاء تابعین کے اقوال	۱۰۱۰
حکمت کی تعریف اور اس کی اقسام	۱۰۱۱
حکمت کے متعلق احادیث	۱۰۱۱
نذر کا لغوی اور شرعی معنی اور نذر کی اقسام	۱۰۱۲
نذر صحیح اور نذر باطل کا بیان	۱۰۱۳
خفیہ اور علانیہ صدقہ کرنے کے متعلق احادیث	۱۰۱۴
اھل ذمہ کو نفلی صدقات دینے کا جواز	۱۰۱۶
گداگری کی مذمت اور سوال نہ کرنے کی فضیلت میں احادیث	۱۰۱۸
سوال کرنے کی حد جواز	۱۰۱۹
مسجد میں سائل کو دینے کی تحقیق	۱۰۲۰
خفیہ اور علانیہ صدقہ کی آیات کے شان نزول میں	

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
متعدد اقوال	۱۰۲۰
الذین یاکلون الربو لایقومون الاکما یقوم(۲۷۵-۲۸۱)	۱۰۲۱
صدقہ کے بعد سود کی آیات ذکر کرنے کی مناسبت	
ربا کا لغوی معنی	۱۰۲۳
ربا کا اصطلاحی معنی	۱۰۲۳
ربا الفضل کی تعریف اور اس کی علت کے متعلق مذاہب ائمہ	۱۰۲۴
ربا الفضل میں ائمہ کی بیان کردہ علت کا ایک جائزہ	۱۰۲۶
ربا الفضل کی حرمت کا سبب	۱۰۲۸
نفع اور سود میں فرق	۱۰۲۸
بینک کے سود کے مجوزین کے دلائل	۱۰۲۹
مجوزین سود کے دلائل کے جوابات	۱۰۲۹
افراط زر کی صورت میں اصل زر کو بحال رکھنے کا حل	۱۰۳۱
دارالحرب کے سود میں جمہور فقہاء کا نظریہ	۱۰۳۱
دارالحرب کے سود میں فقہاء احناف کا نظریہ	۱۰۳۲
دارالحرب میں جواز ربا والی حدیث کی فنی حیثیت	۱۰۳۲
دارالحرب میں ربا کے متعلق فقہاء احناف کے دلائل کا تجزیہ	۱۰۳۳
مکحول کی روایت کا محمل	۱۰۳۳
دارالحرب کے سود کے بارے میں امام ابوحنیفہ کے قول کی وضاحت	۱۰۳۴
کیا سود اور دیگر عقود فاسدہ کے ذریعہ حربی کافروں کا پیسہ بٹورنا جائز ہے	۱۰۳۵
حضرت ابوبکر کے قمار کی وضاحت	۱۰۳۷
دارالحرب، دارالکفر اور دارالاسلام کی تعریفات	۱۰۳۸
قیامت میں سود خور کے مخبوط الحواس ہو کر اٹھنے سے جن چڑھنے پر استدلال اور اس کا جواب	۱۰۳۹
ربا اور بیع کا فرق	۱۰۴۰
ربا کو بہ تدریج حرام کرنے کا بیان	۱۰۴۱
ربا کو حرام قرار دینے کی حکمتیں	۱۰۴۲
سود خور کے لیے دائما" دوزخ کی وعید کی توجیہ	۱۰۴۳
سود کا کم ہونا اور صدقہ کا بڑھنا	۱۰۴۳
سودی کاروبار ترک نہ کرنے والے کے خلاف جنگ کرنے کا حکم	۱۰۴۴
سود پر وعید کے متعلق احادیث	۱۰۴۵
مقروض کو مہلت دینے اور اس سے قرض وصول کرنے کا طریقہ	۱۰۴۶
مقروض کو مہلت دینے اور قرض معاف کرنے کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث	۱۰۴۶
قرآن مجید میں نازل ہونے والی آخری آیت	۱۰۴۷
یا یھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین (۲۸۲-۲۸۳)	۱۰۴۹
سود کے بعد تجارتی قرضوں کے تحفظات کے ذکر کی مناسبت	۱۰۵۰
مال کے مذموم یا محمود ہونے کا مدار	۱۰۵۱
بیع مطلق اور بیع سلم کی تعریفات	۱۰۵۲
بیع سلم کی شرائط	۱۰۵۳
دین اور قرض کی تعریفیں اور ان کا فرق	۱۰۵۳
آیت مداینہ کے حکم کا تمام دیون کو شامل ہونا	۱۰۵۴
دین پر مبنی عقود کی دستاویز لکھوانے، ان پر گواہ بنانے یا رہن رکھنے کا شرعی حکم	۱۰۵۴
شہادت کا لغوی اور اصطلاحی معنی	۱۰۵۴

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

عنوان	صفحہ نمبر
شہادت کی اقسام	۱۰۵۵
قرآن مجید کی روشنی میں شہادت کا بیان	۱۰۵۵
شہادت کا حکم	۱۰۵۶
شہادت کی تعریف، رکن اور سبب وغیرہ کا بیان	۱۰۵۷
تحمل شہادت کی شرائط	۱۰۵۷
بہ لحاظ شاہد ادائیگی شہادت کی شرائط	۱۰۵۷
عدالت کی تعریف	۱۰۵۷
عورت کی شہادت کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات	۱۰۵۸
مالی معاملات میں ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی شہادت مقرر کرنے کی وجوہات	۱۰۵۹
وہ امور جن میں صرف عورتوں کی گواہی معتبر ہے	۱۰۶۰
عورت کی شہادت کو نصف شہادت قرار دینے کی حکمتیں	۱۰۶۲
گواہی کے لیے بلائے جانے پر گواہوں کے جانے کا شرعی حکم	۱۰۶۳
کاتب اور گواہ کے ضرر کا بیان	۱۰۶۳
سفر اور حضر میں رہن رکھنے کا جواز	۱۰۶۴
رہن کی تعریف اور رہن سے فائدہ اٹھانے میں مذاہب فقہاء	۱۰۶۵
رہن کی شرائط اور ضروری مسائل	۱۰۶۶
اعتماد کی صورت میں وثیقہ لکھوانے، گواہ بنانے اور گروی رکھنے کو ترک کرنے کی رخصت	۱۰۶۷
احادیث کی روشنی میں دین اور قرض کے ضروری مسائل	۱۰۶۸

عنوان	صفحہ نمبر
گواہی دینے کا وجوب اور دل کی طرف گناہ کی اضافت کی حکمتیں	۱۰۶۹
وثیقہ لکھنے، گواہ بنانے، رہن رکھنے کے اسرار اور حکمتیں	۱۰۷۰
للہ ما فی السموات وما فی الارض (۲۸۴-۲۸۶)	۱۰۷۱
بیع اور رہن کے بعد اعمال صالحہ سے مکلف کرنے کی مناسبت	۱۰۷۲
خواطر قلب کی تکلیف کے منسوخ ہونے کا بیان	۱۰۷۲
"ھم" اور عزم کی تحقیق	۱۰۷۴
دل کے افعال پر مواخذہ کی تحقیق	۱۰۷۵
تکلیف مالایطاق پر استدلال اور اس کا جواب	۱۰۷۷
سورہ بقرہ کے افتتاح اور اختتام کی مناسبت	۱۰۷۷
اللہ، فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان لانے کے ذکر کی ترتیب	۱۰۷۸
کسب اور اکتساب کا معنی اور شر کو اکتساب کے ساتھ مخصوص کرنے کی توجیہ	۱۰۷۸
دوسروں کے عمل سے نفع یا ضرر پہنچنے کا بیان	۱۰۷۹
خطا، نسیان اور جو کام جبراً کرائے جائیں ان پر مواخذہ نہ ہونا	۱۰۸۰
سابقہ امتوں کے سخت احکام	۱۰۸۰
سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت	۱۰۸۱
کلمات تشکر	۱۰۸۱
مآخذ و مراجع	۱۰۸۳

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله رب العالمين الذى استغنى فى حمده عن الحامدين وانزل القرآن تبيانا لكل شئ عند العارفين والصلوة والسلام على سيدنا محمد الذى استغنى بصلوة الله عن صلوة المصلين واختص بارضاء رب العالمين الذى بلغ الينا ما انزل عليه من القرآن وبين لنا ما نزل عليه بتبيان وكان خلقه القرآن وتحدى بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجان وهو خليل الله وحبيب الرحمٰن لواءه فوق كل لواء يوم الدين قائد الانبيا والمرسلين امام الاولين والآخرين شفيع الصالحين والمذنبين واختص بتنصيص المغفرة له فى كتاب مبين وعلى اله الطيبين الطاهرين وعلى اصحابه الكاملين الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر اولياء امته وعلماء ملته اجمعين۔ اشهد ان لا اله الا الله وحدهٗ لاشريك لهٗ واشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسى ومن سيئات اعمالى من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له اللّٰهم ارنى الحق حقا وارزقنى اتباعه اللهم ارنى الباطل باطلا وارزقنى اجتنابه اللهم اجعلنى فى تبيان القران على صراط مستقيم وثبتنى فيه على منهج قويم واعصمنى عن الخطأ والزلل فى تحريره واحفظنى من شر الحاسدين وزيغ المعاندين فى تقريرهٖ اللّٰهم الق فى قلبى اسرار القرآن واشرح صدرى لمعانى الفرقان ومتعنى بفيوض القرآن ونورنى بانوار الفرقان واسعدنى لتبيان القرآن، رب زدنى علما رب ادخلنى مدخل صدق واخرجنى مخرج صدق واجعل لى من لدنك سلطانا نصيرا۔ اللّٰهم اجعله خالصا لوجهك ومقبولا عندك وعند رسولك واجعله شائعا ومستفيضا ومفيضا ومرغوبا فى اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لى ذريعة للمغفرة ووسيلة للنجاة وصدقة جارية الى يوم القيامة وارزقنى زيارة النبى صلى الله عليه وسلم فى الدنيا وشفاعته فى الاخرة واحينى على الاسلام بالسلامة وامتنى على الايمان بالكرامة اللّٰهم انت ربى لا اله الا انت خلقتنى وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابوء لك بذنبى فاغفر لى فانه لا يغفر الذنوب الا انت آمين يارب العالمين۔

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ رب العلمین کے لیے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے نزدیک ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوۃ وسلام کا سیدنا محمد پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوۃ بھیجنے والے کی صلوۃ سے مستغنی ہیں جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العلمین ان کو راضی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا' ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں۔ قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں' اولین اور آخرین کے امام ہیں' تمام نیکو کاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں' یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے' اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوۃ و سلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں' اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا' اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے' اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما' اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القا کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لیے کھول دے۔ مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب میرے علم کو زیادہ کر۔ اے میرے رب تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقہ سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا' اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لیے) مددگار ہو۔ اے اللہ اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لیے مقدر کر دے اور اس کو اپنی اور اپنے رسول کی بارگاہ میں مقبول کر دے۔ اس کو قیامت تک کے لیے تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفرین بنا دے۔ اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' اور نجات کا وسیلہ بنا اور قیامت تک کے لیے اس کو صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما۔ اے اللہ تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کیے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما' کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یا رب العلمین!

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

حدیثِ دل

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

اللہ تعالیٰ کا بہت کرم اور بے حد احسان ہے کہ شرح صحیح مسلم کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے "تبیان القرآن" لکھنے کی سعادت عطا فرمائی اور کلام رسول کی تشریح کے بعد کلام اللہ کی تفسیر کی توفیق عطا فرمائی۔ ہمارے علماء متقدمین نے تفسیر کے موضوع پر اس قدر زیادہ اور عظیم کام کیا ہوا ہے کہ اس پر کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں ہو سکتا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ علماء اسلام کی زیادہ تر کاوشیں عربی زبان میں ہیں جن تک عام اردو دان طبقہ کی رسائی نہیں ہے تو اس بات کی بے شک ضرورت تھی کہ علوم اور معارف کے ان جواہر پاروں کو سہل اور عام فہم انداز میں جدید اسلوب نگارش کے مطابق اردو زبان میں منتقل کر دیا جائے۔ اسی طرح قرآن مجید کے تراجم کا حال ہے' ہمارے بزرگ علماء نے اپنے اپنے زمانہ میں اس دور کی زبان کے مطابق قرآن مجید کے مفاہیم کو اردو زبان میں منتقل کیا اور ان کی یہ مساعی بہت قابل قدر بلکہ لائق رشک ہیں لیکن زبان کا اسلوب اور مزاج وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے' اس وجہ سے میں محسوس کرتا تھا کہ اس دور کے اردو پڑھنے والوں کے مزاج اور ان کے اسلوب کے مطابق قرآن مجید کا ترجمہ کرنا چاہیے تا کہ پڑھنے والوں کے لیے وہ ترجمہ اجنبی اور نامانوس نہ ہو۔

میں نے قرآن مجید کا ترجمہ تحت اللفظ نہیں کیا اور نہ ہی ایسا کیا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ سے بالکل الگ اور عربی متن کی رعایت کیے بغیر قرآن مجید کے مفہوم کی ترجمانی کی جائے۔ میں نے اپنے آپ کو قرآن مجید کے الفاظ اور عبارت کا پابند رکھا ہے لیکن لفظی ترجمہ نہیں کیا۔ تفسیر میں میں نے اسلام کے مسلمہ عقائد کو دلائل سے مزین کیا ہے اور قرآن مجید کی جن آیات میں احکام اور مسائل کا ذکر ہے وہاں میں نے تمام فقہی مذاہب کا دلائل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ہمارے متقدمین مفسرین نے قرآن کریم کی تفسیر میں جو نکات بیان کیے ہیں ان سے میں نے استفادہ کیا ہے لیکن جو بہت بعید نکات ہیں یا دور از کار تاویلات ہیں ان کو ترک کر دیا ہے۔ میں نے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں زیادہ سے زیادہ احادیث اور آثار کو پیش کروں' عام طور پر مفسرین صرف حدیث کا ذکر کر دیتے ہیں اس کی تخریج نہیں کرتے۔ میں نے کافی محنت اور جانفشانی کر کے تبیان القرآن میں درج ہر حدیث کی تخریج کی ہے اور اس کا مکمل حوالہ بیان کیا ہے' البتہ حافظ منذری' حافظ الہیثمی اور حافظ سیوطی چونکہ علم حدیث میں بہت ثقہ ہیں اس لیے ان کی تصانیف میں درج مسلم ائمہ حدیث کی روایات کو ان کے حوالوں کے ساتھ ذکر کر دیا ہے اور کہیں کہیں اصل ماخذ کے حوالوں کی بھی نشاندہی کر دی ہے۔ ہمارے بعض مصنفین ایسا کرتے ہیں مثلاً حافظ سیوطی نے ایک حدیث کو دس ائمہ حدیث کے حوالوں سے ذکر کیا ہے' اب وہ حافظ سیوطی کا ذکر کیے بغیر اس حدیث کو ان حوالوں کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں اور یہ تلبیس کرتے ہیں کہ گویا اس حدیث

Marfat.com
Marfat.com

کو انہوں نے ان دس حدیث کی کتابوں سے تلاش کیا ہے۔ اسی طرح علامہ شامی نے اگر کسی مسئلہ کو دس فقہاء کے حوالوں سے ذکر کیا ہے تو وہ علامہ شامی کا ذکر کیے بغیر اس مسئلہ کو ان دس فقہاء کے حوالوں سے ذکر کر دیتے ہیں اور پڑھنے والے پر یہ تاثر قائم کرتے ہیں کہ گویا انہوں نے اس مسئلہ کو ان دس فقہاء کے حوالوں سے تلاش کیا ہے' میرے نزدیک یہ تلبیس سخت مذموم ہے۔ اگر حافظ منذری یا حافظ الہیثمی یا حافظ سیوطی نے کسی حدیث کو دس ائمہ حدیث کے حوالوں سے ذکر کیا ہے تو میں نے اس طرح لکھا ہے کہ حافظ منذری یا حافظ سیوطی نے اس حدیث کو ان دس ائمہ حدیث کے حوالوں سے ذکر کیا ہے اور اس کا مکمل حوالہ دیا ہے اور کسی کی محنت اور جانفشانی کو اپنی طرف منسوب کرنے کی مذموم تلبیس نہیں کی۔ اسی طرح فقہاء کے حوالہ جات کا معاملہ ہے۔

نئے اور تازہ مسائل میں غور و فکر اور اجتہاد کی کافی وسعت اور گنجائش ہے اور ظاہر ہے اس میں علماء کی آراء مختلف ہوتی ہیں اور جو عالم بھی کسی تازہ اور نئے مسئلہ میں غور و فکر سے اجتہاد کرتا ہے وہ پوری دیانتداری اور خدا خوفی سے اس کے حکم کو دلائل شرعیہ سے اخذ کرتا ہے اگر کسی عالم کو اس سے اختلاف ہو تو اس کو دلائل کے ساتھ اپنا نظریہ تو بیان کرنا چاہئے لیکن فریق مخالف پر کیچڑ نہیں اچھالنی چاہئے اور طعن تشنیع سے کام نہیں لینا چاہئے بدقسمتی سے ہمارے ہاں لوگوں کا یہ مزاج نہیں ہے اور لوگوں کا جس شخص سے کسی علمی مسئلہ میں اختلاف ہو وہ اس کو جاہل' خائن اور اس نوع کے دیگر القابات سے نوازتے ہیں بلکہ اس کو دین اور ملت سے خارج کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ ان تازہ مسائل میں سے بعض مسائل میں ہمارا دوسرے علماء سے اختلاف ہے لیکن ہم نے اپنا موقف دلائل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان علماء کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں لکھا اور ان کے اعزاز' اکرام اور احترام کو پوری طرح قائم رکھا ہے' مثلاً ہمارے نزدیک اگر نماز کے پورے وقت میں ٹرین نہ رکے تو چلتی ٹرین میں نماز پڑھنا فرض ہے اور اس کا اعادہ واجب نہیں ہے۔ تاہم جو علماء اس عمل کو ناجائز کہتے ہیں' ہم نے ان کو مطعون نہیں کیا' اسی طرح ہمارے نزدیک ایلوپیتھک دواؤں سے علاج کرنا اور ضرورت کے وقت خون کو منتقل کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے' اور اعضاء کی پیوند کاری جائز نہیں ہے' ہم نے اس سلسلہ میں ان کے دلائل پر بحث کی ہے لیکن طعن اور تشنیع سے اجتناب کیا ہے۔ علی ھذا القیاس۔

جن موضوعات پر شرح صحیح مسلم میں مفصل بحث آچکی ہے' بعض جگہ میں نے اسی بحث کو نقل کر دیا ہے' بعض جگہ اس کو ملخص کیا ہے' اور بعض جگہ ان مباحث کو از سر نو لکھا ہے ترجمہ میں' میں نے زیادہ تر علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ کے ترجمہ البیان سے استفادہ کیا ہے اور تفسیر میں زیادہ تر احکام القرآن' الجامع لاحکام القرآن' البحر المحیط' تفسیر کبیر الدر المنثور اور روح المعانی سے استفادہ کیا ہے۔ جدید تفاسیر میں سے تفسیر منیر' مراغی' فی ظلال القرآن اور تفسیر قاسمی بھی میرے پیش نظر رہی ہیں۔ اسباب نزول کے بیان میں جامع البیان پر زیادہ تر اعتماد کیا ہے۔ احادیث کی بہت سی کتابیں جن کے ہم پہلے صرف نام سنتے تھے الحمدللہ اب وہ چھپ گئی ہیں اور ہمیں دستیاب ہیں میں نے زیادہ تر کوشش کی ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر میں احادیث کو ان کے اصل حوالہ جات کے ساتھ ذکر کروں' اسی طرح فقہی مباحث میں مذاہب ائمہ کو ان کی اصل کتابوں کے حوالے کے ساتھ درج کیا ہے' ماخذ اور مراجع کی فہرست میں نے سنین وفات کی ترتیب سے مرتب کی ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ پہلی بار اس نوع کی فہرست مرتب کی گئی ہے۔ اس کا یہ فائدہ ہو گا کہ ایک نظر میں یہ معلوم ہو جائے گا کہ محدث' مفسر' فقیہ یا مصنف کس زمانہ اور کس دور کا ہے۔

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

دس رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ کے مبارک دن اس تفسیر کا آغاز ہوا تھا اور بارہ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ کے مسعود دن میں اس کی پہلی جلد اختتام کو پہنچ گئی۔ فالحمدللہ رب العلمین

اس جلد میں ایک مقدمہ ہے اور الفاتحہ اور البقرہ کی تفسیر ہے' میں نے اس تفسیر کو متوسط طریقہ پر لکھا ہے' اس میں بہت زیادہ تفصیل ہے نہ بہت اختصار ہے' مسائل حاضرہ پر میں نے بہت شرح وبسط کے ساتھ شرح صحیح مسلم میں لکھ دیا ہے' اسی طرح عبادات اور معاملات پر بھی سیر حاصل بحث اس میں آگئی ہے تاہم جو مسائل اور مباحث اس میں آنے سے رہ گئے ہیں انشاء اللہ ان کا اس میں تفصیل کے ساتھ ذکر کروں گا' معاصرین اور عہد قریب کے مفسرین کی تحقیقات اور نگارشات کو میں نے اپنے پیش نظر رکھا ہے اور جہاں میری رائے ان کے ساتھ متفق نہیں ہو سکی میں نے ادب اور احترام کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کر دیا ہے۔

اخیر میں' میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کے منصہ شہود پر آنے میں میرے ساتھ تعاون کیا خاص طور پر سید اعجاز احمد صاحب' صاحبزادہ سید محسن اعجاز صاحب (فرید بک سٹال) پروفیسر مولانا مفتی منیب الرحمان صاحب زید مجدہم' مولانا محمد ابراہیم فیضی صاحب وغیرہم کا میں خصوصیت کے ساتھ شکر گزار ہوں' اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے اس کتاب کو مکمل کرنے کی توفیق دے' اس کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے اور مجھے' اس کتاب کے تمام معاونین اور قارئین کو دنیا اور آخرت کے ہر شر سے محفوظ رکھے اور دنیا اور آخرت کی ہر خیر ہمیں عطا فرمائے۔ آمین۔

غلام رسول سعیدی غفرلہ

خادم الحدیث دارالعلوم نعیمیہ' بلاک نمبر ۱۵' فیڈرل "بی" اریا

کراچی ۳۸

۲۶ ربیع الاول' ۱۴۱۶ھ / ۲۴ اگست ۱۹۹۵ء

Marfat.com
Marfat.com

اَلْمُقَدِّمَة

Marfat.com
Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

مقدمہ تفسیر

قرآن مجید کی تفسیر سے پہلے ضروری ہے کہ بہ طور مقدمہ چند اہم امور کو جان لیا جائے' اس لیے پہلے ہم وحی کی حقیقت' قرآن مجید کی تعریف' قرآن مجید کے فضائل' قرآن مجید کا اعجاز' قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی وجوہ' سب سے پہلی اور سب سے آخری آیت کی تحقیق' مکی اور مدنی سورتوں کی بحث' قرآن مجید کو جمع کرنے اور اس کی سات قراءتوں کا بیان' اور قرآن مجید کی سورتوں اور آیتوں کی تعداد کا ذکر کریں گے' پھر تفسیر اور تاویل کی تعریف' تفسیر کے فضائل' تفسیر بالرائے کی تحقیق' امہات مآخذ تفسیر' شروط تفسیر' طبقات مفسرین اور بعض دیگر اہم امور کو بیان کریں گے فنقول و باللہ التوفیق و بہ الاستعانۃ یلیق

وحی کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

حدیث میں وحی کا بہ کثرت ذکر ہے' لکھنے' اشارہ کرنے' کسی کو بھیجنے' الہام اور کلام خفی پر وحی کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

(نہایہ ج ۴ ص ۲۶۳' مطبوعہ مؤسسہ مطبوعاتی ایران' ۱۳۶۴ھ)

علامہ مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں:

اشارہ' لکھنا' مکتوب' رسالتہ' الہام' کلام خفی' ہر وہ چیز جس کو تم غیر کی طرف القاء کرو اسے اور آواز کو وحی کہتے ہیں۔ (قاموس ج ۴ ص ۵۷۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں:

وحی اس کلام کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی طرف نازل فرماتا ہے۔ ابن الانباری نے کہا اس کو وحی اس لیے کہتے ہیں کہ فرشتہ اس کلام کو لوگوں سے مخفی رکھتا ہے' اور وحی نبی کے ساتھ مخصوص ہے جس کو لوگوں کی طرف بھیجا جاتا ہے' لوگ ایک دوسرے سے جو خفیہ بات کرتے ہیں وہ وحی کا اصل معنی ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (الانعام: ۱۱۲)

اور اس طرح ہم نے سرکش انسانوں اور جنوں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا جو خفیہ طور سے ملمع کی ہوئی جھوٹی بات (لوگوں کو) دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کو پہنچاتے ہیں۔

اور ابو اسحق نے کہا ہے کہ وحی کا لغت میں معنی ہے خفیہ طریقہ سے خبر دینا' اسی وجہ سے الہام کو وحی کہتے ہیں' ازہری نے کہا ہے اسی طرح سے اشارہ کرنے اور لکھنے کو بھی وحی کہتے ہیں۔ اشارہ کے متعلق یہ آیت ہے:

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا (مریم:۱۱)

سو زکریا اپنی قوم کے سامنے (عبادت کے) حجرہ سے باہر نکلے' پس ان کی طرف اشارہ کیا کہ تم صبح اور شام (اللہ کی) تسبیح کیا کرو۔

اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جو خفیہ طریقہ سے کلام کیا گیا اس کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ (الشوری:۵۱)

اور کوئی بشر اس لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے' مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے' یا کوئی فرشتہ بھیج دے جو اس کے حکم سے وہ پہنچائے جو اللہ چاہے۔

بشر کی طرف وحی کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بشر کو خفیہ طور سے کسی چیز کی خبر دے' یا الہام کے ذریعہ' یا خواب کے ذریعہ' یا اس پر کوئی کتاب نازل فرمائے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل کی تھی' یا جس طرح سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا' اور یہ سب اعلام (خبر دینا) ہیں' اگرچہ ان کے اسباب مختلف ہیں۔

(تاج العروس' ج ۱۰ ص ۳۸۵' مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: وحی کا اصل معنی سرعت کے ساتھ اشارہ کرنا ہے' یہ اشارہ کبھی رمز اور تعریض کے ساتھ کلام میں ہوتا ہے' اور کبھی محض آواز سے ہوتا ہے' کبھی اعضاء اور جوارح سے ہوتا ہے اور کبھی لکھنے سے ہوتا ہے' جو کلمات انبیاء اور اولیاء کی طرف القاء کیے جاتے ہیں ان کو بھی وحی کہا جاتا ہے' یہ القاء کبھی فرشتہ کے واسطے سے ہوتا ہے جو دکھائی دیتا ہے اور اس کا کلام سنائی دیتا ہے' جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی خاص شکل میں آتے تھے۔ اور کبھی کسی کے دکھائی دئے بغیر کلام سنا جاتا ہے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا' اور کبھی دل میں کوئی بات ڈال دی جاتی ہے۔ جیسے حدیث میں ہے جبرئیل نے میرے دل میں بات ڈال دی اس کو نفث فی الروع کہتے ہیں اور کبھی یہ القاء اور الہام کے ذریعہ ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے:

وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ (القصص: ۷)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو الہام فرمایا کہ ان کو دودھ پلاؤ۔

اور کبھی یہ القاء تسخیر ہوتا ہے' جیسے اس آیت میں ہے:

وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ (النحل:۶۸)

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ ڈالا کہ پہاڑوں میں' درختوں میں اور ان چھپریوں میں گھر بنا جنہیں لوگ اونچا بناتے ہیں۔

اور کبھی خواب میں القاء کیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے نبوت منقطع ہوگئی ہے اور سچے خواب باقی رہ گئے ہیں۔ (المفردات ص ۵۱۶۔ ۵۱۵ ملخصاً' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ ابن منظور افریقی نے بھی وحی کا معنی بیان کرتے ہوئے کم و بیش یہی لکھا ہے۔

(لسان العرب ج ۱۵ ص ۳۸۱۔ ۳۷۹' مطبوعہ نشر ادب الحوزہ قم' ایران)

علامہ بدر الدین عینی نے وحی کا اصطلاحی معنی یہ لکھا ہے:

Marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

اللہ کے نبیوں میں سے کسی نبی پر جو کلام نازل کیا جاتا ہے وہ وحی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۴ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

اور علامہ تفتازانی نے الہام کا معنی یہ بیان کیا ہے :

دل میں بہ طریق فیضان کسی معنی کو ڈالنا یہ الہام ہے۔ (شرح عقائد نسفی ص ۱۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ضرورت وحی اور ثبوت وحی

انسان مدنی الطبع ہے اور مل جل کر رہتا ہے اور ہر انسان کو اپنی زندگی گزارنے کے لیے خوراک' کپڑوں اور مکان کی ضرورت ہوتی ہے اور افزائش نسل کے لیے نکاح کی ضرورت ہے۔ ان چار چیزوں کے حصول کے لیے اگر کوئی قانون اور ضابطہ نہ ہو تو ہر زور آور اپنی ضرورت کی چیزیں طاقت کے ذریعہ کمزور سے حاصل کرلے گا۔ اس لیے عدل اور انصاف کو قائم کرنے کی غرض سے کسی قانون کی ضرورت ہے' اور یہ قانون اگر کسی انسان نے بنایا تو وہ اس قانون میں اپنے تحفظات اور اپنے مفادات شامل کرے گا' اس لیے یہ قانون مافوق الانسان کا بنایا ہوا ہونا چاہیے تاکہ اس میں کسی کی جانب داری کا شائبہ اور وہم و گمان نہ ہو' اور ایسا قانون صرف خدا کا بنایا ہوا قانون ہو سکتا ہے۔ جس کا علم خدا کے بتلانے اور اس کے خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

انسان عقل سے خدا کے وجود کو معلوم کر سکتا ہے' عقل سے خدا کی وحدانیت کو بھی جان سکتا ہے' قیامت کے قائم ہونے' حشر و نشر اور جزا و سزا کو بھی عقل سے معلوم کر سکتا ہے لیکن وہ عقل سے اللہ تعالیٰ کے مفصل احکام کو معلوم نہیں کر سکتا۔ وہ عقل سے یہ جان سکتا ہے کہ اللہ کا شکر ادا کرنا اچھی بات ہے اور ناشکری بری بات ہے لیکن وہ عقل سے یہ نہیں جان سکتا کہ اس کا شکر کس طرح ادا کیا جائے' اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے ہی ہو گا اور اسی کا نام وحی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں عبث اور بے مقصد نہیں بھیجا بلکہ اس لیے بھیجا ہے کہ وہ اپنی دنیاوی ذمہ داریوں کو پورا کرنے اور حقوق اور فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کی دی ہوئی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرے۔ برے کاموں اور بری خصلتوں سے بچے اور اچھے کام اور نیک خصلتیں اپنائے' اور اللہ تعالیٰ کی عبادات کیا کیا ہیں؟ اور وہ کس طرح ادا کی جائیں۔ وہ کون سے کام ہیں جن سے بچا جائے اور وہ کون سے کام ہیں جن کو کیا جائے۔ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

انسان کو بنیادی طور پر کھانے پینے کی اشیاء' کپڑوں اور مکان کی حاجت ہے اور اپنی نسل بڑھانے کے لیے ازدواج کی ضرورت ہے' لیکن اگر کسی قاعدہ اور ضابطہ کے بغیر ان چیزوں کو حاصل کیا جائے تو یہ نری حیوانیت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ سے ان کو حاصل کیا جائے تو یہ محض عبادت ہے اور اس قاعدہ اور ضابطہ کا علم اللہ تعالیٰ کے بتلانے اور اس کی خبر دینے سے ہی ہو سکتا ہے اور اسی کا نام وحی ہے۔

بعض چیزوں کو ہم حواس کے ذریعہ جان لیتے ہیں جیسے رنگ' آواز اور ذائقہ کو' اور بعض چیزوں کو عقل سے جان لیتے ہیں جیسے دو اور دو کا مجموعہ چار ہے یا مصنوع کے وجود سے صانع کے وجود کو جان لیتے ہیں' لیکن کچھ ایسی چیزیں ہیں جن کو حواس سے جانا جا سکتا ہے نہ عقل سے' مثلاً نماز کا کیا طریقہ ہے' کتنے ایام کے روزے فرض ہیں' زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

اور کس چیز کا کھانا حلال ہے اور کس چیز کا کھانا حرام ہے۔ غرض عبادات اور معاملات کے کسی شعبہ کو ہم حواس خمسہ اور عقل کے ذریعہ نہیں جان سکتے' اس کو جاننے کا صرف ایک ذریعہ ہے اور وہ ہے وحی!

بعض اوقات حواس غلطی کرتے ہیں مثلاً ریل میں بیٹھے ہوئے شخص کو درخت دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بخار زدہ شخص کو میٹھی چیز کڑوی معلوم ہوتی ہے اور حواس کی غلطیوں پر عقل تنبیہہ کرتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات عقل بھی غلطی کرتی ہے مثلاً عقل یہ کہتی ہے کہ کسی ضرورت مند کو مال نہ دیا جائے مال کو صرف اپنے مستقبل کے لیے بچا کے رکھا جائے اور جس طرح حواس کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لیے عقل کی ضرورت ہے' اسی طرح عقل کی غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لیے وحی کی ضرورت ہے۔

وحی کی تعریف میں ہم نے یہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو جو چیز بتلاتا ہے وہ وحی ہے' اور نبوت کا ثبوت معجزات سے ہوتا ہے' اب یہ بات بحث طلب ہے کہ وحی کے ثبوت کے لیے نبوت کیوں ضروری ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر نبوت کے بغیر وحی کا ثبوت ممکن ہوتا تو اس دنیا کا نظام فاسد ہو جاتا' مثلاً ایک شخص کسی کو قتل کر دیتا اور کہتا مجھ پر وحی اتری تھی کہ اس شخص کو قتل کر دو۔ ایک شخص بہ زور کسی کا مال اپنے قبضہ میں کر لیتا اور کہتا کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی تھی کہ اس کے مال پر قبضہ کر لو' اس لیے ہر کس و ناکس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ وحی کا دعویٰ کرے۔ وحی کا دعویٰ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا ہو۔ لہٰذا وحی کا دعویٰ صرف نبی ہی کر سکتا ہے اور نبوت کا دعویٰ تب ثابت ہو گا جب وہ اس کے ثبوت میں معجزات پیش کرے گا۔

ایک سوال یہ ہے کہ جب نبی کے پاس فرشتہ وحی لے کر آتا ہے تو نبی کو کیسے یقین ہوتا ہے کہ یہ فرشتہ ہے اور یہ اللہ کا کلام لے کر آیا ہے' امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ فرشتہ نبی کے سامنے اپنے فرشتہ ہونے اور حامل وحی الٰہی ہونے پر معجزہ پیش کرتا ہے' اور امام غزالی کی بعض عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو ایسی صفت عطا فرماتا ہے جس سے وہ جن' فرشتہ اور شیطان کو الگ الگ پہچانتا ہے جیسے ہم انسانوں' جانوروں اور نباتات اور جمادات کو الگ الگ پہچانتے ہیں کیونکہ ہماری رسائی صرف عالم شہادت تک ہے اور نبی کی پہنچ عالم شہادت میں بھی ہے اور عالم غیب میں بھی ہے۔

وحی کی اقسام

بنیادی طور پر وحی کی دو قسمیں ہیں وحی متلو اور وحی غیر متلو۔ اگر نبی ﷺ پر الفاظ اور معانی کا نزول ہو تو یہ وحی متلو ہے اور یہی قرآن مجید ہے' اور اگر آپ پر صرف معانی نازل کیے جائیں اور آپ ان معانی کو اپنے الفاظ سے تعبیر کریں تو یہی وحی غیر متلو ہے اور اس کو حدیث نبوی کہتے ہیں۔ نبی ﷺ پر نزول وحی کی متعدد صورتیں ہیں جن کا احادیث صحیحہ میں بیان کیا گیا ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت حارث بن ہشام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا اور کہا یا رسول اللہ ! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کبھی کبھی وحی گھنٹی کی آواز کی طرح (مسلسل) آتی ہے اور یہ مجھ پر بہت شدید ہوتی ہے۔ یہ وحی (جب) منقطع ہوتی ہے تو میں اس کو یاد کر چکا ہوتا ہوں'

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

اور کبھی میرے پاس فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے' وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا جاتا ہے میں اس کو یاد کرتا جاتا ہوں۔ حضرت عائشہ نے کہا میں نے دیکھا ہے کہ سخت سردی کے دنوں میں آپ پر وحی نازل ہوتی اور جس وقت وحی ختم ہوتی تھی تو آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث پر یہ سوال ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول وحی کی صرف دو صورتیں بیان کی ہیں' اس کی کیا وجہ ہے؟ علامہ بدرالدین عینی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ یہ ہے کہ قائل اور سامع میں کوئی مناسبت ہونی چاہئے تاکہ ان میں تعلیم اور تعلم اور افادہ اور استفادہ متحقق ہو سکے اور یہ اتصاف یا تو اس طرح ہوگا کہ سامع پر قائل کی صفت کا غلبہ ہو اور وہ قائل کی صفت کے ساتھ متصف ہو جائے اور صلصلۃ الجرس (گھنٹی کی آواز) سے یہی پہلی قسم مراد ہے' اور یا قائل سامع کی صفت کے ساتھ متصف ہو جائے اور یہ دوسری قسم ہے جس میں فرشتہ انسانی شکل میں متشکل ہو کر آپ سے کلام کرتا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کی پہلی قسم کی تشبیہ گھنٹی کی آواز کے ساتھ دی ہے' جس کی آواز مسلسل سنائی دیتی ہے اور اس کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا' اس میں آپ نے یہ متنبہ کیا ہے کہ جس وقت یہ وحی قلب پر نازل ہوتی ہے تو آپ کے قلب پر خطاب کی ہیبت طاری ہوتی ہے اور وہ قول آپ کو حاصل ہو جاتا ہے لیکن اس قول کے ثقل کی وجہ سے اس وقت آپ کو اس کا پتا نہیں چلتا اور جب اس کے جلال کی ہیبت زائل ہو جاتی ہے تو پھر آپ کو اس کا علم ہوتا ہے' اور وحی کی یہ قسم ایسی ہے جیسے ملائکہ پر وحی نازل ہوتی ہے' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ آسمان پر کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پروں کو جھڑ جھڑاتے ہیں جیسے پتھر پر زنجیر ماری جائے اور جب ان کے دلوں سے وہ ہیبت زائل ہوتی ہے تو وہ آپس میں کہتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں حق فرمایا اور وہ عظیم اور کبیر ہے' اور اس حدیث میں ہم پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ وحی کی پہلی قسم دوسری سے شدید ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم حالت بشری سے فرشتہ کی حالت کی طرف منتقل ہوتے تھے پھر آپ پر اس طرح وحی کی جاتی تھی جس طرح فرشتوں پر وحی کی جاتی ہے' اور یہ آپ کے لئے مشکل تھا اور دوسری قسم میں فرشتہ انسانی شکل میں آتا تھا اور یہ قسم آپ کے لئے آسان تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۴' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ گھنٹی کی آواز میں ہرچند کہ عام لوگوں کے لئے کوئی معنی اور پیغام نہیں ہوتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس آواز میں کوئی معنی اور پیغام ہوتا تھا جیسا کہ اس ترقی یافتہ دور میں ہم دیکھتے ہیں جب ٹیلی گرام دینے کا عمل کیا جاتا ہے تو ایک طرف سے صرف ٹک ٹک کی آواز ہوتی ہے اور دوسرے طرف اس سے پورے پورے جملے بنا لیے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہ ہو سکتا ہے کہ وحی کی یہ آواز بہ ظاہر صرف گھنٹی کی مسلسل ٹن ٹن کی طرح ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس میں پورے پورے فصیح و بلیغ جملے موجود ہوں۔

علامہ بدرالدین عینی نے نزول وحی کی حسب ذیل اقسام بیان کی ہیں:

(۱) کلام قدیم کو سننا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا' جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا' جس کا ذکر آثار صحیحہ میں ہے۔

(۲) فرشتہ کی رسالت کے واسطہ سے وحی کا موصول ہونا۔

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

(۳) وحی کو دل میں القاء کیا جائے' جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے روح القدس نے میرے دل میں القاء کیا ایک قول یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف اسی طرح وحی کی جاتی تھی' اور انبیاء علیہم السلام کے غیر کے لیے جو وحی کا لفظ بولا جاتا ہے وہ الہام یا تسخیر کے معنی میں ہوتا ہے۔

علامہ سہیلی نے الروض الانف (ج ۱ ص ۱۵۴۔ ۱۵۳' مطبوعہ ملتان) میں نزول وحی کی یہ سات صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں کوئی واقعہ دکھایا جائے۔

(۲) گھنٹی کی آواز کی شکل میں آپ کے پاس وحی آئے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں کوئی معنی القاء کیا جائے۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فرشتہ انسانی شکل میں آئے اور حضرت جبرئیل آپ کے پاس حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آئیں' حضرت دحیہ کی شکل میں آنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ حسین ترین شخص تھے' حتیٰ کہ وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈال کر چلا کرتے تھے' مبادا عورتیں ان کو دیکھ کر فتنہ میں مبتلا ہوں۔

(۵) حضرت جبرائیل آپ کے پاس اپنی اصلی صورت میں آئیں اس صورت میں ان کے چھ سو پر تھے جن سے موتی اور یاقوت جھڑتے تھے۔

(۶) اللہ تعالیٰ آپ سے یا تو بیداری میں پردہ کی اوٹ سے ہم کلام ہو جیسا کہ معراج کی شب ہوا' یا نیند میں ہم کلام ہو' جیسے جامع ترمذی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ میرے پاس حسین صورت میں آیا اور فرمایا ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں۔

(۷) اسرافیل علیہ السلام کی وحی' کیونکہ شعبی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسرافیل کے سپرد کر دیا گیا تھا اور وہ تین سال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہے' اور وہ آپ کے پاس وحی لاتے تھے' پھر آپ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا گیا' اور مسند احمد میں سند صحیح کے ساتھ شعبی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا اور تین سال تک آپ کی نبوت کے ساتھ حضرت اسرافیل علیہ السلام رہے اور وہ آپ کو بعض کلمات اور بعض چیزوں کی خبر دیتے تھے' اس وقت تک آپ پر قرآن مجید نازل نہیں ہوا تھا اور جب تین سال گزر گئے تو پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس رہے پھر بیس سال آپ پر آپ کی زبان میں قرآن مجید نازل ہوا' دس سال مکہ میں اور دس سال مدینہ میں اور تریسٹھ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ البتہ واقدی وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے علاوہ آپ کو اور کسی فرشتہ کے سپرد نہیں کیا گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۴۰' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' مصر' ۱۳۴۸ھ)

قرآن مجید کی تعریف اور قرآن مجید کے اسماء

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ سابقہ آسمانی کتابوں کے مختلط' محرف اور محو ہو جانے کے بعد دنیا میں قیامت تک وحی الٰہی صرف قرآن مجید کی صورت میں باقی اور محفوظ رہے' گذشتہ شریعتیں' شریعت مصطفوی کے بعد منسوخ ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے صرف شریعت محمدی اور دین اسلام کے واجب القبول ہونے کا اعلان فرما دیا' اور دین اسلام اور شریعت محمدی کی اساس اور برہان قرآن مجید ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر دلائل ہیں' انبیاء سابقین اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت' رسالت اور ان کی عظمتوں کا بیان ہے' حلال اور حرام' عبادات اور معاملات' آداب اور اخلاق کے جملہ احکام کا بیان ہے' معاد جسمانی' حشر و نشر اور جنت و دوزخ کا تفصیل سے ذکر ہے' اور انسان کی

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

ہدایت کے لئے جس قدر امور کی ضرورت ہو سکتی ہے' ان سب کا قرآن مجید میں بیان ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ (النحل:۸۹)

ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت ہے اور مسلمانوں کے لئے بشارت ہے۔

علماء اصول فقہ نے قرآن مجید کی یہ تعریف کی ہے:

قرآن مجید' اللہ تعالیٰ کا معجز کلام ہے جو ہمارے نبی سیدنا حضرت محمد ﷺ پر عربی زبان میں نازل ہوا یہ مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور ہم تک تواتر سے پہنچا ہے اس کی ابتداء سورہ فاتحہ سے ہے اور اس کا اختتام سورہ والناس پر ہے۔

قرآن مجید کے ترجمہ پر قرآن مجید کا اطلاق نہیں ہوگا کیونکہ قرآن مجید الفاظ عربیہ میں ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا (یوسف:۲)

ہم نے اس کتاب کو بہ طور عربی قرآن نازل کیا۔

اسی طرح قرءات شاذہ جو تواتر سے منقول نہیں ہیں ان پر بھی قرآن مجید کا اطلاق نہیں ہوگا۔

قرآن مجید میں قرآن مجید کے پانچ اسماء ذکر کئے گئے ہیں۔ قرآن' فرقان' کتاب' ذکر اور نور' ان اسماء کا ذکر حسب ذیل آیات میں ہے:

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ○ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ (الواقعہ:۷۸-۷۷)

بے شک یہ بہت معزز قرآن ہے' محفوظ کتاب میں (موجود ہے)

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ ○ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ (البروج:۲۲-۲۱)

بلکہ وہ بہت معظم قرآن ہے' لوح محفوظ میں (لکھا ہوا ہے)

قرآن مجید میں اٹھاون مرتبہ القرآن کا ذکر ہے' دس مرتبہ قرآن کا ذکر ہے اور دو مرتبہ قرانہ کا بہ طور مصدر ذکر ہے۔ قرآن کا لفظ قراءت سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے پڑھنا اور چونکہ اس کو بہت زیادہ پڑھا جاتا ہے اس لیے اس کو قرآن کہتے ہیں۔ نیز قرء کا معنی ہے جمع کرنا' اور چونکہ قرآن مجید میں سورتیں اور آیات مجتمع ہیں اس لیے اس کو قرآن کہتے ہیں۔

فرقان کا ذکر اس آیت میں ہے:

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا (الفرقان:۱)

بہت برکت والا ہے جس نے اپنے (محبوب) بندہ پر "فرقان" کو نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔

فرقان' فرق سے ماخوذ ہے اور کیونکہ یہ کتاب حق اور باطل' ایمان اور کفر اور خیر اور شر کے درمیان فرق کرتی ہے' اس لیے اس کا نام فرقان ہے۔

کتاب کا ذکر اس آیت میں ہے:

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ (البقرہ:۲)

یہ عظیم کتاب (ہے) اس میں کوئی شک نہیں (ہے)

قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ مُوسَىٰ (الاحقاف:۳۰)

جنوں نے کہا اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب کو سنا ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے۔

کتاب کا لفظ کتب سے بنا ہے' اس کے معنی ہیں جمع کرنا اور اس میں مختلف قصص' آیات اور احکام کو جمع کیا گیا ہے' اس لیے اس کا نام کتاب ہے۔

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

ذکر اس آیت میں مذکور ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۹) بے شک ہم ہی نے "ذکر" نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

ذکر کے معنی ہیں نصیحت اور چونکہ قرآن مجید میں بہت زیادہ نصیحتیں بیان کی گئی ہیں اس لیے اس کا نام ذکر ہے۔

نور کا ذکر اس آیت میں ہے :

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا (النساء:۱۷۴) اے لوگو بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے مستحکم دلیل آگئی اور ہم نے تمہاری طرف بیان کرنے والا نور نازل کیا۔

نور اس کو کہتے ہیں جو خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرے اور قرآن مجید بھی خود ظاہر ہے اور بہت سی اخبار' احکام اور اسرار کا مظہر ہے۔

مذکور الصدر اسماء کے علاوہ قرآن مجید کو مصحف بھی کہتے ہیں' مصحف کا معنی ہے جس میں صحیفوں کو جمع کیا گیا ہو اور صحیفہ چرمی ٹکڑے یا کاغذ کے ورق کو کہتے ہیں۔ علامہ نیشاپوری نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کو جمع کرنے کے بعد اس کا نام رکھنے کے متعلق لوگوں سے مشورہ کیا اور پھر اس کا نام مصحف رکھا۔ (غرائب القرآن ج ۱ ص ۲۵' مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۲۳ھ)

قرآن کریم کے فضائل اور اجر و ثواب

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن مجید کا علم حاصل کرے اور لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص سورہ کہف پڑھ رہا تھا' اس کے گھر میں ایک جانور تھا۔ اچانک وہ جانور بدکنے لگا اس نے دیکھا کہ ایک بادل نے اس کو ڈھانپا ہوا ہے' اس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا اے شخص! پڑھتے رہو' یہ سکینہ ہے جو قرآن مجید کی تلاوت کے وقت نازل ہوتی ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن مجید میں ماہر ہو وہ معزز اور بزرگ فرشتوں کے ساتھ رہتا ہے' اور جس شخص کو قرآن مجید پڑھنے میں دشواری ہوتی ہو اور وہ اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہو اس کو دو اجر ملتے ہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۶۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سنو! عنقریب فتنے برپا ہوں گے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان فتنوں سے نکلنے کی کیا صورت ہے؟ آپ نے فرمایا کتاب اللہ! اس میں تم سے

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

پہلے لوگوں کی خبریں ہیں اور تمہارے بعد والوں کے لیے پیش گوئیاں ہیں اور یہ تمہارے درمیان حکم ہے' یہ (حق اور باطل کے درمیان) فیصل ہے' بے فائدہ نہیں ہے' جس متکبر نے اس کو ترک کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو ہلاک کر دے گا' جس نے اس کے علاوہ کسی اور چیز میں ہدایت کو تلاش کیا اللہ تعالیٰ اس کو گمراہی میں رہنے دے گا' یہ اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے' یہ حکمت آمیز نصیحت ہے۔ یہ صراط مستقیم ہے۔ اس کی وجہ سے خواہشات میں کجی نہیں آئے گی' کسی زبان کا کلام اس کے مشابہ نہیں ہو سکتا۔ علماء اس سے کبھی سیر نہیں ہوں گے' بار بار پڑھنے کے باوجود اس سے اکتاہٹ نہیں ہوگی' اس کے اسرار کبھی ختم نہیں ہوں گے' جنوں نے جب اس کو سنا تو اس پر ایمان لانے میں بالکل توقف نہیں کیا اور بے ساختہ کہا "بے شک ہم نے حیرت انگیز کلام سنا جو صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے' ہم اس پر ایمان لے آئے۔" جس نے اس کے مطابق کہا اس نے سچ کہا۔ جس نے اس پر عمل کیا اس کو اجر دیا گیا۔ جس نے اس کے مطابق حکم کیا اس نے عدل کیا۔ جس نے اس کی دعوت دی وہ صراط مستقیم پر ہدایت یافتہ ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۳۔ ۴۱۲' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اس کے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا دس گنا اجر ہے' اور میں یہ نہیں کہتا کہ "الم" ایک حرف ہے' لیکن الف ایک حرف ہے' اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۴۱۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن قرآن پڑھنے والا آئے گا تو قرآن کہے گا اے رب اس کو مزین کر' تب اس کو عزت کا تاج پہنایا جائے گا۔ پھر قرآن کہے گا: اے رب! اس کو اور مزین کر' تو اس کو عزت والے حلے پہنائے جائیں گے' پھر قرآن کہے گا: اے رب! اس سے راضی ہو جا! تو اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے گا۔ پھر اس شخص سے کہا جائے گا قرآن پڑھتا جا اور (جنت کے درجوں میں) چڑھتا جا اور ہر آیت کے بدلہ میں اس کو نیکی دی جائے گی۔ یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پیٹ میں قرآن نہ ہو وہ ویران گھر کی مانند ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا قرآن پڑھتا جا اور جنت کے درجوں میں چڑھتا جا' اور جس طرح دنیا میں آہستہ آہستہ قرآن پڑھتا تھا' اسی طرح پڑھ' جہاں تو آخری آیت پڑھے گا وہی تیرا ٹھکانہ ہوگا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ علانیہ قرآن پڑھنے والا' علانیہ صدقہ کرنے والے کی مانند ہے اور پوشیدگی سے قرآن پڑھنے والا پوشیدگی سے صدقہ دینے والے کی مثل ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رب تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص قرآن پڑھنے میں مشغولیت کی وجہ سے میرا ذکر نہ کر سکا اور مجھ سے دعا نہ کر سکا۔ میں اس کو دعا کرنے والوں سے زیادہ عطا فرماؤں گا' اور

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

اللہ کے کلام کی فضیلت باقی کلاموں پر ایسی ہے جیسے اللہ کی فضیلت مخلوق پر ہے۔

(جامع ترمذی ص ۴۱۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے تھے۔ الحمدللہ رب العلمین پڑھتے پھر ٹھہرتے' پھر الرحمٰن الرحیم پڑھتے' پھر ٹھہرتے پھر مالک یوم الدین پڑھتے۔

(جامع ترمذی ص ۴۱۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ کی مخلوق سے کچھ لوگ اہل اللہ ہیں' صحابہ نے کہا یارسول اللہ! وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا اہل قرآن' وہ اہل اللہ ہیں اور اللہ کے خاص بندے ہیں۔ (سنن کبری ج ۵ ص ۱۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صرف دو خصلتوں میں حسد (رشک) کرنا جائز ہے' ایک وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ دن رات اس مال کو (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتا ہے' اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا اور وہ دن رات قیام میں قرآن پڑھتا ہے۔

(سنن کبری ج ۵ ص ۲۷' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: جس شخص نے قرآن مجید پڑھا اور اس کو حفظ کیا' اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کردے گا اور اس کو اس کے گھر کے دس ایسے افراد کی شفاعت کرنے والا بنائے گا جن میں سے ہر ایک کے لیے جہنم واجب ہوچکا ہو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حافظ نورالدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں قرآن مجید پڑھانے کا حکم دیا اور اس پر برانگیختہ کیا' اور فرمایا قیامت کے دن جب قرآن پڑھنے والے کے گھر والوں کو بہت سخت حاجت ہوگی تو قرآن ان کے پاس آئے گا اور مسلمان سے کہے گا مجھے پہچانتے ہو؟ وہ شخص کہے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گا میں وہ ہوں جس سے تم محبت کرتے تھے اور اس سے جدائی کو ناپسند کرتے تھے' جو تم کو کھینچتا تھا اور تم کو قریب کرتا تھا' وہ شخص کہے گا شاید تم قرآن ہو' پھر قرآن اس کو اس کے رب عزوجل کے پاس لے جائے گا' اس کے دائیں طرف فرشتہ ہوگا اور بائیں طرف جنت ہوگی' اس کے سر کے اوپر سکینہ کو رکھا جائے گا اور اس کے ماں باپ کو تمام دنیا سے قیمتی حلے دیئے جائیں گے' وہ کہیں گے کہ ہمارے اعمال تو اس انعام کے لائق نہیں یہ کس چیز کا صلہ ہیں' قرآن کہے گا یہ تمہارے بیٹے کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے' اس کی سند میں سوید بن عبدالعزیز متروک راوی ہے اور ہشیم نے اس کے متعلق اچھے کلمات کہے ہیں اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۰' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے بزرگ لوگ حاملین قرآن ہیں۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں سعد بن سعید ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۱' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

معاذ بن انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: جس شخص نے سبحان اللہ العظیم کہا اس

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

کے لیے جنت میں ایک پودا اگایا جاتا ہے اور جس نے پورا قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا اس کے والدین کو ایک تاج پہنایا جائے گا جو سورج کی روشنی سے زیادہ حسین ہوگا۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں زبان بن قائد ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۲-۱۶۱' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے قرآن مجید کی کسی ایک آیت کو قصداً سنا' اس کے لیے ایک نیکی کو دگنا کرکے لکھا جائے گا اور جس نے اس کو تلاوت کیا وہ قیامت کے دن اس کے لیے نور ہو جائے گی۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے' اس کی سند میں عباد بن میسرہ ہے۔ امام احمد نے اس کو ضعیف کہا ہے اور امام ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۲' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پڑھنے والا جب قرآن کے حلال کو حلال قرار دے اور اس کے حرام کو حرام قرار دے تو وہ اپنے گھر کے ان دس افراد کے لیے شفاعت کرے گا جن میں سے ہر ایک کے لیے جہنم واجب ہو چکی ہوگی' اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں جعفر بن حارث ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۲' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ اس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرے وہ غور کرے اگر وہ قرآن سے محبت کرتا ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص علم کا ارادہ کرے وہ قرآن میں غور کرے کیونکہ اس میں اولین اور آخرین کا علم ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے کئی سندوں سے روایت کیا ہے اور ایک سند کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۵' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

عثمان بن عبداللہ بن اوس اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مصحف میں دیکھے بغیر قرآن پڑھنے کا ہزار درجہ اجر ہے اور مصحف میں دیکھ کر پڑھنے کا دو ہزار درجہ اجر ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے' اس کی سند میں ابو سعید بن عون ہے' ابن معبد سے اس کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک روایت میں اس کی تضعیف کی ہے اور دوسری میں اس کی توثیق کی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۵' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے بیٹے کو ناظرہ قرآن پڑھایا اس کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے اس کو زبانی قرآن پڑھایا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ایسی صورت پر اٹھائے گا جیسے چودھویں رات کا چاند ہوتا ہے اور اس کے بیٹے سے کہا جائے گا قرآن پڑھو اور جب بھی وہ ایک آیت پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے باپ کا ایک درجہ بلند کردے گا حتیٰ کہ اس کا بیٹا وہ تمام قرآن پڑھ لے گا جو اس کو یاد ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کے ایک راوی کو میں نہیں پہچانتا۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۶-۱۶۵' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی اپنے بچے کو دنیا میں قرآن کی تعلیم دیتا ہے اس کو قیامت کے دن جنت میں تاج پہنایا جائے گا جس کو تمام جنت والے پہچان لیں گے کہ یہ دنیا میں اس کے بیٹے کو

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

قرآن پڑھانے کی وجہ سے پہنایا گیا ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں جابر بن سلیم ہے' جس کو ازدی نے ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۶-۱۶۵' مطبوعہ دارالکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ' بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس گھر میں قرآن پڑھا جائے اس میں بہت خیر ہوتی ہے اور جس گھر میں قرآن نہ پڑھا جائے اس میں کم خیر ہوتی ہے۔ اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عمرو بن نبہان ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۷۱' مطبوعہ دارالکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ' بیروت)

قرآن مجید کو پڑھنے اور سننے کے احکام' آداب اور بعض ضروری مسائل

جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کا ارادہ کرے اس کو چاہیے کہ اپنے منہ کو ہر قسم کی بدبو سے اچھی طرح صاف کرلے۔ خاص طور پر تمباکو نوشی کرنے والے' نسوار ڈالنے والے اور کچا لہسن اور پیاز کھانے والوں کو کسی اچھی پیسٹ سے منہ صاف کرنا چاہیے اور منہ میں الائچی وغیرہ رکھنی چاہیے اور دیگر عطریات کی خوشبو لگانا چاہیے کیونکہ فرشتے تلاوت قرآن کے دوران حاضر ہوتے ہیں اور بدبو سے ان کو تکلیف ہوتی ہے' اور خوشبو سے راحت ہوتی ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت باوضو کرنا مستحب ہے' اور اگر قرآن مجید کو چھوئے بغیر زبانی بے وضو پڑھا جائے تو جائز ہے' اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور اس سلسلہ میں بکثرت احادیث ہیں' تاہم یہ خلاف مستحب اور خلاف اولیٰ ہے۔ اگر پانی نہ ملے تو تیمم کرکے تلاوت کرے' جس عورت کو حیض نہ ہو صرف استحاضہ کا خون جاری ہو وہ بے وضو کے حکم میں ہے' وہ نماز کے کسی ایک وقت کے شروع میں وضو کرلے تو دوسرے وقت کے شروع ہونے تک اس کا وضو رہے گا بہ شرطیکہ کسی اور وجہ سے اس کا وضو نہ ٹوٹے' جنبی اور حائض کے لیے قرآن مجید کی تلاوت کرنا حرام ہے' خواہ ایک آیت ہو یا اس سے کم ہو' البتہ جنبی اور حائض بغیر تلفظ کے دل میں قرآن مجید کو پڑھ سکتے ہیں' البتہ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ تسبیح' تہلیل' تحمید' درود شریف اور دیگر تمام اذکار اور وظائف جنبی اور حائض پڑھ سکتے ہیں اور اگر تلاوت قرآن کا قصد نہ ہو تو بطور دعا قرآن مجید کی آیات بھی پڑھ سکتے ہیں مثلاً بہ طور شکر الحمد للہ رب العلمین پڑھ سکتے ہیں۔ سواری پر بیٹھتے وقت سبحان الذی سخر لنا ھذا والی آیت اور مصیبت کے وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ سکتے ہیں' لیکن یہ بھی خلاف مستحب اور خلاف افضل ہے۔

کسی پاک اور صاف جگہ پر بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے۔ مسجد میں تلاوت کرنا بہت عمدہ ہے' اسی طرح اعتکاف میں' اور جب بھی انسان مسجد میں داخل ہو اعتکاف کی نیت کرے' اگر مسجد میں تنہا ہو تو متوسط بلند آواز سے تلاوت کرے اور اگر اور لوگ بھی تلاوت کر رہے ہوں' یا دوسرے لوگ نماز اور اوراد اذکار میں مشغول ہوں تو پھر آہستہ تلاوت کرے تاکہ کسی کی تلاوت اور عبادت میں خلل نہ پڑے۔ نیز سر ڈھانک کر سکون' خضوع' خشوع' وقار اور ادب کے ساتھ بیٹھ کر تلاوت کرے اور قبلہ کی طرف منہ کرکے تلاوت کرے۔ حدیث میں ہے کہ بہترین نشست وہ ہے جس میں منہ قبلہ کی طرف ہو۔ امام ابو داؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حمام میں قرآن مجید کی تلاوت نہ کرے۔ ابو میسرہ سے روایت ہے کہ پاک جگہ قرآن مجید کی تلاوت کی جائے' آج کل لوگ اپنے باتھ میں وضو کرتے ہیں' بسم اللہ اور وضو کی دعائیں اس جگہ نہیں پڑھنی چاہئیں اور کسی بھی مہان' مبتذل اور غیر محترم جگہ پر قرآن مجید پڑھنے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے سے اجتناب کیا جائے۔

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

قرآن مجید کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھے' اور قرآن مجید کی آیات کے معانی میں غور و فکر اور تدبر و تفکر کرے' جس آیت میں ذوق و شوق اور وجد آئے اس کو بار بار دہرائے' کیونکہ امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات صبح تک اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے۔ (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۵۷۔۱۵۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (المائدہ:۱۱۸)

اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک یہ تیرے بندے ہیں' اور اگر تو ان کو بخش دے تو' تو بہت غالب' بڑی حکمت والا ہے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات صبح تک آپ اس آیت کو دہراتے رہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (الجاثیۃ: ۲۱)

کیا جن لوگوں نے گناہ کیے ہیں انہوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ ہم انہیں ان لوگوں کی مثل کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے کہ ان (سب) کی زندگی اور موت برابر ہو جائے۔ وہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

اسی طرح صحابہ کرام اور فقہاء تابعین سے منقول ہے کہ انہوں نے تلاوت کے دوران بعض آیات کو بار بار پڑھا۔

قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے یا تلاوت کو سنتے ہوئے' جب اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب' اس کی گرفت اور اس کے عذاب کی آیات سے گزریں تو اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونا چاہیے۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ السجدۃ

(بنی اسرائیل: ۱۰۹۔۱۰۷)

بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا' جب ان پر اس (قرآن) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب (ہر عیب سے) پاک ہے' بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہونا تھا اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے (دلوں میں) خوف خدا کو اور زیادہ کرتا ہے۔

اس سلسلہ میں بہ کثرت احادیث ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پڑھتے ہوئے روؤ اگر رونا نہ آئے تو کوشش کرکے روؤ۔ (سنن ابن ماجہ ص ۹۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے اس قدر روتے تھے کہ مشرکوں کی عورتیں بھی ان کا گریہ سن کر متاثر ہوتی تھیں' (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۰۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اسی طرح بہ کثرت صحابہ اور تابعین سے تلاوت قرآن کے دوران رونا منقول ہے۔

قرآن مجید کو ترتیل کے ساتھ آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جلدی جلدی پورا قرآن پڑھنے کی بہ نسبت میرے نزدیک یہ بہتر ہے کہ صرف ایک سورت ترتیل کے ساتھ پڑھ لی جائے' قرآن مجید میں ہے:

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (المزمل:۴)

قرآن مجید آہستہ آہستہ اور ٹھیر ٹھیر کر پڑھیے۔

marfat.com
Marfat.com
Marfat.com

مجاہد سے روایت ہے کہ ہمیں جلدی جلدی قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کچھ لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور وہ ان کے گلوں کے نیچے سے نہیں اترتا' لیکن جب قرآن مجید دل میں ٹھیر کر جم جائے تو نفع دیتا ہے۔ ترتیل کے ساتھ پڑھنے میں قرآن مجید کی زیادہ توقیر اور احترام ہے اور اس کی دل میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی' ۱۳۷۵ھ)

جب قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت پڑھے جس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کا ذکر ہو تو اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت اور مغفرت کا سوال کرے' اور جب عذاب کی آیت کو پڑھے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے پناہ طلب کرے۔ جب کسی آیت میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کا ذکر ہو تو سبحان اللہ کہے۔ امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب (نفلی) نماز میں کسی رحمت کی آیت کو پڑھتے تو اس کا سوال کرتے اور جب عذاب کی آیت پڑھتے تو اللہ کی پناہ مانگتے اور جب اللہ کی عظمت کی آیت پڑھتے تو سبحان اللہ کہتے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۹۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی) انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا ذکر ہو تو دعا کرے کہ اللہ ان کی اتباع نصیب فرمائے۔ اسی طرح جنت کے ذکر پر جنت کا سوال کرے اور دوزخ کے ذکر پر دوزخ سے پناہ مانگے۔ جب یہ آیت پڑھے الیس اللہ باحکم الحاکمین تو کہے بلی وانا علی ذالک من الشاھدین جب فبای الاء ربکما تکذبان پڑھے یا فبای حدیث بعدہ یومنون پڑھے تو کہے امنت باللہ جب الیس ذالک بقادر علی ان یحیی الموتی پڑھے تو کہے بلی۔ (سنن ابوداؤد و جامع ترمذی) امام شافعی کے نزدیک نماز میں بھی اس طرح دعا کرنا اور جواب دینا مستحب ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا استحباب فرض نماز کے غیر میں ہے' فرض نماز میں اس طرح کرنا مکروہ ہے۔ البتہ نفلی نمازوں میں جائز ہے اور سنن ابن ماجہ میں نفلی نماز کی تصریح ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کے دوران اس کا مکمل احترام ملحوظ رکھے' اس دوران باتیں نہ کرے' ہنسنے سے گریز کرے الا یہ کہ کوئی ناگزیر بات کرنی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الاعراف: ۲۰۴)

اور جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

امام ابو داؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب تک وہ اپنے ارادہ کے مطابق قراءت نہیں کرلیتے تھے کسی سے بات نہیں کرتے تھے' اور امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید سے فارغ ہونے سے پہلے بات نہیں کرتے تھے۔

جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اس کے سننے کے متعلق فقہاء احناف کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض عین ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا سننا فرض کفایہ ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

قرآن مجید کا سننا مطلقاً" واجب ہے' خواہ نماز میں سنے یا خارج از نماز میں' کیونکہ یہ آیت اگرچہ نماز کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے لیکن اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوصیت سبب کا نہیں ہوتا' لیکن یہ اس وقت واجب ہے جب کوئی عذر نہ ہو' قنیہ میں مذکور ہے کہ گھر میں بچہ قرآن کریم پڑھ رہا ہو اور گھر والے کام میں مشغول ہوں تو وہ نہ سننے میں معذور ہیں بہ شرطیکہ انہوں نے کام پہلے شروع کیا ہو' ورنہ نہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کے دوران فقہ کی کتابوں کے مطالعہ

marfat.com
Marfat.com

کرنے کا حکم ہے' فتح القدیر میں خلاصہ سے منقول ہے کہ کوئی شخص فقہ لکھ رہا ہو اور اس کے پاس بیٹھ کر کوئی شخص قرآن پڑھنا شروع کردے اور اس کے لیے قرآن مجید کو سننا ممکن نہ ہو تو گناہ پڑھنے والے پر ہے۔ اس طرح اگر کوئی شخص چھت پر قرآن مجید پڑھے اور لوگ سوئے ہوئے ہوں تو پڑھنے والا گنہ گار ہوگا' کیونکہ وہی شخص ان کے استماع سے اعراض کا سبب بنا ہے' کیونکہ وہ ان کو جگا کر ایذا پہنچا رہا ہے' اور شرح المنیتہ میں مذکور ہے کہ اصل یہ ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض کفایہ ہے کیونکہ قرآن مجید پڑھنے کا حق یہ ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے اور اس کو ضائع نہ کیا جائے اور بعض لوگوں کے خاموش ہونے سے یہ حق ادا ہو جاتا ہے جیسے مسلمان کے سلام کا جواب دینا اس مسلمان کے حق کی رعایت کی وجہ سے واجب ہے اور بعض لوگوں کے جواب دینے سے یہ حق ادا ہو جاتا ہے' اور باقی تمام لوگوں سے اس کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ ہاں! قرآن مجید پڑھنے والے پر قرآن کریم کا احترام کرنا واجب ہے' بایں طور کہ بازاروں میں قرآن نہ پڑھے' نہ ایسی جگہوں پر قرآن کریم پڑھے جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں' اگر اس نے ایسی جگہوں پر قرآن مجید پڑھا تو وہی شخص قرآن مجید کے احترام کو ضائع کرنے والا ہوگا' نہ کہ مصروف اور مشغول لوگ تاکہ لوگ حرج میں مبتلا نہ ہوں۔ علامہ حموی نے اپنے استاذ قاضی القضاۃ منقاری زادہ سے نقل کیا ہے کہ ان کی تحقیق یہ ہے کہ قرآن مجید کا سننا فرض عین ہے۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۳۶۷' ۳۶۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

ہمارے زمانہ میں لوگ مسجدوں میں مائیک پر تراویح اور شبینے پڑھتے ہیں اور باہر کے اسپیکروں کو کھول دیتے ہیں جس سے محلوں اور بازاروں میں دور دور تک قرآن مجید کی آواز جاتی ہے اور لوگ اپنی مصروفیات کی وجہ سے قرآن مجید نہیں سن سکتے اور یوں قرآن مجید کی بے حرمتی ہوتی ہے اور اس کا گناہ ان پر ہوتا ہے جو مسجد کے باہر کے اسپیکر چلاتے ہیں۔ اس لیے واجب ہے کہ صرف مسجد کے اندر کے اسپیکروں کو چلایا جائے اور ان کی آواز بھی اتنی اونچی نہ کی جائے جس سے مسجد کے باہر آواز جائے۔

تلاوت کے دوران صرف قرآن مجید پر نظر رکھنی چاہیے ادھر ادھر نہ دیکھے خاص طور پر اجنبی عورتوں اور خوبصورت اور بے ریش لڑکوں کی طرف نہ دیکھے کیونکہ خوبصورت بے ریش لڑکے بھی عورتوں کے حکم میں ہیں اور عورتوں کی بہ نسبت ان سے قضاء شہوت زیادہ سہل ہے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۲۷۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ) البتہ خرید و فروخت' علاج معالجہ اور تعلیم کے وقت بہ قدر ضرورت ان کی طرف دیکھنا جائز ہے ٹکٹکی باندھ کر ان کی طرف نہ دیکھے اور یہ حکم صرف بے ریش لڑکے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جو شخص بھی اس کی شہوت کا محل ہو' مرد ہو یا عورت۔

قرآن مجید کو مصحف کی ترتیب کے مطابق پڑھنا چاہیے مثلاً پہلے سورہ فاتحہ پھر سورہ بقرہ' امام طبرانی' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہیں بتایا گیا کہ ایک شخص الٹی قراءت کرتا ہے۔ فرمایا اس کا دل الٹا ہے (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۸) اس لیے کسی سورت کو آخر سے شروع تک الٹا پڑھنا سخت ممنوع ہے۔ البتہ بچوں کو تعلیم کے لیے آخری پارہ کی آخری سورتوں سے حفظ کی ابتداء کرانا جائز ہے۔ قرآن مجید کو مصحف سے دیکھ کر پڑھنا' زبانی پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ مصحف میں دیکھنا بھی عبادت مقصودہ ہے لیکن اگر کسی شخص کا خضوع اور خشوع اور تدبر اور تفکر زبانی پڑھنے سے زیادہ ہوتا ہے تو اس کو زبانی پڑھنا افضل ہے' امام طبرانی نے حضرت عثمان بن عبداللہ بن اوس ثقفی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بغیر مصحف کے پڑھنے کے ہزار درجات ہیں اور مصحف میں دیکھ کر پڑھنے کے دو ہزار درجات

marfat.com
Marfat.com

ہیں (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۶۵) بعض صورتوں میں قرآن مجید کو آہستہ پڑھنا افضل ہے اور بعض صورتوں میں بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے' آہستہ پڑھنا خدشہ ریا سے مامون ہے' اور جب یہ خطرہ نہ ہو تو بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے' کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ دوسروں تک پہنچتا ہے' اور اس سے پڑھنے والے کا دل بیدار اور اس کا ذہن متوجہ رہتا ہے' اور اس کو سننے کا ثواب بھی ملتا ہے۔ اس کی نیند دور ہوتی ہے۔ اور اس کی تروتازگی زیادہ ہوتی ہے اور وہ غافلوں کو متنبہ کرتا ہے لیکن یہ فضیلت اس وقت ہے جب اس کے بلند آواز کے ساتھ پڑھنے سے کسی کی نیند' آرام' عبادت اور کام میں حرج اور خلل نہ ہو' قرآن مجید کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ امام ابو داؤد اور امام نسائی وغیرھما نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی آوازوں کے ساتھ قرآن مجید کو مزین کرو۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۰۷)

البتہ قرآن مجید کو سازوں اور دھنوں کے تابع کرکے نہیں پڑھنا چاہیے اور نہ اس طرح کہ صیغہ بدل جائے یا لفظ حدود قراءت سے نکل جائے جن فقہاء کرام نے قرآن مجید کو تغنی کے ساتھ پڑھنے سے منع کیا ہے اس کا یہی محمل ہے۔

قرآن مجید کو پڑھنا مطلقاً مستحب ہے مگر بعض احوال میں مکروہ ہے۔ نماز کے رکوع' سجود اور تشہد میں قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے' امام کے پیچھے قیام میں بھی قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے' بیت الخلاء اور حمام میں قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے' اونگھتے ہوئے اور جمعہ کے خطبہ کے وقت نمازیوں کا قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے۔ حالت طواف میں قرآن مجید پڑھنا امام مالک کے نزدیک مکروہ ہے اور جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے۔ دوسری رکعت میں پہلی رکعت سے بہت زیادہ قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے' ایک یا دو آیتیں زیادہ ہوں تو حرج نہیں۔ اسی طرح نماز میں اتنی زیادہ قراءت کرنا جو مقتدیوں پر گراں اور دشوار ہو یہ بھی مکروہ ہے یا کسی ایک سورت کو معین کرلینا اور دوسری سورت پڑھنے کو ناجائز سمجھنا یہ بھی مکروہ ہے۔

جب کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا ہو اور اس دوران کوئی بزرگ عالم دین' یا اس کا والد یا اس کا استاذ آجائے تو اس کے احترام اور اکرام کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے۔ (فتاوی قاضی خاں علی ھامش الھندیہ ج ۳ ص ۴۲۲' مطبوعہ مطبع کبری بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ) اکرام اور تعظیم کے لیے قیام کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اصحاب اور فقہاء تابعین اور علماء صالحین سے ثابت ہے بشرطیکہ اس میں ریا اور دنیاوی غرض نہ ہو۔

جب کوئی شخص چلتے ہوئے قرآن مجید پڑھ رہا ہو اور اس کا کسی قوم پر گذر ہو تو قراءت منقطع کرکے ان کو سلام کرے اور پھر سے قرأت شروع کردے' اور مستحب یہ ہے کہ دوبارہ اعوذ باللہ پڑھے اور اگر کوئی شخص قرآن مجید پڑھنے والے کے پاس آئے تو اولیٰ یہ ہے کہ وہ اس کو سلام نہ کرے' اگر اس نے سلام کردیا تو قاری اشارہ سے جواب دے اور اگر اس نے زبان سے جواب دیا تو دوبارہ اعوذ باللہ پڑھ لے اور اگر قرآن کریم پڑھنے کے دوران چھینک آئے تو الحمدللہ کہنا مستحب ہے۔

امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کو ایک ماہ میں ختم کیا جائے اور سات دن سے کم میں ختم نہ کیا جائے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

قرآن مجید کو نماز میں ختم کرنا مستحب ہے یا سنت فجر میں ختم کرے' اور اگر غیر نماز میں ختم کرے تو دن یا رات کے اول حصہ میں ختم کرے' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید ختم کرتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کرکے دعا کرتے' بعض

marfat.com
Marfat.com

حدیث میں ہے کہ ختم قرآن کے وقت اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے' اور ختم قرآن کے وقت دعا کرنا مستحب ہے' اس وقت اپنے اہم کاموں اور عام مسلمانوں کی فلاح کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ قرآن مجید کی یا مصحف کی تخفیف کرنا' یا اس کی تکذیب کرنا' یا اس کے کسی حرف پر انکار کرنا یا اس میں قصداً کسی حکم کو کم کرنا یا زیادہ کرنا یا تحریف کرنا کفر ہے' اور بغیر علم کے قرآن مجید کے معنی بیان کرنا یا اس کی تفسیر کرنا حرام ہے۔ امام ابو داؤد حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن مجید میں کوئی بات کی اگرچہ وہ صحیح ہو پھر بھی اس نے خطا کی (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵۸) قرآن مجید یاد کرکے اس کو بھول جانا سخت گناہ ہے۔ امام ابوداؤد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے بھی قرآن مجید پڑھ کر بھلا دیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے کوڑھ کی حالت میں ملاقات کرے گا۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۷) امام بخاری حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے فلاں فلاں آیت بھلا دی بلکہ یہ کہے کہ فلاں فلاں آیت نے مجھے بھلا دیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۳) قرآن مجید پڑھ کر دم کرنا جائز ہے۔ امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو سورہ اخلاص' سورہ فلق اور سورہ الناس پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیوں پر دم کرتے پھر ان ہتھیلیوں کو اپنے سر اور اپنے چہرے پر اور جہاں تک ہاتھ پہنچتا ان ہتھیلیوں کو جسم پر پھیرتے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

تفسیر کی کتابوں کو بے وضو ہاتھ لگانے کی تحقیق

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

تفسیر کی کتابیں مصحف کی مثل ہیں۔ (قرآن مجید کی طرح ان کو بھی بلا وضو چھونا جائز نہیں ہے) باقی دیگر شرعی کتابوں کا یہ حکم نہیں ہے اور ماسوا تفسیر کے باقی دینی کتابوں کو بے وضو چھونا جائز ہے' درر میں مجمع الفتاوی سے اسی طرح منقول ہے۔ سراج میں لکھا ہے کہ مستحب یہ ہے کہ باقی شرعی کتابوں کو بھی بے وضو ہاتھ نہ لگائے۔ لیکن اشباہ میں یہ قاعدہ مذکور ہے کہ جب حلال اور حرام مجتمع ہوں تو حرام کو ترجیح دی جاتی ہے اور ہمارے اصحاب نے بے وضو تفسیر کی کتابوں کو ہاتھ لگانے کی اجازت دی ہے اور انہوں نے یہ فرق نہیں کیا کہ اس کتاب میں اکثر حصہ تفسیر کا ہو یا قرآن مجید کا اور اگر وہ یہ فرق کرتے تو بہتر تھا۔ (در مختار علی حاشیہ رد المحتار ج ۱ ص ۱۱۹-۱۱۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ شامی نے لکھا ہے اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں:

(۱) بے وضو کے لیے مصحف (قرآن کریم) کو ہاتھ لگانا مکروہ (تحریمی) ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اسی طرح احادیث اور کتب فقہ کو بھی بے وضو کا ہاتھ لگانا مکروہ ہے اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ مکروہ نہیں ہے۔ (خلاصۃ الفتاوی) شرح المنیہ میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ احادیث اور کتب فقہ میں جو قرآن مجید کی آیات ہیں وہ بہ منزلہ تابع ہیں اور حدیث اور فقہ کی کتابوں کے مس کرنے والے کو یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ قرآن مجید کو مس کر رہا ہے۔

(۲) علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں کہا ہے کہ تفسیر' حدیث اور فقہ کی کتابوں کو بے وضو چھونا بھی مکروہ ہے کیونکہ یہ کتابیں قرآن مجید کی آیات سے خالی نہیں ہوتیں۔ اس قول کے مطابق نحو کی شروحات کو بھی بے وضو ہاتھ لگانا مکروہ ہوگا

marfat.com
Marfat.com

کیونکہ ان میں بھی قرآن مجید کی آیات ہوتی ہیں (بلکہ بعض منطق کی کتابوں میں بھی قرآن مجید کی آیات ہوتی ہیں۔)

(۳) النہر الفائق میں مذکور ہے کہ جن کتابوں میں قرآن مجید کی آیات زیادہ ہوں ان کتابوں کو بے وضو چھونا مکروہ ہے اور جن کتابوں میں قرآن مجید کی آیات کم ہوں ان کو بے وضو چھونا مکروہ نہیں ہے کیونکہ اعتبار اکثر اور اغلب کا ہوتا ہے۔ اس بنا پر کتب تفسیر کو بے وضو چھونا مکروہ ہوگا اور باقی دینی کتابوں کو بے وضو چھونا مکروہ نہیں ہوگا' اور ان کتابوں میں بھی جس جگہ قرآن مجید کی آیات لکھی ہوں وہاں بے وضو ہاتھ نہ لگایا جائے۔

علامہ شامی نے اس تیسرے قول کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ تفسیر کی کتابوں میں قرآن مجید کی آیات کو بالقصد لکھا جاتا ہے بالتبع نہیں لکھا جاتا اس لیے یہ مصحف کے مشابہ ہیں۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۱۹-۱۱۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

قرآن مجید کا اعجاز

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے' جو عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ یہ سیدنا حضرت محمد ﷺ کی تصنیف ہے نہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔ (النساء:۸۲)

تو کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر قرآن اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا تو وہ ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

وَ اِنَّہٗ لَتَنْزِیْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ۙ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۙ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ (الشعراء:۱۹۵-۱۹۲)

بے شک وہ (قرآن) رب العلمین کا نازل کیا ہوا ہے جسے جبرئیل نے واضح عربی زبان میں آپ کے قلب پر نازل کیا ہے تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔

قرآن مجید معجز کلام ہے' اور تمام جن و انس مل کر بھی اس کی نظیر لانا چاہیں تو وہ اس کی نظیر نہیں لاسکتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ (الاسراء:۸۸)

آپ کہیے کہ اگر تمام انسان اور جن قرآن کی مثل لانے پر جمع ہو جائیں تو وہ اس کی مثل نہیں لاسکتے۔

نیز فرمایا:

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىہُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِہٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (ھود:۱۳)

کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن خود گھڑ لیا ہے' آپ فرما دیجئے کہ پھر تم اس کی مثل دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور اپنی مدد کے لئے اللہ کے سوا جس کو بلا سکتے ہو بلا لو' اگر تم سچے ہو۔

اور فرمایا:

وَ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ (البقرہ:۲۳)

اگر تم کو (اس کلام کے کلام ربانی ہونے میں) شک ہے جس کو ہم نے اپنے (محبوب) بندہ پر نازل کیا ہے تو اس کی مثل ایک سورت ہی لے آؤ۔

اور یہ بھی فرمایا:

marfat.com
Marfat.com

فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ط (الطور: ۳۴) انہیں چاہئے کہ وہ اس کی مثل کوئی بات (آیت) لے آئیں اگر وہ سچے ہیں۔

عدیم النظیر ہونے کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا

چودہ سو سال سے زیادہ گزر چکے ہیں اور دن بہ دن دنیا میں علوم و فنون کی ترقی ہو رہی ہے' اور اسلام کے مخالفین اور منکرین بھی بہت زیادہ ہیں' اس کے باوجود آج تک کوئی شخص قرآن مجید کی کسی ایک سورت یا کسی ایک آیت کی مثل نہیں لاسکا' اگر کسی شخص کی قدرت میں اس کی کسی ایک سورت یا کسی ایک آیت کی مثل لانا ممکن ہوتا تو وہ اب تک لاچکا ہوتا۔ قرآن مجید کی ہر سورت بلکہ ہر آیت ایک چیلنج ہے اور اس کی ہر آیت معجز ہے اور اس کی ہر آیت قرآن کریم کی صداقت' اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور سیدنا حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی روشن دلیل ہے۔

قرآن کریم کے معجز ہونے کے لیے یہ امر کافی ہے کہ چودہ سو سال سے لے کر آج تک کوئی اس کی نظیر اور مثل نہیں لاسکا۔۔۔۔۔۔۔۔ علامہ طبری نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں صرف مواعظ (نصیحتیں) بیان کی ہیں' اور زبور میں صرف اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثناء ہے اور انجیل میں صرف مثالیں بیان کی ہیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر جو کتاب نازل کی ہے اس میں مواعظ' حمد و ثناء اور تمثیلات بھی ہیں اور وہ تمام خصوصیات ہیں جو کتب سابقہ میں تھیں اور ان پر مستزاد یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایسے اصول اور احکام بیان کئے گئے ہیں جو عہد رسالت سے لے کر قیامت تک آنے والی تمام نسل انسانی کے نظام حیات کے لیے کافی اور وافی ہیں۔

فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا

قرآن مجید میں جو مضامین بیان کئے گئے ہیں ان کی عبارت ایسی فصیح و بلیغ ہے کہ بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء حیران و ششدر رہ گئے اور ان کو یہ تسلیم کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں' اللہ وحدہ لا شریک کا کلام ہے۔ قرآن مجید کے مضامین میں توحید و رسالت ہے' ہدایت ہے' ترغیب و ترہیب ہے' وعد اور وعید ہے' امر اور زجر ہے' قصص ہیں' دلائل اور براہین ہیں' مثالیں ہیں' حقائق کائنات ہیں اور ان کے اسرار ہیں' ماضی اور مستقبل کے واقعات ہیں' غیب کی خبریں ہیں اور بہ کثرت پیش گوئیاں ہیں جو حرف بہ حرف صادق ہوئیں اور مسلسل صادق ہو رہی ہیں۔

قران مجید کے مضامین جس نظم اور عبارت میں بیان کئے گئے ہیں ان کے معجز ہونے کا اور انسان کی قدرت کے قاصر ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک فصیح و بلیغ انسان جب ایک خطبہ یا قصیدہ لکھتا ہے تو وہ اس میں اپنی تمام صلاحیت بروئے کار لاتا ہے' پھر اس میں مسلسل غور کرتا رہتا ہے اور کئی لفظ حذف کرتا ہے' کئی جملے تبدیل کرتا ہے' لکھتا ہے مٹاتا ہے پھر تصحیح در تصحیح کرتا ہے' پھر کسی اور شخص کو دکھاتا ہے اور وہ اس میں طبع آزمائی کرتا ہے اور اس کی تنقیح کرتا ہے اور اس میں غور و فکر کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے' پھر بھی حتمی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں اب کوئی لفظ تبدیل نہیں کیا جاسکتا یا کوئی جملہ حذف نہیں کیا جاسکتا' اور قرآن مجید میں کسی ایک لفظ کو اس کی جگہ سے ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا لفظ رکھنا چاہیں تو تمام لغت عرب کو چھاننے کے بعد بھی اس لفظ کا متبادل نہیں مل سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام معجز ہے اور انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے بغیر غور و فکر کے فی البدیہہ یہ کلام پیش کیا جب

marfat.com
Marfat.com

کہ آپ امی تھے' کسی مکتب میں لکھنے پڑھنے کبھی نہیں گئے تھے اور یہ ایسا کلام ہے کہ اس کی ہر آیت میں اعجاز ہے' اس سے معلوم ہوا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے' اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

کفار عرب میں سے بعض لوگوں نے قرآن مجید کو جب پہلی بار سنا تو سنتے ہی اس کے اعجاز کو جان لیا اور فوراً مسلمان ہوگئے' اور بعض نے اس کے اعجاز کو جانا لیکن عناداً" کفر کیا' کسی نے کہا یہ شعر ہے' کسی نے کہا کہانت (جنوں کا کلام) ہے' کسی نے کہا یہ سحر ہے۔ جن لوگوں نے قرآن کریم کو سنتے ہی اس کے اعجاز کو جان لیا ان میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو سورۃ طٰہٰ کی چند آیات سنتے ہی ہادی اسلام کی دہلیز پر قبول اسلام کے لیے جا پہنچے' اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں جو حم السجدہ کی ابتدائی چند آیات سنتے ہی مسلمان ہوگئے' اور جو قرآن مجید کے اعجاز کا ادراک کرنے کے باوجود کفر پر قائم رہے ان میں سے عتبہ ہے' اور ولید بن مغیرہ ہے۔ علامہ ابو الحیان اندلسی نے بیان کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ نے بنو مخزوم سے کہا میں نے ابھی ابھی (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کلام سنا ہے جو کسی انسان کا کلام ہو سکتا ہے نہ جن کا' اس کلام میں شہد کی شیرینی ہے اور سمندروں کی روانی ہے' اس کی بلندی ثمر آور ہے اور اس کی گہرائی چشموں کا منبع ہے' یہ کلام سب کلاموں پر فائق اور غالب ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا' اس کے باوجود وہ نفسانیت اور حسد سے مغلوب ہوگیا اور یہ کہہ کر ایمان نہیں لایا:

(البحر المحیط ج ۱ ص ۱۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۳ھ)

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ؕ (المدثر: ۲۵-۲۴)

یہ وہی جادو ہے جو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے' یہ محض بشر ہی کا قول ہے۔

کمی اور زیادتی نہ ہوسکنے کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا

قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن کریم میں سے کسی لفظ کو کم کیا جاسکتا ہے نہ اس میں کسی لفظ کو زیادہ کیا جاسکتا ہے

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۹)

بے شک ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اس آیت میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کا محافظ ہے اس لئے اس میں کوئی سورت بلکہ کوئی آیت بلکہ کوئی لفظ بھی کم نہیں ہو سکتا۔ اس چیلنج کو چودہ صدیاں گزر گئیں اور اسلام کا کٹر سے کٹر مخالف بھی یہ ثابت نہیں کرسکا کہ قرآن مجید میں فلاں سورت یا فلاں آیت یا فلاں لفظ کم ہوگیا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ (حم السجدۃ: ۴۲-۴۱)

اور بے شک یہ قرآن بہت معزز کتاب ہے' باطل (غیر قرآن) اس میں سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں کسی لفظ کو بڑھایا نہیں جاسکتا اور چودہ سو سال گذر چکے ہیں اور کوئی بڑے سے بڑا منکر اسلام بھی یہ ثابت نہیں کرسکا کہ قرآن مجید کی فلاں آیت میں تحریف ہوگئی' اور پہلے قرآن مجید میں یہ لفظ نہیں تھا اور اس کو بعد میں ملایا گیا' اور قرآن مجید میں کسی لفظ کے کم نہ ہوسکنے اور زیادہ نہ ہوسکنے کے ان دونوں دعووں کی صداقت قرآن مجید کی حقانیت کی دلیل ہے اور یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے۔

پیش گوئیوں کے اعتبار سے قرآن مجید کا معجز ہونا

marfat.com
Marfat.com

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ (البقرہ: ۹۵-۹۷)

آپ کہیے اگر اللہ کے نزدیک دار آخرت' لوگوں کے سوا صرف تمہارے لئے مخصوص ہے' تو اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو' اور جو کام وہ پہلے کر چکے ہیں ان کی وجہ سے وہ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے۔

اس آیت میں قرآن نے پیش گوئی فرمائی ہے کہ یہودی ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے' "یہودی قرآن کے منکر اور مخالف تھے۔ ان کو چاہئے تھا کہ وہ اسلام اور قرآن کی تکذیب کے لئے موت کی تمنا کرتے' لیکن وہ موت کی تمنا نہ کرسکے اور قرآن مجید کا صدق ظاہر ہوگیا اور یہ قرآن مجید کا عظیم معجزہ ہے کہ قرآن نے مخالفین کے دلوں کے متعلق پیش گوئی کی اور وہ قرآن مجید کی پیش گوئی کے خلاف دل میں خیال تک نہ لاسکے!

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ (البقرہ: ۱۴۲)

اب یہ جاہل لوگ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلہ پر (پہلے) تھے اس سے ان کو کس نے پھیر دیا۔

اس آیت میں قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق یہ پیش گوئی کی ہے کہ وہ ضرور تحویل قبلہ پر اعتراض کریں گے' یہودی جو قرآن کے منکر اور مخالف تھے ان کو چاہئے تھا کہ وہ اس پر کوئی اعتراض نہ کرتے اور کہتے کہ دیکھو قرآن جھوٹا ہوگیا۔ قرآن نے کہا تھا کہ یہ تحویل قبلہ پر اعتراض کریں گے اور ہم نے کوئی اعتراض نہیں کیا لیکن ہوا وہی جس کی قرآن نے پیش گوئی کی تھی' قرآن مجید نے مخالفین کی زبانوں کے متعلق پیش گوئی کی کہ یہ فلاں بات کہیں گے اور انہوں نے وہی بات کہی اور قرآن مجید کا صدق ظاہر ہوگیا' اور یہ قرآن کریم کا عظیم معجزہ ہے کہ مخالفین کی زبانوں اور ان کے دلوں کے ذریعہ قرآن مجید کی تصدیق ہوئی۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ (المائدہ: ۴۳)

اور وہ آپ کو کیسے منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے۔

اس آیت میں حکم اللہ سے مراد رجم ہے' یعنی شادی شدہ زانی کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا کہ تورات میں یہ حکم موجود ہے' یہود آئے دن تورات میں تحریف کرتے رہتے ہیں' اگر وہ چاہتے یا چاہیں تو تورات سے رجم کا حکم نکال دیں' اور پھر کہیں کہ دیکھو قرآن نے کہا تھا کہ تورات میں رجم کا حکم ہے' حالانکہ اس میں یہ حکم نہیں ہے' کتنی صدیاں گذر گئیں تورات میں کتنی تبدیلی اور تحریف ہوئی اور کتنی آیتیں نکال دی گئیں لیکن رجم کی آیت تورات میں ہر دور میں موجود رہی اور یہ قرآن مجید کی صداقت کی زبردست دلیل ہے اور قرآن کریم کا عظیم معجزہ ہے۔

تورات کی حسب ذیل آیات میں رجم کا حکم موجود ہے:

پر اگر یہ بات سچی ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مرجائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان

marfat.com
Marfat.com

شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ پن کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔
(استثناء : باب ۲۲' آیت : ۲۱۔۲۰)

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگئی اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پاکر اس سے صحبت کرے' تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مرجائیں۔ لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔ (استثناء : باب ۲۲' آیت : ۲۴۔۲۳)

یوحنا کی انجیل میں بھی تورات کے حوالے سے رجم کا حکم موجود ہے: (یوحنا : باب ۸' آیت : ۵)

اللہ تعالیٰ نے فرعون کے متعلق فرمایا:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً (یونس:۹۲)

سو آج ہم تیرے (بے روح) جسم کو بچالیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے (عبرت) کا نشان ہو جائے۔

جب فرعون سمندر میں غرق ہوگیا تو چاہئے تھا کہ فطرت کے عادی نظام کے مطابق سمندر کی موجیں اسے دور کہیں بہا کر لے جاتیں اور سمندر کا کھارا پانی اس کے گوشت اور پوست کو گلا دیتا اور سمندری جانور اس کو کھا لیتے' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم کو باقی رکھا تاکہ دنیا دیکھ لے کہ خدائی کے دعوے دار کا کیا انجام ہے' سو سمندری موجوں نے اس کے بے جان جسم کو ایک ٹیلہ پر پھینک دیا' یہ جگہ آج بھی جبل فرعون کے نام سے مشہور ہے' اس کی لاش کو دیکھ کر بنو اسرائیل کو بھی اس کی موت کا یقین ہوگیا اور بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے بھی اس میں اللہ کی قدرت پر دلیل ہے کیونکہ مصر کے عجائب گھر میں اس کی لاش آج بھی محفوظ ہے اور ماہرین آثار قدیمہ کی تحقیق ہے کہ یہی وہ فرعون (رعمیسس ثانی یا منفتاح دوم) ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ ہوا تھا۔ ہرچند کہ قرآن مجید نے یہ نہیں کہا کہ قیامت تک کے لوگوں کے لیے اس کا جسم باقی اور محفوظ رہے گا اور بہ طور نشان عبرت قائم رہے گا لیکن قرآن مجید نے یہ کہا ہے کہ وہ فرعون کے (بے جان) جسم کو بعد والوں کے لیے عبرت کا نشان بنادے گا۔ یہ فرعون ۱۲۶۳ قبل مسیح میں غرق ہوا (اردو دائرۃ المعارف ج ۱۵ ص ۲۷۵) اور یہ ۱۹۹۶ء ہے اور اس کی موت کو اب تین ہزار دو سو انسٹھ سال گزر چکے ہیں اور اس کا جسم اب بھی مصر کے عجائب خانہ میں موجود ہے اور دیکھنے والوں کے لیے یہ اب بھی عبرت کا نشان ہے۔ مصر پر غیر مسلموں کی حکومت بھی رہی اور بہ ظاہر ان کے لیے یہ ممکن تھا کہ وہ فرعون کی لاش کو تباہ و برباد اور نیست و نابود کر دیتے لیکن یہ قرآن کریم کا عظیم معجزہ ہے کہ اس نے مخالفین اسلام اور دشمنان قرآن کے ہاتھوں بھی فرعون کی لاش کی حفاظت کرائی اور قرآن مجید کی پیش گوئی کے مطابق وہ آج بھی بعد والی نسلوں کے لیے عبرت بنا ہوا ہے۔

حقائق کائنات کی خبر دینے کے اعتبار سے قرآن کا معجز ہونا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (الانبیاء:۳۳)

اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا' (سورج اور چاند) ہر ایک (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہا ہے۔

نیز فرمایا:

marfat.com
Marfat.com

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى (الرعد: ۲، الفاطر: ۱۳)

اور اس (اللہ تعالیٰ) نے سورج اور چاند کو ایک نظام کا پابند کیا اور (ان میں سے) ہر ایک مقرر میعاد تک چل رہا ہے۔

اور فرمایا:

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَا أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ (یٰس: ۳۸-۴۰)

اور سورج اپنے مقرر راستے پر چلتا رہتا ہے' یہ زبردست علیم ذات کا مقرر کیا ہوا نظام ہے' اور ہم نے چاند کی بھی منزلیں مقرر کر دی ہیں حتیٰ کہ وہ ان سے گزرتا ہوا کھجور کی پرانی شاخ کی مانند رہ جاتا ہے' نہ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے۔ ہر ایک (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں۔

قدیم فلسفیوں کا یہ نظریہ تھا کہ زمین ساکن ہے اور چاند اور سورج اور دیگر کواکب سیارہ حرکت کر رہے ہیں' اس کے بعد سائنس دانوں نے یہ کہا کہ زمین متحرک ہے اور چاند سورج وغیرہ ستارے ساکن ہیں۔ مجھے یاد ہے آج سے چالیس سال پہلے میں نے ایک سائنس کے طالب علم سے کہا قرآن میں ہے کہ سورج اور چاند متحرک ہیں تو اس نے کہا یہ غلط ہے' سورج اور چاند ساکن ہیں۔ میرا اس وقت بھی یہی ایمان تھا کہ صحیح وہی ہے جو قرآن نے کہا ہے اور اب سائنس دانوں نے آلات رصدیہ سے مشاہدہ کرکے یہ تحقیق کرلی ہے کہ زمین بھی متحرک ہے اور چاند اور سورج بھی متحرک ہیں۔ جس حقیقت کو سائنس دانوں نے برسہابرس کے مشاہدات' تجربوں اور تحقیق سے پایا اب سے چودہ سو سال پہلے ایک امی نبی نے بغیر کسی رصد گاہ کے یہ بتایا کہ سورج اور چاند دونوں حرکت کر رہے ہیں اور ہر سیارہ اپنے مدار میں تیر رہا ہے' زمین کا جو حصہ سورج کے سامنے آجاتا ہے وہاں دن ہوتا ہے اور جو حصہ اس سے چھپا رہتا ہے وہاں رات ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا چودہ سو سال بعد سائنس نے اس کی تصدیق کر دی ہے' کیا یہ اس بات کی واضح دلیل نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو کچھ فرمایا تھا یہ کسی انسان کا کلام نہیں تھا بلکہ وحی الٰہی تھی اور یہ قرآن کریم کا عظیم معجزہ ہے کہ جو کچھ قرآن نے کہا تھا چودہ سو سال بعد علم اور سائنس نے اس کی حرف بہ حرف تصدیق کر دی۔

نیز قرآن مجید نے فرمایا:

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ (الزمر: ۶)

وہ تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تین تاریکیوں میں تم کو پیدا کرتا ہے' ایک پیدائش کے بعد دوسری پیدائش۔

جس وقت علم تشریح الاعضاء کی ابتداء نہیں ہوئی تھی اس وقت قرآن مجید نے یہ بتایا تھا کہ رحم کے اندر تین تاریکیوں میں انسان کی تخلیق ہوتی ہے اور جدید میڈیکل سائنس نے اب انکشاف کیا ہے کہ رحم کے اندر تین پردوں میں انسان کی تخلیق ہوتی ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ۝ (الرحمٰن: ۱۹-۲۰)

اس نے (تلخ اور شیریں) دو سمندر رواں کر دیئے' جو ایک دوسرے سے (بہ ظاہر) ملے ہوئے ہیں' ان کے درمیان ایک حجاب ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔

حاتم وہالا نے لکھا ہے کہ فرانسیسی سائنس دان کوسیٹو (COSTEAU) جو سمندری تحقیقات میں عالمی شہرت

marfat.com
Marfat.com

رکھتے ہیں' نے یہ دریافت کیا کہ بحیرہ روم اور بحر اوقیانوس 'کیمیاوی اور حیاتیات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں' اور ان کے ملنے کے مقام پر بھی یہ ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے' اور جبل الطارق (جبرالٹر) کی باڑھ دونوں کو الگ کرتی ہے' اس تحقیق کے بعد جب کوسیٹو کو ان قرآنی آیات کا علم ہوا تو وہ قرآن مجید کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے مسلمان ہو گیا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

قرآن کریم کا معجز ہونا دس اعتبار سے ہے :

(۱) قرآن مجید ایسی حسین نظم اور عبارت میں نازل ہوا ہے جو بالکل منفرد ہے' اس سے پہلے زبان عرب میں اس کی کوئی مثال تھی نہ کسی اور زبان میں' کیونکہ اس سے پہلے اصناف کلام میں' یا شعر تھا' یا کہانت (جنوں کا کلام) تھی یا سحر تھا' صحیح مسلم میں ہے' حضرت ابوذر کے بھائی حضرت انیس نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا مکہ میں میری ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو تمہارے دین پر ہے' ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کو اللہ نے رسول بنایا ہے' میں نے پوچھا کہ لوگ ان کو کیا کہتے ہیں' اس نے کہا لوگ ان کو شاعر' کاہن اور ساحر کہتے ہیں' حضرت انیس خود شاعر تھے انہوں نے کہا بہ خدا میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے یہ کاہنوں کا قول نہیں ہے' اور میں نے اس کلام کا شعر کی تمام اصناف اور اقسام سے تقابل کر کے دیکھا' یہ شعر نہیں ہے' بہ خدا وہ سچے ہیں اور لوگ جھوٹے ہیں۔ اسی طرح جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات پڑھیں :

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝
(حٰم السّجدة : ۴-۱)

حم یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ کلام ہے' جو نہایت رحم کرنے والا اور بے حد رحیم ہے' یہ کتاب ہے جس کی آیتیں وضاحت سے بیان کی گئی ہیں' در آں حالیکہ یہ عربی قرآن (عربی میں پڑھا جاتا ہے) علم والے لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والا ہے اور ڈرانے والا ہے' سو اکثر لوگوں نے (اس سے) منہ پھیر لیا تو وہ نہیں سنتے۔

تو عتبہ بن ربیعہ نے ان آیات کو سن کر کہا کہ یہ جادو ہے نہ شعر ہے اور اس نے کہا اس نے فصاحت اور بلاغت میں قرآن کی طرح کوئی اور کلام نہیں سنا' اور اس نے قرآن مجید کے معجز ہونے کا اقرار کر لیا۔

(۲) قرآن مجید کا اسلوب کلام عرب کے تمام اسالیب سے مختلف ہے۔

(۳) قرآن مجید کے خطاب میں ایسی جلالت اور عظمت ہے جو کسی اور خطاب میں متصور نہیں ہے' جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے :

قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِيْدٌ ۝
(ق : ۳-۱)

ق' قرآن مجید کی قسم' بلکہ ان کو اس پر تعجب ہوا کہ انہی میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا تو کافروں نے کہا یہ عجیب بات ہے۔ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو کیا دوبارہ زندہ ہوں گے؟) یہ لوٹنا تو فہم سے بعید ہے۔

نیز فرمایا :

marfat.com
Marfat.com

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن : ۱۶) آج کس کی بادشاہی ہے؟ صرف اللہ کی ہے جو واحد ہے' سب پر غالب ہے۔

ابن الحصاء نے کہا یہ حسین نظم' منفرد اسلوب اور جلالت خطاب' ہر سورت بلکہ ہر آیت میں لازم ہیں اور ان تین اوصاف سے قرآن مجید کی ہر سورت تمام انسانوں کے کلام سے متمیز ہے اور انہی اوصاف کے ساتھ قرآن مجید کی نظیر لانے کا چیلنج کیا گیا ہے اور ہر سورت میں یہ تین اوصاف الگ الگ اطوار سے بیان کئے گئے ہیں۔ سورہ کوثر قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورت ہے اس میں بھی یہ تینوں امور بہ طریق اتم موجود ہیں اور اس میں غیب کی خبریں بھی ہیں' ایک خبر یہ ہے کہ آپ کو کوثر دی جائے گی اور یہ اس کو مستلزم ہے کہ آپ کے پیروکار دنیا میں تمام رسولوں کے پیروکاروں سے زیادہ ہوں گے اور فی الواقع ایسا ہی ہوا' دوسری ولید بن مغیرہ کے متعلق یہ پیش گوئی ہے کہ وہ مقطوع النسل ہو گا' حالانکہ اس آیت کے نزول سے پہلے وہ بہت مالدار اور کثیرالاولاد تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے مال اور اولاد کو ہلاک کر دیا اور اس کی نسل منقطع کر دی۔

(۴) قرآن مجید میں عربی زبان کے مطابق ایسا تصرف ہے کہ ہر کلمہ اور حرف اپنی جگہ پر صحیح ہے اور کسی کلمہ اور حرف کو اس کی جگہ سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے اور بعثت سے پہلے آپ نے کوئی کتاب پڑھی تھی اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھا تھا' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے واقعات بیان کئے اور گذشتہ اقوام کے واقعات پڑھے اور اہل کتاب کے سوالات کے جوابات دیئے' انہوں نے بہ طور چیلنج کے آپ سے اصحاب کہف' حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا ماجرا اور ذوالقرنین کا حال پوچھا اور آپ نے ان کا صحیح صحیح واقعہ بیان کر دیا' حالانکہ آپ ایک ان پڑھ قوم سے مبعوث ہوئے تھے' اور خود امی تھے کسی مکتب میں گئے تھے نہ کسی استاذ سے پڑھا تھا نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا تھا' اس لیے آپ کا یہ دعویٰ سچا ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

(۶) قرآن مجید کے وعدوں کا سچا اور پورا ہونا' اللہ تعالیٰ نے جتنے وعدے کیے ہیں ان سب کا پورا ہونا مشاہدہ میں آ چکا ہے' مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار آپ کو بے وطن کریں گے اور اللہ آپ کی مدد فرمائے گا' اور جو وعدے کسی شرط کے ساتھ معلق کئے گئے وہ اس شرط پر پورے ہوئے مثلاً :

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط (الطلاق : ۳) اور جو اللہ پر توکل کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا لا (الطلاق : ۲) اور جو اللہ سے ڈرے' اللہ اس کے لیے نجات کا راستہ بنا دے گا۔

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ (الانفال : ۶۵) اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب ہو جائیں گے۔

(۷) قرآن کریم نے مستقبل کے واقعات کے متعلق ایسی خبریں دی ہیں جن کو وحی کے سوا جاننے کا اور کوئی ذریعہ نہیں

marfat.com
Marfat.com

ہے' مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ (الفتح : ۲۸)

وہ (اللہ) ہی ہے' جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ نبی ﷺ کا دین تمام دینوں پر غالب آجائے گا' اور فی الواقع ایسا ہو گیا' حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جب کسی کافر قوم پر حملہ کرتے تو مسلمان لشکر کو یہ باور کرا دیتے کہ انہی کو غلبہ حاصل ہو گا' حتی کہ وہ پے در پے فتوحات کرتے رہے اور شرق و غرب اور بحر و بر میں اسلام پھیل گیا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ۙ (الفتح : ۲۷)

بے شک اللہ نے اپنے رسول کو حق کے ساتھ سچا خواب دکھایا کہ اللہ کے چاہنے سے تم ضرور بہ ضرور مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہو گے۔

اور آٹھ ہجری کو فتح مکہ کے دن ایسا ہو گیا۔

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ﴿۲﴾ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۙ﴿۳﴾ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ؕ (الروم : ۴-۱)

الم ○ اہل روم (فارس سے) قریب کی زمین میں شکست کھا گئے اور وہ اپنی شکست کے بعد عنقریب چند سالوں میں فتح یاب ہوں گے۔

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اہل فارس بہت طاقتور اور رومی ان کے مقابلہ میں بہت کمزور تھے اور اس وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ رومی ایرانیوں کو شکست دیں گے' لیکن چند سال بعد وہی ہوا جس کی قرآن نے پیش گوئی کی تھی۔

وَاِذْ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّهَا لَكُمْ (الانفال : ۷)

اور جب اللہ نے تم سے وعدہ فرمایا کہ دو گروہوں میں سے ایک گروہ یقیناً تمہارے لیے ہے۔

ایک گروہ کفار کا تجارتی قافلہ تھا جس پر قبضہ سے مسلمانوں کو مال و دولت کی فراوانی حاصل ہوتی' اور دوسرا گروہ کفار کا لشکر تھا جس پر فتح حاصل کرنے سے مسلمانوں کی ہیبت کفار پر چھا جاتی' رسول اللہ ﷺ کے رجحان کے پیش نظر مسلمانوں نے لشکر کفار سے مقابلہ کا فیصلہ کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق ان کو فتح عطا فرمائی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ (النور : ۵۵)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے' ان سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور بہ ضرور خلافت دے گا' جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے ایمان اور اعمال صالحہ کی اعلیٰ روایات قائم کیں اور اللہ تعالیٰ نے خلفاء راشدین کی خلافت کو روئے زمین پر عرصہ دراز تک قائم رکھا اور جب تک مسلمان اسلام پر کاربند رہے اور تبلیغ اسلام میں سرگرم رہے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکومت عطا کی اور زمانہ میں سرخ رو رکھا۔ (برصغیر میں مسلمانوں کی طویل غلامی کا باعث یہ تھا کہ وہ جذبہ جہاد سے عاری ہو چکے تھے' اور اپنی حکمرانی کے طویل دور میں تبلیغ اسلام کو چھوڑ بیٹھے تھے)

marfat.com
Marfat.com

(۸) قرآن مجید میں حلال اور حرام اور دیگر احکام شرعیہ کا بیان ہے جو نوع انسانی کے لیے مکمل دستور حیات ہے۔

(۹) قرآن مجید میں ایسی بلیغ حکمتیں بیان کی گئیں ہیں جو عادۃً ایک انسان نہیں بیان کر سکتا۔

(۱۰) قرآن مجید میں تناسب اور یکسانیت ہے اور اس میں ظاہراً اور باطناً کوئی اختلاف نہیں ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النّساء : ۸۲)

اور اگر قرآن اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا تو وہ ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔(۱)

قرآن مجید میں تناسب دو اعتبار سے ہے ایک تو یہ ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیات فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے معجز ہیں' اور کوئی ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جو فصاحت اور بلاغت میں درجہ اعجاز سے کم ہو' اس کے برعکس انسان کے کلام میں عادۃً یکسانیت نہیں ہوتی' بعض جملے اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں اور بعض سرسری ہوتے ہیں' بعض کتابوں میں شروع شروع میں تو بہت تحقیق ہوتی ہے اور بعد میں محض بھرتی ہوتی ہے' اسی طرح شروحات میں ابتداء میں تو بہت تفصیل کی جاتی ہے اور بعد میں صرف برائے نام شرح ہوتی ہے' اور اول تا آخر پوری کتاب میں ایک معیار کو قائم رکھنا یہ انسان کے بس میں نہیں ہے یہ صرف اسی قادر و قیوم کے کلام کا اعجاز ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان نسیان اور خطاء کا پتلا ہے وہ ایک جگہ کچھ لکھتا ہے اور دوسری جگہ کچھ اور لکھ دیتا ہے جو اس کے خلاف ہوتا ہے' اس لیے تناقض اور اختلاف سے مبرا ہونا یہ اللہ رب العزت ہی کے کلام کو زیبا ہے اور اسی کے کلام کا خاصہ ہے۔

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب (قرآن مجید) کے سوا ہر کتاب کی عصمت کا انکار فرماتا ہے۔ (درمختار علی ھامش ردالمحتار ج ۱ ص ۲۵' مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز کے سوا کسی کتاب کے لیے عصمت کو مقرر نہیں کیا یا کسی اور کتاب کی عصمت پر راضی نہیں ہے' یہ صرف اسی کی کتاب کی شان ہے جس کے حق میں فرمایا :

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ (حٰمٓ السّجدة : ۴۲)

اس کتاب میں باطل سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے

سو قرآن مجید کے علاوہ دوسری کتابوں میں خطائیں اور لغزشیں واقع ہوتی ہیں' کیونکہ وہ انسان کی تصنیفات ہیں اور خطا اور لغزش انسان کی سرشت ہے۔

علامہ عبدالعزیز بخاری نے اصول بزدوی کی شرح میں لکھا ہے کہ بویطی نے امام شافعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ امام شافعی نے کہا میں نے اس کتاب کو تصنیف کیا ہے' میں نے اس میں صحت اور صواب کو ترک نہیں کیا لیکن اس میں ضرور کوئی نہ کوئی بات اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہوگی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

---

(۱) علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ' الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۷۵-۷۳' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ

marfat.com
Marfat.com

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء : ۸۲) اور اگر قرآن اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا تو لوگ اس میں ضرور بہت اختلاف پاتے۔

لہٰذا تم کو اس کتاب میں جو بات کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف ملے اس کو چھوڑ دو' کیونکہ میں کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کرنے والا ہوں۔ مزنی بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کی کتاب "الرسالۃ" ان کے سامنے اسی مرتبہ پڑھی' اور ہر مرتبہ امام شافعی اس میں کسی خطاء پر مطلع ہوئے' بالآخر امام شافعی نے فرمایا : اب تصحیح کو چھوڑ دو' اللہ تعالیٰ اس بات سے انکار فرماتا ہے کہ اس کی کتاب کے سوا اور کوئی کتاب صحیح ہو۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۳۹' مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول' ۱۳۲۷ھ)

نسخ کی تحقیق :

علوم قرآن میں نسخ بھی ایک اہم اور معرکۃ الآراء موضوع ہے ہم اس سلسلہ میں پہلے نسخ کا لغوی اور شرعی معنی بیان کریں گے پھر نسخ میں مذاہب اسلامیہ اور بعض متجددین کے نظریات کا ذکر کریں گے' اس کے بعد نسخ القرآن بالقرآن' نسخ القرآن بالسنۃ' نسخ السنۃ بالقرآن اور نسخ السنۃ بالسنۃ کا تفصیل سے ذکر کریں گے اور مثالوں اور شواہد سے ان چاروں قسموں کی وضاحت کریں گے۔ اور اس سلسلہ میں اہل حق کے نظریہ پر دلائل پیش کریں گے اور مخالفین کے شبہات کا ازالہ کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق۔

نسخ کا لغوی معنی :

علامہ مجدالدین فیروز آبادی لکھتے ہیں :

نسخ کا معنی ہے کسی چیز کو زائل اور مغیر کرنا' کسی چیز کو باطل کرکے دوسری چیز کو اس کا قائم مقام کرنا۔

(قاموس ج ۱ ص ۵۳۳ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں :

عرب کہتے ہیں نسخت الشمس الظل سورج نے سائے کو منسوخ کردیا' یعنی سائے کو زائل کردیا' سائے کو لے گیا' ایک آیت نے دوسری آیت کو منسوخ کردیا' یعنی اس کے حکم کو زائل کردیا اور نسخ کا معنی ہے ایک چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کردیا' لیث نے کہا نسخ کی تعریف یہ ہے کہ جس چیز پر پہلے عمل کیا جاتا تھا اس کو زائل کردیا جائے اور کسی نئے کام پر عمل کیا جائے' فراء نے کہا نسخ یہ ہے کہ پہلے ایک آیت پر عمل کیا جائے' پھر دوسری آیت نازل ہو تو اس پر عمل کیا جائے اور پہلی آیت پر عمل کو ترک کردیا جائے اور ابن الاعرابی نے کہا نسخ یہ ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز سے تبدیل کردیا جائے۔ (تاج العروس ج ۲ ص ۲۸۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نسخ کا شرعی معنی :

امام رازی لکھتے ہیں :

ناسخ وہ دلیل شرعی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ناسخ سے پہلے جو حکم کسی دلیل شرعی سے ثابت تھا وہ حکم اب نہیں ہے اور نسخ کی یہ دلیل پہلے حکم کی دلیل سے متاخر ہوتی ہے اور اگر یہ ناسخ نہ ہوتا تو وہی حکم ثابت رہتا

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۳۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

marfat.com
Marfat.com

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں :

نسخ یہ ہے کہ ایک دلیل شرعی کے بعد ایک اور دلیل شرعی آئے جو پہلی دلیل شرعی کے حکم کے خلاف کو واجب کرے۔ (توضیح تلویح ج ۲ ص ۳۱، مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبریٰ، مصر)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں :

صاحب شرع کے حق میں کسی حکم شرعی کی انتہاء کو بیان کرنا نسخ ہے، اس حکم کی انتہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک معلوم ہوتی ہے، مگر ہمارے علم میں اس حکم کا دوام اور استمرار ہوتا ہے اور ناسخ سے ہمیں اس حکم کی انتہا معلوم ہوتی ہے، اس لیے ہمارے حق میں نسخ تبدیل اور تغییر سے عبارت ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۱۰۶، مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ، ۱۳۰۶ھ)

علامہ محمد عبد العظیم زرقانی لکھتے ہیں :

کسی حکم شرعی کو دلیل شرعی سے ساقط کر دینا نسخ ہے۔ (مناھل العرفان، ج ۲ ص ۱۰۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نسخ میں مذاہب :

امام رازی لکھتے ہیں :

ہمارے نزدیک نسخ عقلاً جائز ہے اور دلائل سمعیہ سے نسخ ثابت اور واقع ہے، اس میں یہود کا اختلاف ہے، بعض یہود نے نسخ کا عقلاً انکار کیا اور بعض یہود نے نسخ کو عقلاً جائز کہا اور سمعاً انکار کیا، بعض مسلمانوں سے بھی نسخ کا انکار منقول ہے، جمہور مسلمین نے نسخ کے جواز اور وقوع پر اس سے استدلال کیا ہے کہ دلائل سے حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت ثابت ہے اور جب تک یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ آپ سے پہلے کی تمام شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں اس وقت تک آپ کی نبوت اور شریعت ثابت نہیں ہوگی اس لیے قطعی طور پر نسخ واقع ہے۔

یہود کے خلاف نسخ پر حجت یہ ہے کہ تورات میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی ذریت کے لیے تمام جانور حلال کر دیئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل پر بہت سے جانور حرام کر دیئے، دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بہن کا بھائی سے نکاح کر دیتے تھے اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں اس کو حرام کر دیا گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۳۴۔۴۳۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ)

علامہ محمد عبد العظیم زرقانی لکھتے ہیں :

نصاریٰ نے بھی نسخ کا انکار کیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے کہا : آسمان اور زمین زائل ہو جائیں گے اور میرا کلام زائل نہیں ہوگا، اس کا اولاً جواب یہ ہے کہ جو کتاب ان کے ہاتھوں میں ہے ہم اس کو وہ انجیل تسلیم نہیں کرتے جو حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی تھی، کیونکہ اس میں تاریخی واقعات ہیں جن کو بعض عیسائیوں نے وضع کیا ہے جس میں حضرت مسیح کی ولادت، ان کی نشوونما، ان کی دعوت، ان کے سفر، ان کے معجزات اور ان کے وعظ اور مناظرات کا ذکر ہے، اور اس میں ان کے صلیب پر چڑھائے جانے کا بیان ہے اور ان واقعات کے راویوں کی کوئی سند نہیں ہے اور نہ ان کے ضبط اور اتصال کا بیان ہے۔

اور بر تقدیر تسلیم حضرت مسیح علیہ السلام کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ان کی نبوت منسوخ نہیں ہوگی نہ کہ ان کی شریعت، اور متی کی انجیل میں حضرت مسیح کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا : "امتوں کے

marfat.com
Marfat.com

راستوں پر نہ جاؤ اور سامریوں کے شہر میں نہ داخل ہو' اور عرفس کی انجیل میں مذکور ہے۔ "تمام عالم میں جاؤ۔" اور قول ثانی قول اول کا ناسخ ہے۔ (مناھل العرفان ج ۲ ص ۱۰۱۔۱۰۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیز علامہ زرقانی لکھتے ہیں :

اہل اسلام میں سے ابو مسلم نے نسخ کا انکار کیا ہے اور ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے :

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ط تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (حٰمٓ السجدۃ : ۴۲)

اس کے پاس باطل نہیں آ سکتا' اس کے سامنے سے نہ اس کے پیچھے سے یہ حکمت والے حمد کئے ہوئے (رب) کی طرف سے اتاری ہوئی (کتاب) ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس حکم کو منسوخ فرمایا ہے وہ باطل نہیں ہے بلکہ جس زمانہ میں وہ حکم مشروع تھا اس زمانہ کے اعتبار سے وہی حکم برحق تھا' اور اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ قرآن مجید میں باطل چیز نہیں آ سکتی۔ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قرآن مجید کے بیان کردہ عقائد عقل کے موافق ہیں اور اس کے احکام حکمتوں پر مبنی ہیں اور اس کی دی ہوئی خبریں واقع کے مطابق ہیں اور اس کے الفاظ تغیر اور تبدیل سے محفوظ ہیں اور اس میں کسی وجہ سے بھی خطاء کا در آنا ممکن نہیں ہے۔ (مناھل العرفان' ج ۲ ص ۱۰۴۔۱۰۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نسخ کے متعلق پرویز صاحب کے نظریہ کا علمی جائزہ

غلام احمد پرویز صاحب کے نزدیک پچھلی شریعتیں منسوخ ہو گئی ہیں اور قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے اور قرآن مجید میں جہاں نسخ کا ذکر ہے اس سے مراد شرائع سابقہ کا منسوخ ہونا ہے اور قرآن مجید میں نسخ کی نفی پر انہوں نے یہ دلیل قائم کی ہے :

اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ خدا نے قرآن کریم میں کسی بات کا حکم دیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اس نے سوچا کہ اس حکم کو منسوخ کر دینا چاہئے۔ چنانچہ اس نے ایک اور آیت نازل کر دی جس سے وہ پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ حکم اس سے پہلے حکم سے بہتر ہوتا تھا۔ واضح رہے کہ اس نئی آیت میں یہ کہیں نہیں بتایا جاتا تھا کہ اس سے فلاں آیت کو منسوخ سمجھا جائے۔ اس لئے قرآن کریم میں منسوخ آیات بھی اسی طرح سے موجود ہیں اور ناسخ آیات بھی۔ اللہ نے ان کے متعلق کہیں نہیں بتایا کہ فلاں آیت منسوخ ہے فلاں آیت سے۔ یہ تعین بعد میں روایات کی رو سے یا مفسرین کے اپنے خیالات کی رو سے کیا گیا۔ چنانچہ ان آیات کی تعداد ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہی۔ حتی کہ شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک ان کی تعداد صرف پانچ ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں :

اس عقیدہ کی رو سے اب دیکھئے کہ خدا' قرآن کریم اور رسول اللہ کے متعلق کس قسم کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ خدا کا تصور اس قسم کا ہے کہ وہ آج ایک حکم صادر کرتا ہے لیکن بعد کے حالات بتا دیتے ہیں کہ وہ حکم ٹھیک نہیں تھا اس لئے وہ قرآن کریم کے اس حکم کو منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم دے دیتا ہے۔

(لغات القرآن ص ۲۰۸' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام' ۱۹۸۴ء)

قائلین نسخ کے نزدیک نسخ کی یہ تعبیر ہرگز نہیں ہے جو پرویز صاحب نے بیان کی ہے بلکہ نسخ کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ

marfat.com
Marfat.com

تعالیٰ نے جن حالات میں جو حکم پہلے دیا تھا ان حالات میں وہی حکم برحق اور صحیح تھا اور جب حالات بدل گئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم بدل دیا اور بعد کے حالات میں وہی حکم صحیح اور برحق ہے' اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ابتداء میں کفار کی زیادتیوں کے خلاف عفو و درگزر کا حکم دیا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کی اتنی جمعیت نہیں تھی کہ وہ کفار سے ایک بڑی جنگ کا خطرہ مول لیتے اس لیے فرمایا :

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (البقرہ : ۱۰۹) تو انہیں معاف کر دو اور درگزر کرو' حتی کہ اللہ تعالیٰ اپنا کوئی (اور) حکم لے آئے۔

اور جب مسلمانوں کی جمعیت قوی ہو گئی تو یہ ارشاد فرمایا :

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ (التوبہ : ۵) تم جہاں کہیں بھی مشرکین کو پاؤ تو ان کو قتل کر دو' اور ان کا محاصرہ کر لو' اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو۔

نیز ۹ھ میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو بیت اللہ میں داخل ہونے سے منع فرما دیا' اس کا صریح مفاد یہ ہے کہ ۹ھ سے پہلے مشرکین کو بیت اللہ میں داخل ہونے اور طواف کرنے کی اجازت تھی اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد یہ اجازت منسوخ کر دی گئی وہ آیت یہ ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا (التوبہ : ۲۸) اے ایمان والو تمام مشرکین محض ناپاک ہیں تو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔

نیز پرویز صاحب نے سابقہ شریعتوں کے منسوخ ہونے کو جائز کہا ہے تو کیا ان کے طور پر معاذ اللہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک شریعت کو نازل کیا پھر سوچا کہ معاذ اللہ یہ شریعت ٹھیک نہیں ہے تو دوسری شریعت کو نازل کر دیا اور جس دلیل سے یہ نسخ جائز ہے اسی دلیل سے اسلام کے بعض احکام کا منسوخ ہونا بھی جائز ہے۔

پرویز صاحب سابقہ شریعتوں کے منسوخ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

دوسری بات یہ ہے کہ انسانیت کے تقاضے اور اس کی ذہنی سطح بھی اپنے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی اور اوپر کو اٹھتی چلی آ رہی ہے۔ اس لئے ہر قوم کو اس کے حالات اور ارتقائی سطح کے مطابق ہی احکام دیئے جاتے تھے۔ ان کی سطح سے بلند احکام و قوانین روک لئے جاتے تھے۔ تا آنکہ ان کے بعد دوسری قوم آتی جو ارتقائی منزل میں ان سے آگے ہوتی۔ تو وہ "روکے ہوئے" احکام و قوانین اس وقت نازل کر دیئے جاتے۔ تنزیل وحی میں یہ اصول بھی کار فرما رہا ہے۔

(لغات القرآن ص ۲۶۰۹' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام' ۱۹۸۴ء)

یہی بات اسلام کے بعض احکام کے نسخ کے متعلق کہی جا سکتی ہے اور اس کی واضح مثال یہ ہے کہ پہلے شراب نوشی سے منع نہیں کیا گیا نہ جوئے کو حرام کیا گیا۔ مکی زندگی کے پورے دور اور مدینہ منورہ کے ابتدائی دور میں شراب اور جوا مباح رہے بعد میں جب مسلمانوں کے دل و دماغ میں اسلام پوری طرح رچ بس گیا تو شراب اور جوئے کو مکمل اور قطعی طور پر حرام کر دیا گیا' حرمت شراب کے متعلق ان آیات کو غور سے پڑھا جائے :

Marfat.com

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (البقرہ : ۲۱۹)

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے' اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑا ہے۔

اس آیت سے بھی شراب اور جوئے کی ایک گونہ اباحت کا پہلو نکلتا ہے!

نیز فرمایا :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء : ۴۳)

اے ایمان والو نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ' یہاں تک کہ تم اس چیز کو سمجھنے لگو جس کو تم کہتے ہو۔

اس آیت سے بھی یہ مفہوم نکلتا ہے کہ حالت نماز کے علاوہ دیگر احوال میں شراب نوشی سے منع نہیں کیا گیا ہے اور غیر اوقات نماز میں شراب نوشی کی اباحت ہے اور سورہ مائدہ کی مذکور ذیل آیت سے اس اباحت کو کلی اور قطعی طور پر منسوخ کر دیا گیا :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (المائدہ : ۹۰)

اے ایمان والو! شراب' جوا' بت اور جوئے کے تیر (سب) محض ناپاک ہیں' شیطانی کاموں میں سے ہیں' سو تم ان سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

جس قوم کو اسلام کا پیغام پہنچایا گیا تھا وہ جوئے اور شراب کی رسیا تھی اور یک لخت ان پر شراب کو حرام کرنا حکمت کے خلاف تھا اس لیے بہ تدریج ان پر شراب کی خرابیاں واضح کی گئیں اور شراب نوشی کے سلسلہ میں ان پر مختلف النوع پابندیاں عائد کی گئیں اور جب ان کے دلوں میں اسلام کی جڑیں راسخ ہو گئیں اور وہ اسلام کے حکم کے مقابلہ میں ہر مرغوب طبعی کو ترک کرنے پر تیار ہو گئے تو شراب نوشی کی سابقہ اباحت کو منسوخ کر کے شراب کو قطعی طور پر حرام کر دیا گیا۔

اسی طرح زنا کار عورتوں کے لیے پہلے آسان سزا رکھی کہ ان کو گھروں میں قید کر دیا جائے اور بعد میں جب اسلام کی جڑیں لوگوں کے دل و دماغ میں راسخ ہو گئیں تو کنواری عورتوں کے لیے سو کوڑوں کی سزا مقرر فرمائی اور شادی شدہ عورتوں کے لیے رجم کی حد مقرر فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا (النساء : ۱۵)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کے خلاف اپنے چار مردوں کی گواہی طلب کرو' پھر اگر وہ ان کے خلاف گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں اس وقت تک مقید رکھو کہ انہیں موت آ جائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راہ پیدا فرما دے (کوئی اور حد مقرر فرما دے)

پھر زانی عورتوں کی اس سزا (گھروں میں تاحیات مقید رکھنا) کو منسوخ کر کے یہ حد مقرر فرمائی :

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور : ۲)

(کنواری) زانیہ عورت اور (کنوارے) زانی مرد' ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

Marfat.com

پرویز صاحب لکھتے ہیں :

جہاں تک قرآن کا تعلق ہے اس میں ایک لفظ بھی منسوخ نہیں۔ اس کا ہر حکم اپنی جگہ محکم و غیر متبدل ہے۔ البتہ ہر حکم خاص حالات کے ماتحت نفاذ پذیر ہوتا ہے۔ جب حالات بدل جائیں تو اس کی جگہ قرآن کا دوسرا حکم نافذ ہو جاتا ہے۔ مثلاً صلوۃ کے لیے وضو کرنے کا حکم ہے' لیکن اگر پانی نہ ملے یا انسان مریض ہو تو وضو کی جگہ تیمم کا حکم ہے۔ ان حالات میں وضو کا حکم پیچھے ہٹ جائے گا اور تیمم کا حکم آگے آجائے گا۔ جب پانی مل جائے گا (یا مرض جاتا رہے گا) تو پھر وضو کا حکم آگے آجائے گا اور تیمم کا حکم پیچھے چلا جائے گا۔ (لغات القرآن ص ۲۶۱۲' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام' ۱۹۸۴ء)

نسخ کا معنی بیان کرتے ہوئے پرویز صاحب لکھتے ہیں :

نسخ کے معنی ہیں ایک چیز کو مٹا دینا اور اس کی جگہ دوسری چیز کو لے آنا۔ دوسری چیز کو اس کے قائم مقام کر دینا (ابن فارس) نسخت الشمس الظل آفتاب نے سایہ کو ہٹا دیا اور اس کی جگہ روشنی لے آیا یا کسی چیز میں تبدیلی کر دینا۔ نسخت الریح اثار الدیار ہوا نے آبادی کے آثار (نشانات و علامات) کو تبدیل کر دیا۔ (لغات القرآن ص ۲۶۰۶' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام ۱۹۸۴ء)

پرویز صاحب قرآن کے الفاظ کا مفہوم احادیث اور آثار کے بجائے لغت سے متعین کرتے ہیں اور لغت میں نسخ کا معنی کسی چیز کو مٹا دینا اور اس کی جگہ دوسری چیز کو لے آنا ہے' کسی حکم کو بار بار آگے پیچھے کرنا نہیں ہے اور تیمم کے وقت وضو' منسوخ نہیں ہوتا بلکہ بدستور مشروع رہتا ہے' اسی طرح جس معاشرہ میں چوری اور زنا نہ ہو وہاں حدود مٹ نہیں گئیں بلکہ بدستور مشروع ہیں' اسی طرح جس شخص کے پاس مال نہ ہو یا جو مرتے وقت ترکہ نہ چھوڑے اس کے حق میں زکوۃ اور میراث بدستور مشروع ہیں مٹ نہیں گئے لیکن چونکہ ان لوگوں کے حق میں ان احکام شرعیہ کی فرضیت کی شرائط نہیں پائی گئیں اس لیے ان پر یہ احکام فرض نہیں ہوئے ایسا نہیں ہے کہ یہ احکام منسوخ یا معطل ہو گئے۔ اس کے برخلاف ہم نے مثالوں کے ذریعہ جو منسوخ احکام بیان کئے ہیں وہ کسی حال میں بھی مشروع نہیں ہو سکتے۔

نسخ کے وقوع پر قرآن مجید سے استدلال :

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا (البقرہ : ۱۰۶)

ہم جو آیت منسوخ کر دیتے ہیں یا اس کو بھلا دیتے ہیں' تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (النحل : ۱۰۱)

اور جب ہم ایک آیت کو بدل کر اس کی جگہ دوسری آیت لاتے ہیں' اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ نازل فرماتا ہے' تو کافر کہتے ہیں آپ یہ آیتیں خود بنا لیتے ہیں (یہ بات نہیں) بلکہ ان میں سے اکثر جاہل ہیں۔

ان دونوں آیتوں میں نسخ کے وقوع کی واضح اور روشن دلیل ہے' پرویز صاحب نے آیت کا معنی یہاں سابقہ شریعتیں اور حوادث کائنات کیا ہے اور یہ دونوں معنی لغت اور اسلوب قرآن کے خلاف ہیں اور باطل ہیں۔

تمام علماء سلف کا اس پر اجماع ہے کہ شریعت اسلامیہ میں نسخ واقع ہے اور قرآن مجید میں بعض ایسی آیات ہیں جن کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں ان کی تفصیل انشاء اللہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

marfat.com
Marfat.com

ثبوت نسخ کے ذرائع

علامہ سیوطی لکھتے ہیں :

نسخ کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کی صریح نقل (حدیث) سے کیا جائے گا' یا کسی صحابی کا قول اس طرح منقول ہو کہ فلاں آیت فلاں آیت سے منسوخ ہو گئی' اور کبھی نسخ کو استنباط سے معلوم کیا جائے گا جب دو آیتوں میں قطعی تعارض ہو اور کسی دلیل سے معلوم ہو جائے کہ ان میں سے ایک آیت متاخر ہے' نسخ کے متعلق عام مفسرین کے قول پر اعتماد نہیں کیا جائے گا اور نہ بغیر کسی نقل صریح کے مجتہدین کے اجتہاد پر عمل کیا جائے گا' کیونکہ نسخ میں کسی ایسے حکم کو اٹھا لینا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ثابت تھا اور اس کی جگہ کسی دوسرے حکم کو ثابت کرنا ہے اور اس میں نقل اور تاریخ پر اعتماد کیا جاتا ہے نہ کہ رائے اور اجتہاد پر' نسخ کے ثبوت میں علماء کا اختلاف ہے' بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ نسخ میں اخبار آحاد صحیحہ بھی معتبر نہیں ہیں اور بعض علماء اس میں تساہل کر کے یہ کہتے ہیں کہ مفسر یا مجتہد کے قول سے نسخ ثابت ہو جاتا ہے' اصل میں یہ دونوں قول افراط اور تفریط پر مبنی ہیں۔ (الاتقان ج ۲ ص ۲۴' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

مصنف کی تحقیق کے مطابق قرآن مجید کی آیات منسوخہ کا بیان

ہماری تحقیق کے مطابق قرآن مجید کی بارہ آیات کا حکم منسوخ ہے ان کے منسوخ ہونے پر دلائل انشاء اللہ ہم ان آیات کی تفسیر میں تفصیل سے بیان کریں گے' وہ آیات یہ ہیں :

(۱) كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (البقرہ : ۱۸۰)

جب تم میں سے کسی کو موت آئے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑے تو اس پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ اور قریبی رشتہ داروں کے لیے دستور کے موافق وصیت کرے یہ متقین پر حق ہے۔

اس آیت کا مفاد یہ ہے کہ والدین اور قرابت داروں کے لیے اس شخص پر وصیت کرنا فرض ہے جس کی موت کا وقت قریب آ پہنچا ہو' اور تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے البتہ اس کے ناسخ میں اختلاف ہے' بعض لوگوں نے کہا یہ آیت اس حدیث سے منسوخ ہے :

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے' اس لیے اب وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۴۰' مطبوعہ مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام دارمی نے اس حدیث کو عمر بن خارجہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۳۰۲' مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ یہ آیت اجماع سے منسوخ ہے' کیونکہ اس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ والدین اور قرابت داروں کے لیے وصیت کرنا واجب نہیں ہے۔

اور صحیح یہ ہے کہ یہ آیت مواریث کی آیات سے منسوخ ہے' کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے والدین اور قرابت داروں کے حصے خود متعین کر دیئے تو ان کے لیے وصیت کرنا جائز نہ رہا' عکرمہ اور حسن بصری کا بھی یہی مذہب ہے۔ (سنن دارمی ج ۲

marfat.com
Marfat.com

(۲) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (البقرہ : ۱۸۳)

اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح سے پہلے لوگوں پر روزہ فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ سونے کے بعد روزہ دار پر کھانا' پینا اور عمل زوجیت حرام ہو جس طرح پہلی امتوں پر سونے کے بعد یہ کام حرام ہو جاتے تھے کیونکہ اس آیت میں ہمارے روزوں کو پچھلی امتوں کے روزوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ پھر اس کے بعد امت مسلمہ کو سہولت دی گئی اور روزہ دار کے لیے رات میں کھانا پینا اور عمل زوجیت حلال کر دیا گیا۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ (البقرہ : ۱۸۷)

روزے کی رات میں تمہارے لیے عورتوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا۔

(۳) یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ كَبِیْرٌ ؕ (البقرہ : ۲۱۷)

لوگ آپ سے ماہ حرام میں قتال کا حکم پوچھتے ہیں' آپ کہئے کہ ان مہینوں میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے۔

رجب' ذوالقعدہ' ذوالحجہ اور محرم یہ حرمت والے مہینے ہیں' اس آیت میں ان مہینوں میں قتال کرنے کی حرمت بیان کی ہے اور اس آیت کے آخری حصہ میں اس حرمت کو منسوخ کر دیا گیا ہے :

وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ (البقرہ : ۲۱۷)

اور اللہ کی راہ سے روکنا' اور اللہ اور مسجد حرام کا کفر کرنا اور اہل حرم کو وہاں سے نکالنا' اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے اور فساد کرنا قتل سے بہت بڑا گناہ ہے۔

نیز حرمت والے مہینوں میں قتال کا منسوخ ہونا ان آیات سے بھی واضح ہے :

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً (التوبہ : ۳۶)

اور تم سب مشرکوں سے قتال کرو جیسا کہ وہ تم سب سے قتال کرتے ہیں۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبۃ : ۵)

تم جہاں کہیں بھی مشرکین کو پاؤ تو ان کو قتل کر دو۔

سورہ توبہ کی پہلی آیت میں اشخاص کا عموم ہے اور دوسری آیت میں امکنہ کا عموم ہے یعنی ہر مشرک کو ہر جگہ قتل کر دو اور اشخاص اور امکنہ کا عموم ازمنہ کے عموم کو بھی مستلزم ہے یعنی ہر وقت ہر زمانہ میں ان کو قتل کر دو اور یہ آیتیں حرمت والے مہینوں میں قتال کی ممانعت کی ناسخ ہیں۔

(۴) وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ (البقرہ : ۲۴۰)

اور جو لوگ تم میں سے مرجائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (مرنے سے پہلے) اپنی بیویوں کے لیے ان کو گھر سے نکالے بغیر ایک سال کا خرچ دینے کی وصیت کر جائیں پھر اگر وہ (خود) نکل جائیں تو تم پر ان کے اس کام کا کوئی گناہ نہیں ہے جو انہوں نے دستور کے موافق کیا۔

marfat.com
Marfat.com

اس آیت میں بیوہ عورت کی عدت ایک سال مقرر کی ہے اس کے بعد یہ عدت منسوخ کر کے چار ماہ دس دن کر دی گئی۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ج (البقرہ : ۲۳۴)

اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں چار ماہ دس دن کی عدت گزاریں۔

(۵) وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ط (البقرہ : ۲۸۴)

اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے خواہ تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ' اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔

اس آیت کا مقتضی یہ ہے کہ دل میں آنے والے خطرات پر بھی محاسبہ اور مواخذہ ہو گا' لیکن مذکور ذیل آیت سے اس کو منسوخ کر دیا گیا :

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط (البقرہ : ۲۸۶)

اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔

اور دل میں آنے والے خطرات انسان کی قدرت اور اختیار میں نہیں ہیں لہٰذا ان پر مواخذہ کرنے کو منسوخ کر دیا گیا۔

(۶) وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ج فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا (النساء : ۱۵)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کے خلاف اپنے چار مردوں کی گواہی طلب کرو' پھر اگر وہ ان کے خلاف گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں اس وقت تک مقید رکھو کہ انہیں موت آ جائے' یا اللہ ان کے لیے کوئی راہ پیدا فرما دے (کوئی اور حد مقرر فرما دے)

یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہو گئی۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ص (النور : ۲)

(کنواری) زانیہ عورت اور (کنوارے) زانی مرد' ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

(۷) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ (المائدہ : ۲)

اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں اور حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی نہ کرو۔

حرمت والے مہینوں میں قتال کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اس کی تفصیل نمبر ۳ میں گزر چکی ہے۔

(۸) اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ج وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ (الانفال : ۶۵)

اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں تو وہ ہزار کافروں پر غالب آ جائیں گے' کیونکہ وہ بے وقوف لوگ ہیں۔

یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہو گیا :

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ط

اب اللہ نے تمہارے لیے تخفیف کر دی' اور اسکو علم ہے

Marfat.com

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (الانفال: ٦٦)

کہ تم میں کمزوری ہے' سو اگر تم میں سو صابر آدمی ہوئے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں ایک ہزار ہوئے تو وہ اللہ کے اذن سے دو ہزار پر غالب آجائیں گے۔

(۹) اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّالزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ (النور : ۳)

زانی مرد صرف زانیہ یا مشرکہ عورت سے نکاح کرے' اور زانیہ عورت صرف زانی یا مشرک مرد سے نکاح کرے اور مسلمانوں پر یہ (نکاح) حرام کر دیا گیا ہے۔

یہ آیت ان آیتوں سے منسوخ ہو گئی ہے

وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ (النور : ۳۲)

اور تم اپنے بے نکاح مردوں اور عورتوں' اور نیک غلاموں اور باندیوں کا نکاح کر دو۔

اس آیت میں مطلقاً" بے نکاح مردوں اور عورتوں کے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے ساتھ غیر زانی کی قید نہیں لگائی۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (النساء: ۳)

تو اپنی پسند کے موافق عورتوں سے نکاح کرو۔

(۱۰) لَا یَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ ؕ (الاحزاب : ۵۲)

ان (موجودہ ازواج) کے بعد اور عورتیں آپ کے لیے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ کہ آپ ان بیویوں کی جگہ اور بیویاں تبدیل کریں' خواہ ان کا حسن آپ کو پسند ہو ماسوا اس کنیز کے جو آپ کی ملک ہو۔

جب ازواج مطہرات نے عسرت اور تنگ دستی کے باوجود نبی ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کر لیا اور مزید خرچ کا مطالبہ ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی پھر بعد میں اس حکم کو منسوخ کر کے نبی ﷺ کو مزید ازواج کے ساتھ نکاح کی اجازت دے دی ہر چند کہ اس اجازت کے باوجود آپ نے پھر کوئی نکاح نہیں کیا وہ آیت یہ ہے :

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا ۗ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (الاحزاب : ۵۰)

اے نبی! ہم نے آپ کے لیے آپ کی وہ بیویاں حلال فرما دیں جن کا آپ مہر دے چکے ہیں' اور وہ کنیزیں جن کے آپ مالک ہیں جو اللہ نے آپ کو مال غنیمت میں عطا فرمائی ہیں' اور آپ کے چچا کی بیٹیاں' اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی' اور ایمان والی عورت اگر (بلاعوض) اپنا آپ نبی کو ہبہ کر دے' بشرطیکہ نبی اس سے نکاح کرنا چاہیں' یہ حکم آپ کے لیے مخصوص ہے ماسوا دوسرے مسلمانوں کے۔

(۱۱) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ (المجادلۃ: ۱۲)

اے ایمان والو! جب تم تنہائی میں رسول سے کچھ عرض کرنا چاہو تو اپنی بات عرض کرنے سے پہلے کچھ صدقہ دے دیا

marfat.com
Marfat.com

کرو۔

اس کی ناسخ یہ آیت ہے :

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (المجادلہ : ۱۳)

کیا تم تنہائی میں اپنی بات گوش گزار کرنے سے قبل صدقہ دینے سے گھبراتے ہو؟ جب تم نے یہ نہ کیا اور اللہ نے رحمت سے تم پر رجوع کیا تو نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو' اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

(۲) يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۭ (المزمل : ۴-۱)

اے چادر لپیٹنے والے' رات کو نماز میں قیام کریں' خواہ تھوڑی رات' آدھی رات یا اس سے کچھ کم کریں یا اس پر کچھ زیادتی کریں اور ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھیں۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قیام لیل فرض کیا گیا ہے' خواہ نصف شب ہو یا اس سے کم یا زیادہ! بعد میں مذکور ذیل آیت سے اس قیام کو منسوخ کر دیا۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَاۗىِٕفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۭ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۭ (المزمل : ۲۰)

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب قیام کرتے ہیں' (کبھی) آدھی رات کے قریب اور (کبھی) ایک تہائی رات کے قریب' اور آپ کے ساتھیوں میں سے ایک جماعت بھی ہوتی ہے' اور اللہ دن اور رات کا اندازہ کرتا ہے' وہ جانتا ہے کہ (اے مسلمانو) تم ہرگز اس کا احاطہ نہ کر سکو گے' پھر اس نے تم پر رحمت سے رجوع کیا' تو جتنا تم کو آسان لگے قرآن پڑھ لیا کرو۔

ہمارے نزدیک قرآن مجید کی ان بارہ آیتوں کا حکم منسوخ ہو چکا ہے اور ان کے علاوہ وہ آیتیں ہیں جن میں نبوت کے ابتدائی دور میں کفار کی زیادتیوں کے مقابلہ میں صبر و ضبط سے کام لینے کا حکم دیا تھا پھر آیت سیف نازل ہونے کے بعد ان کا حکم منسوخ ہو گیا۔

علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ قرآن مجید کی بیس آیتوں کا حکم منسوخ ہے۔ (الاتقان ج ۲ ص ۲۳' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور) اور بعض علماء نے بائیس آیات لکھی ہیں لیکن ہم نے باقی دس آیتوں میں غور کیا تو ان میں ایسا تعارض نہیں ہے کہ ان کو جمع کرنا اور ان میں تطبیق دینا ممکن نہ ہو' اور ان میں سے ہر ایک آیت کا الگ الگ محمل ہے' اس کی تفصیل انشاء اللہ اپنے اپنے مقام پر آئے گی اگر ہمیں اپنے قارئین کی اکتاہٹ کا خدشہ نہ ہوتا تو ہم ان سب کا یہاں تفصیل سے ذکر کرتے۔

احکام شرعیہ کو منسوخ کرنے کی حکمتیں

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ ان آیات کی تلاوت کو باقی رکھا گیا ہے اور ان کے حکم کو منسوخ کر دیا گیا ہے؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید کی اس لیے تلاوت کی جاتی ہے کہ اس سے ایک شرعی حکم معلوم کیا

marfat.com
Marfat.com

جائے اور اس پر عمل کیا جائے اسی طرح اس کی اس لیے تلاوت کی جاتی ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور اس کی تلاوت سے ثواب ملتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بالعموم احکام میں نسخ تخفیف کے لیے ہوا ہے جیسا کہ ان مثالوں سے واضح ہے' اور منسوخ الحکم آیتوں کو اس لیے برقرار رکھا گیا تاکہ مسلمان ان آیات کو پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مشقت سے نجات دی اور ان کے لیے آسان احکام مشروع کر دیئے۔

یہ کلام ان آیات کے متعلق ہے جن میں مشکل احکام کو منسوخ کر کے آسان احکام مشروع کئے گئے' لیکن بعض منسوخ الحکم آیات ایسی ہیں جن میں آسان احکام کو منسوخ کر کے مشکل احکام مشروع کئے گئے ہیں' ان کی حکمت یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو وہ زمانہ فترت تھا اور برسوں سے جو عقائد' عادات اور معمولات ان میں رچ بس گئے تھے وہ ان کی فطرت ثانیہ بن چکے تھے اور یک لخت ان تمام چیزوں سے ان کو چھڑانا بہت مشکل تھا' کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا تو خدشہ تھا کہ وہ اسلام کو ہی چھوڑ جاتے' اس کی مثال یہ ہے کہ قریش نے وسائل کی کمی کی وجہ سے کعبہ کی نامکمل تعمیر کی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم بناء ابراہیم کے مطابق کعبہ کو تعمیر کرنا چاہتے تھے (بناء ابراہیم میں حطیم کعبہ میں داخل تھا) اور آپ اس میں دخول اور خروج کے لیے دو دروازے بنانا چاہتے تھے' لیکن آپ نے اس لیے ایسا نہیں کیا کہ اہل عرب کو کعبہ سے بہت والہانہ اور جذباتی عقیدت تھی اگر نئی تعمیر کے لیے کعبہ کو منہدم کیا جاتا تو جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے وہ اسلام چھوڑ جاتے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۴ (مفصلاً) مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ) سو اسی وجہ سے شروع میں آسان احکام مشروع کیے گئے اور جب لوگ اسلام میں راسخ ہو گئے تو پھر نسبتہً سخت احکام مشروع کیے گئے۔ حرمت خمر کی مثال سے ہم اس کی پہلے بھی وضاحت کر چکے ہیں۔

بعض ایسے احکام منسوخ کئے گئے جو مشکل اور سہل ہونے میں ناسخ کے مساوی ہیں ان میں نسخ کی حکمت یہ تھی کہ مسلمانوں کو ابتلاء اور امتحان میں ڈالا جائے تاکہ مومنوں اور منافقوں میں امتیاز ہو جائے اور خبیث اور طیب الگ الگ ہو جائیں' جیسے بیت المقدس کے قبلہ ہونے کو منسوخ کر کے بیت اللہ کو قبلہ بنایا گیا تو مومن اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور منافقوں کا خبث ظاہر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ (البقرہ : ۱۴۳)

(اے رسول) آپ (پہلے) جس قبلہ پر تھے وہ ہم نے اسی لیے مشروع کیا تھا کہ جو لوگ رسول کی پیروی کرتے ہیں ان کو ہم ان لوگوں سے ممتاز کر دیں جو الٹے پاؤں پھر جاتے ہیں' اور بے شک یہ (تحویل قبلہ) شاق تھا ماسوا ان لوگوں کے جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی۔

یہ بحث اسلام کے بعض احکام کے نسخ کے سلسلہ میں تھی' رہا یہ امر کہ اسلام کے آنے کے بعد پچھلی تمام شریعتیں منسوخ ہو گئیں اس کی حکمت یہ ہے کہ نوع انسان اپنی عقل اور شعور کے اعتبار سے اس طرح تدریجاً ترقی کرتی رہی ہے جس طرح بچہ اپنی نشوونما کے اعتبار سے بتدریج ترقی کرتا ہے' اس لیے ہر نبی کے عہد میں نوع انسان اپنی عقل اور شعور کے اعتبار سے جس درجہ میں تھی اسی درجہ کے اعتبار سے اس پر احکام شرعیہ مشروع کئے گئے اور جب نوع انسان اپنے کمال ارتقاء کو پہنچ گئی تو سابقہ تمام احکام منسوخ کر کے اس پر قیامت تک کے لیے ایک کامل شریعت نازل کر دی گئی۔

Marfat.com

نسخ القرآن بالسنۃ کے قائلین اور ان کے دلائل

امام مالک' اصحاب امام ابی حنیفہ' جمہور اشاعرہ اور معتزلہ اس کے قائل ہیں کہ سنت سے قرآن کا نسخ ہو سکتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ سنت بھی اسی طرح وحی الٰہی ہے جس طرح قرآن وحی الٰہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم : ۳-۴)

وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے' ان کا کلام وہی ہوتا ہے جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

اور قرآن اور حدیث میں اس کے سوا اور کوئی فرق نہیں ہے کہ قرآن کے الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں اور حدیث کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کی انشاء اور ترتیب پر مبنی ہیں اور دونوں کے معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل ہیں۔ اس لیے عقلاً" اور شرعاً" یہ جائز ہے کہ کسی ایک وحی سے ثابت ہونے والا حکم دوسری وحی سے منسوخ کر دیا جائے۔

نسخ القرآن بالسنۃ کے مانعین اور ان کے دلائل کا تجزیہ

امام شافعی' امام احمد کے ایک قول اور اہل ظاہر کے نزدیک سنت سے قرآن کا نسخ جائز نہیں ہے' ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے :

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل : ۴۴)

اور ہم نے آپ کی طرف قرآن اس لیے نازل کیا ہے کہ آپ لوگوں کو یہ بیان کر دیں کہ ان کی طرف کیا نازل کیا گیا ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا منصب قرآن کے معانی بیان کرنے میں منحصر ہے اور اگر سنت قرآن کی ناسخ ہو تو سنت قرآن کے بیان کی بجائے اس کی رافع ہو جائے گی۔

اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں کوئی کلمہ حصر نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ صرف بیان کرنے والے ہیں' مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان : ۱)

وہ بڑی برکت والا ہے جس نے اپنے (مقدس) بندے پر فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی' تاکہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو نذیر فرمایا ہے' حالانکہ رسول اللہ ﷺ بشیر بھی ہیں' تو جس طرح آپ کو نذیر کہنے سے آپ کے بشیر ہونے کی نفی نہیں ہوتی اسی طرح آپ کی سنت کے بیان ہونے سے اس کے ناسخ ہونے کی نفی نہیں ہوتی اور بالفرض اگر آپ کا منصب صرف قرآن کے بیان کرنے میں منحصر ہو تو پھر آپ کا شارع ہونا اور بعض چیزوں کو حلال اور بعض چیزوں کو حرام کرنا بھی اس حصر کے خلاف ہو گا حالانکہ قرآن مجید سے آپ کا شارع ہونا اور آپ کے لیے تحلیل اور تحریم کا منصب بھی ثابت ہے۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر : ۷)

اور رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو' اور جس سے منع کریں (اس سے) رک جاؤ۔

اس آیت میں آپ کے شارع ہونے کا بیان ہے۔

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ

اور وہ (نبی امی) پاک چیزوں کو ان کے لیے حلال کرتے ہیں

marfat.com
Marfat.com

(الاعراف : ۱۵۷) اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں۔

اس آیت میں آپ کے منصب تحلیل اور تحریم کا بیان ہے۔

نیز ہم یہ کہتے ہیں کہ نسخ' بیان کے منافی نہیں ہے' کیونکہ سنت سے قرآن کا کوئی حکم بالکلیہ منسوخ نہیں ہوا بلکہ قرآن مجید کی بعض آیات کے عموم کو سنت سے خاص کر لیا گیا ہے اور سنت سے یہ متعین کرنا کہ اس آیت کے عموم سے فلاں فرد کو خاص کر لیا گیا ہے یہ بھی قرآن کا بیان ہے۔

مخالفین کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن سے سنت کی حجیت ثابت ہے اب اگر سنت خود قرآن کی ناسخ ہو تو سنت بھی حجت نہیں رہے گی کیونکہ نسخ رفع ہے اور جب اصل اٹھ جائے گی تو فرع بھی اٹھ جائے گی' اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی جن آیات سے سنت کی حجیت ثابت ہے سنت ان کے لیے ناسخ نہیں ہے حتی کہ یہ اعتراض لازم آئے' بلکہ وہ دوسری بعض آیات کے عموم کی ناسخ ہے۔

مخالفین کی تیسری دلیل یہ آیت ہے :

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ (یونس : ۱۵)

اور جب ہماری روشن آیتیں ان پر تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ لوگ کہتے ہیں جن کو (آخرت میں) ہم سے ملاقات کی امید نہیں ہے' آپ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آئیں یا اس کو بدل دیں آپ کہیے میرے لیے اس کو اپنی طرف سے بدلنا جائز نہیں ہے میں صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جس کی میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ میں تبدیلی کرنا آپ کے اختیار میں نہیں اور سنت کے ناسخ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن کے الفاظ تبدیل کر دیئے جائیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کے عموم سے بعض افراد کو خاص کر لیا جائے۔

مخالفین کی چوتھی دلیل یہ آیت ہے :

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا (البقرہ : ۱۰۶)

جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔

دلیل کی تقریر یہ ہے کہ اگر سنت قرآن کی ناسخ ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ سنت قرآن کی مثل ہو یا اس سے افضل ہو' اور یہ محال ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ سنت کے الفاظ اور نظم قرآن کی مثل نہیں ہو سکتے اور سنت کے ناسخ قرآن ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ قرآن کے عموم اور اطلاق کی تقیید کرتی ہے اور سنت متواترہ سے ثابت ہونے والا حکم بھی اسی طرح قطعی ہے جس طرح قرآن قطعی ہے۔ نیز ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سنت بھی وحی الٰہی ہے' اس لیے درحقیقت منسوخ کرنے والا' اللہ تعالیٰ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقط مبلغ اور معبر ہیں۔

نسخ القرآن بالسنۃ میں سنت کا محمل

واضح رہے کہ جو سنت قرآن مجید کے عام حکم کے لیے ناسخ ہوتی ہے یہ وہ سنت ہے جو وحی پر مبنی ہو۔ اس سے مراد

Marfat.com

سنت اجتہادیہ نہیں ہے' نیز اس سے مراد سنت قطعیہ ہے اور جو سنت ظنی الثبوت ہو وہ اس میں داخل نہیں ہے احادیث سندا" اخبار آحاد ہیں اس کے باوجود صحابہ کرام نے ان سے قرآن مجید کے عام حکم سے بعض افراد کو خاص کر لیا مثلاً قرآن مجید میں عام حکم ہے کہ وان کانت واحدۃ فلھا النصف (النساء : ۱۱) ایک بیٹی کو باپ کے ترکہ سے نصف حصہ دیا جائے لیکن حضرت ابوبکر نے اس حدیث کی بناء پر کہ "ہمارا وارث نہیں بنایا جاتا' ہم نے جو چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔" (صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کی وراثت سے حصہ نہیں دیا' اور قرآن مجید کے عموم کی خبر واحد سے تخصیص کر لی' اسی طرح قرآن مجید میں کسی معاملہ میں دو مرد گواہ بنانے کا حکم عام ہے لیکن صحابہ نے ایک حدیث کی بنا پر حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۲' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ) اور اس کی اور بھی مثالیں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ احادیث ہم تک واصل ہونے کے اعتبار سے اخبار آحاد ہیں اور صحابہ کرام نے چونکہ یہ احادیث بلاواسطہ رسول اللہ ﷺ سے سنی تھیں اس لیے ان کے نزدیک یہ اسی طرح قطعی الثبوت تھیں جس طرح قرآن مجید قطعی ہے' سو انہوں نے سنت قطعیہ سے قرآن مجید کے عموم کو منسوخ مانا ہے نہ کہ سنت ظنیہ سے۔

نسخ القرآن بالسنۃ میں نسخ کا محمل

علامہ صدر الشریعہ لکھتے ہیں :

قرآن کو سنت سے منسوخ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ مکہ مکرمہ میں کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے تھے' اور مدینہ آنے کے بعد بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے تھے' پس اگر پہلا حکم (مکہ مکرمہ میں کعبہ کی طرف نماز پڑھنا) قرآن سے ثابت تھا تو یہ سنت سے منسوخ ہو گیا اور دوسرا حکم (مدینہ میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا) سنت سے ثابت تھا اور اس کو قرآن نے منسوخ کر دیا۔

نبی ﷺ جب مکہ میں تھے تو کعبہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھتے تھے' اور یہ معلوم نہیں کہ یہ حکم کتاب سے ثابت تھا یا سنت سے' پھر جب آپ مدینہ آئے تو سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر نمازیں پڑھیں' اور یہ حکم کتاب سے ثابت نہ تھا بلکہ سنت سے ثابت تھا' پھر کتاب سے یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور آپ کو مسجد حرام کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنے کا حکم دیا : فول وجھک شطر المسجد الحرام (البقرہ : ۱۴۴) پس سنت کا کتاب سے منسوخ ہونا یقینی ہے اور کتاب کا سنت سے منسوخ ہونا مشکوک ہے۔ (توضیح مع تلویح ج ۲ ص ۳۵' مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبری مصر)

میں کہتا ہوں کہ اگر سنت کے ناسخ قرآن ہونے سے یہ مراد ہے کہ قرآن مجید سے ثابت شدہ حکم بالکلیہ سنت سے مرتفع ہو جائے تو اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور یہ محض جواز عقلی کے درجہ میں ہے اور اگر اس کی یہ تقریر کی جائے کہ جو حکم قرآن مجید میں عام ہے اس کو سنت سے خاص کر دیا گیا یا اس کے عموم سے چند افراد کو مستثنیٰ کر لیا گیا تو اس کی بہت مثالیں ہیں۔

نسخ القرآن بالسنۃ کی مثالیں

(۱) اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور : ۲) — زانیہ اور زانی ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

marfat.com
Marfat.com

قرآن میں یہ حکم عام ہے خواہ زانیہ اور زانی کنوارے ہوں یا شادی شدہ اور سنت سے اس حکم کو کنواروں کے ساتھ خاص کر لیا گیا اور شادی شدہ زانیوں کو رجم کا حکم دیا گیا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے یہ خدشہ ہے کہ کچھ زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا کہے گا کہ قرآن مجید میں رجم نہیں ہے اور وہ اس فرض کے ترک سے گنہ گار ہوں گے' جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے' سنو' شادی شدہ زانی پر رجم کی سزا برحق ہے' جب کہ گواہی سے یا حمل یا اعتراف سے زنا ثابت ہو' سنو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۰۹۔۱۰۰۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

(۲) اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (النساء : ۱۰۳) — بے شک ایمان والوں پر نماز (ایک) وقت مقرر میں فرض ہے۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھا جائے لیکن سنت متواترہ سے عرفات کی عصر کو خاص کر لیا گیا کیونکہ میدان عرفات میں وہ اپنے وقت سے پہلے ظہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اور مزدلفہ کی مغرب کو خاص کر لیا گیا کیونکہ وہ اپنے وقت کے بعد عشاء کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔

(۳) فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ (النساء : ۳) — تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں' ان سے نکاح کر لو' دو' دو سے' تین تین سے اور چار چار سے۔

اس آیت میں عموم ہے اور ہر شخص بہ شرط عدل دو دو' تین تین اور چار چار نکاح کر سکتا ہے' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حیات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنت ابی جہل کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرما دیا۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ کے اوپر ابو جہل کی لڑکی کو نکاح کا پیغام دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : بے شک میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا' اور نہ حرام کو حلال کرتا ہوں' لیکن بہ خدا رسول اللہ کی بیٹی اور دشمن خدا کی بیٹی ایک محل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۳' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

(۴) وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا (النساء : ۴۳) — حالت جنابت میں جب تک غسل نہ کر لو مسجد کے قریب نہ جاؤ' الا یہ کہ مسجد کو عبور کرنا ہو۔

اس آیت کے مطابق کوئی شخص بھی جنبی ہو کر مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عموم سے اپنے آپ کو اور حضرت علی کو خاص کر لیا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا : اے علی! میرے اور تمہارے سوا کوئی شخص بھی اس مسجد سے حالت جنابت میں نہیں گزر سکتا۔ (جامع ترمذی ص ۵۳۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ

Marfat.com

تجارت کتب کراچی)

ان کے علاوہ اور بھی بہت مثالیں ہیں لیکن اختصار کی وجہ سے ہم نے صرف اسی قدر پر اکتفاء کی ہے۔

نسخ السنۃ بالقرآن کا بیان

امام ابو حنیفہ' امام مالک اور امام احمد کے نزدیک سنت کا قرآن سے نسخ جائز ہے' اور امام شافعی کے اس میں دو قول ہیں جمہور کی دلیل یہ ہے کہ سنت اور قرآن دونوں وحی ہیں اور ایک وحی کا دوسری وحی سے منسوخ ہونا جائز ہے۔

اور اس کی چند مثالیں ہیں :

(۱) ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنا صرف سنت سے معلوم ہے۔ امام بخاری نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ آنے کے بعد سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ) اور یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہے۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (البقرہ: ۱۴۴)

تو آپ اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں' اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا رخ اسی کی طرف پھیرو۔

(۲) پہلے رمضان کی راتوں میں (سونے کے بعد) کھانا پینا اور عمل تزویج حرام تھا :

امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رمضان میں جب کوئی شخص روزہ رکھتا اور شام کو سو جاتا تو اس پر کھانا' پینا اور عورت حرام ہو جاتی حتی کہ وہ اگلے روز افطار کرے' ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطاب' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے رات کو لوٹے وہ آپ کے پاس باتیں کرتے رہے تھے' انہوں نے دیکھا کہ ان کی بیوی سوئی ہوئی تھیں' انہوں نے ان سے اپنی خواہش ظاہر کی' بیوی نے کہا میں تو سو چکی ہوں' حضرت عمر نے کہا تم نہیں سوئی تھیں' اور ان سے اپنی خواہش پوری کر لی' حضرت کعب بن مالک نے بھی ایسا ہی کیا تھا' صبح حضرت عمر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو ماجرا سنایا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی : (مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۰' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (البقرہ : ۱۸۷)

اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنی جانوں میں خیانت کرتے تھے' اس نے تمہاری توبہ قبول کی اور تم کو معاف کر دیا' تو اب تم ان سے مباشرت کر سکتے ہو' اور جو (اولاد) اللہ نے تمہارے لیے مقدر کی ہے اس کو تلاش کرو' اور کھاؤ اور پیو' حتی کہ تمہارے لیے صبح کا سفید دھاگا (رات کے) سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ حدیبیہ میں یہ شرط مان لی تھی کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو آپ اس کو مکہ واپس کر دیں گے' اس شرط کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو جندل کو واپس کر دیا تھا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

پھر ایک عورت مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو واپس کرنے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی :

marfat.com
Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ (الممتحنة : ۱۰)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو تم ان کو آزما لیا کرو اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے' پھر اگر تم ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو انہیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ۔

نسخ السنۃ بالسنۃ کا بیان

نسخ السنۃ بالسنۃ کی چار قسمیں ہیں' سنت متواترہ کا سنت متواترہ سے نسخ' سنت آحادیہ کا آحادیہ سے نسخ اور سنت آحادیہ کا سنت متواترہ سے نسخ' یہ تین قسمیں بالاتفاق جائز ہیں' اور سنت متواترہ کا سنت آحادیہ سے نسخ اہل ظاہر کے نزدیک جائز ہے اور جمہور کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ تواتر سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مطلقہ کے لیے رہائش اور نفقہ کا حق رکھا ہے' حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے اس کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے سکنی کا حق نہیں دیا تھا' تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو مسترد کر دیا اور صحابہ نے اس رد کو برقرار رکھا اس کی وجہ یہی تھی کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی یہ روایت سنت متواترہ کے خلاف تھی۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

امام شعبی نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے سکنی (رہائش) اور نفقہ (خرچہ) نہیں رکھا' پھر اسود نے اپنے ہاتھ سے کنکریاں اٹھا کر پھینک دیں اور کہا' افسوس ہے تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو' حضرت عمر نے فرمایا تھا' ہم اللہ کی کتاب اور اپنے رسول ﷺ کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بنا پر ترک نہیں کریں گے' ہم نہیں جانتے کہ اس کو (صحیح) حدیث یاد ہے یا یہ بھول گئی' اس کو سکنی بھی ملے گا اور نفقہ بھی' اللہ عزوجل نے فرمایا ہے ان کو اپنے گھروں سے نہ نکالو الا یہ کہ ان میں سے کوئی عورت کھلی ہوئی بے حیائی کا ارتکاب کرے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

نسخ السنۃ کا ثبوت یا تو شارع علیہ السلام کی تصریح سے ہوتا ہے : جیسے امام مالک روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تمہیں تین دن کے بعد قربانی کا گوشت ذخیرہ کرنے سے منع کیا تھا' پس اب کھاؤ' صدقہ کرو اور ذخیرہ کرو' اور میں نے تم کو نبیذ بنانے سے منع کیا تھا پس اب نبیذ بناؤ اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا اب قبروں کی زیارت کرو اور کوئی بے ہودہ بات مت کرو۔ (موطا امام مالک ص ۴۹۱' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان' لاہور)

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم کو بعض برتنوں (دبا' حنتم' مزفت اور مقیر) میں پینے سے منع فرمایا تھا' اور بے شک برتن کسی چیز کو حلال کرتا ہے اور نہ حرام کرتا ہے' اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۶۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

Marfat.com

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تم کو چمڑے کے برتنوں میں پینے سے منع کیا تھا' اب تم ہر برتن میں پیا کرو' البتہ نشہ آور مشروب نہ پینا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۷۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

یا نسخ السنۃ کا ثبوت صحابہ کی تصریح سے ہوتا ہے جیسے :

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل یہ تھا کہ آپ آگ سے پکی ہوئی چیز کو کھانے کے بعد وضو نہیں کرتے تھے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۵' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان' لاہور' ۱۴۰۵ھ)

نسخ السنۃ کی معرفت کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ تاریخ سے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں سنت فلاں سنت سے موخر ہے جیسے آپ نے اپنے پہلے مرض میں فرمایا امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو اور آخری مرض میں آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ کھڑے ہوئے تھے' اور آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا تو آخری مرض کی سنت پہلے حکم کی ناسخ ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے پر سوار ہوئے اور اس سے گر گئے جس سے آپ کی بائیں جانب زخمی ہو گئی' تب آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور ہم بھی آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے' نماز کے بعد آپ نے فرمایا' امام اس لیے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے' جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو' اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم ربنا ولک الحمد کہو' اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو' امام بخاری کہتے ہیں کہ امام حمیدی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو" مرض قدیم میں تھا پھر اس کے بعد آخری مرض میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے اور آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور عمل آخری سنت پر کیا جائے گا اور آخری سنت یہی ہے کہ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

بعض علماء نے ایک چوتھی قسم بھی ذکر کی ہے کہ جس حدیث کے خلاف پر علماء کا اجماع ہو جائے وہ بھی منسوخ ہے اور اس کی یہ مثال دی ہے کہ جامع ترمذی میں یہ حدیث ہے کہ جو شخص شراب پیئے اس کو کوڑے مارو' دوبارہ اور سہ بارہ بھی کوڑے مارو اور اگر چوتھی بار شراب پیئے تو اس کو قتل کر دو' علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے اور ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ اس کے نسخ پر اجماع کی دلالت ہے۔ کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ شراب پینے پر قتل نہیں کیا جائے گا۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۷۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت ابن عمر اس حدیث پر عمل کے قائل ہیں اور ابن حزم کا بھی یہی مختار ہے' لہٰذا اس حدیث کے خلاف پر اجماع نہیں ہے۔ (توضیح الافکار ج ۱ ص ۴۱۹' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

میری رائے یہ ہے کہ جو حدیث سند صحیح سے ثابت ہو وہ اجماع پر مقدم ہے اور ائمہ اور علماء کے اجماع میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ حدیث رسول کے مزاحم ہو سکے نسخ تو دور کی بات ہے۔

اسباب نزول کا بیان

marfat.com
Marfat.com

قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں' ایک قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ابتداءً نازل کیا اور وہ کسی خاص سبب یا واقعہ کے ساتھ مربوط نہیں تھی وہ محض مخلوق کی ہدایت کے لیے نازل کی گئی' اس قسم کی آیات بہ کثرت ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جو کسی خاص سبب یا خاص واقعہ کے ساتھ مربوط ہے یا کسی سوال کے جواب میں نازل کی گئی' ان اسباب اور واقعات کو مفسرین کی اصطلاح میں سبب نزول اور شان نزول کہا جاتا ہے' بعض اوقات ایک آیت کے متعدد اسباب ہوتے ہیں اور بعض اوقات ایک سبب کی وجہ سے متعدد آیات نازل ہوتی ہیں اور ہرچند کہ آیت کسی خاص مورد اور واقعہ میں نازل ہو لیکن جمہور ائمہ اور مفسرین کے نزدیک خصوصیت مورد کی بجائے عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

اسباب نزول کے فوائد

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرہ : ۱۱۵)

اور مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کے ہیں تو جہاں کہیں تم منہ کرو وہیں اللہ (تمہاری طرف متوجہ) ہے۔

قرآن کریم کی اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ جس طرف چاہے منہ کرکے نماز پڑھ لے' اور اس کے لیے سفر اور حضر میں کہیں بھی بیت اللہ کی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھنا واجب نہیں ہے' لیکن اس آیت کا صحیح معنی صرف شان نزول سے معلوم ہوتا ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مسافر کی نماز اور سواری پر نفل نماز پڑھنے کے متعلق نازل ہوئی ہے' یعنی سفر میں نمازی کو یہ رخصت دی گئی ہے کہ وہ نفل نماز سواری پر پڑھ سکتا ہے خواہ سواری کا رخ کسی طرف ہو' اسی طرح اگر نماز کے پورے وقت میں ٹرین تیز رفتاری سے دوڑتی رہے اور کہیں نہ رکے تو چلتی ٹرین میں فرض نماز بھی پڑھی جائے گی خواہ ٹرین کا رخ کسی طرف ہو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت ایک قوم کے متعلق نازل ہوئی جس پر ایک غزوہ میں قبلہ مشتبہ ہو گیا تھا اور انہوں نے اندھیرے میں جنوب یا شمال کی طرف منہ کرکے نماز پڑھ لی اور جب صبح ہوئی تو وہ پریشان ہوئے کہ ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۳۶۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (البقرہ : ۱۵۸)

بے شک صفا اور مروہ' اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں' سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا تو اس پر صفا اور مروہ کے چکر لگانے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفا اور مروہ کی سعی مباح ہے واجب نہیں ہے' عروہ بن زبیر کو بھی یہی اشکال لاحق تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کے جواب میں فرمایا تھا اگر یہ سعی مباح ہوتی تو یہ آیت اس طرح ہوتی فلا جناح علیہ ان لا یطوف بھما اگر وہ ان کی سعی نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں' پھر حضرت عائشہ نے اس آیت کا شان نزول بتا کر یہ سمجھایا کہ سعی واجب ہونے کے باوجود اس طرح کیوں فرمایا "صفا اور مروہ کے چکر لگانے میں کوئی حرج نہیں" اس کی تفصیل اس حدیث میں ہے :

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

marfat.com
Marfat.com

عروہ نے اس آیت : (البقرہ : ۱۵۸) کو پڑھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا "اس آیت کی رو سے اگر کوئی شخص صفا اور مروہ میں سعی نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا : اے بھتیجے تم نے درست نہیں کہا اگر اس آیت کا وہی معنی ہوتا جس طرح تم نے تاویل کی ہے تو یہ آیت اس طرح ہوتی لا جناح علیہ ان لا یطوف بھما "جو ان کے درمیان سعی نہ کرے اسے کوئی گناہ نہیں۔" لیکن یہ آیت انصار کے متعلق نازل ہوئی ہے وہ اسلام لانے سے پہلے مناۃ (بت) کے لیے احرام باندھتے تھے جس کی وہ مشلل کے پاس عبادت کرتے تھے' پھر جو احرام باندھتا وہ صفا اور مروہ کی سعی میں گناہ سمجھتا' پھر جب وہ اسلام لے آئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا اور عرض کیا : (یا رسول اللہ) ہم (زمانہ جاہلیت میں) صفا اور مروہ کی سعی میں گناہ سمجھتے تھے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی : (ترجمہ) بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا تو اس پر صفا اور مروہ کے چکر لگانے (سعی کرنے) میں کوئی حرج نہیں ہے' حضرت عائشہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان سعی کو واجب قرار دیا ہے' پس کسی شخص کے لیے ان کے درمیان سعی کو ترک کرنا جائز نہیں ہے' عروہ کہتے ہیں میں نے ابوبکر بن عبدالرحمان کو یہ حدیث سنائی تو انہوں نے کہا لاریب! یہی علم ہے۔ میں نے پہلے یہ نہیں سنا تھا' اور میں نے اہل علم سے یہ سنا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں کچھ لوگ (انصار کے ان لوگوں کے سوا جن کا حضرت عائشہ نے ذکر کیا ہے) مناۃ کے لیے احرام باندھتے تھے' یہ سب صفا اور مروہ میں طواف کرتے تھے' جب اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کرنے کا حکم دیا اور قرآن میں صفا اور مروہ کا ذکر نہیں کیا' تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ! ہم (زمانہ جاہلیت میں) صفا اور مروہ کا طواف کرتے تھے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا ہے اور صفا کا ذکر نہیں کیا تو اگر ہم اب بھی صفا اور مروہ کا طواف کریں تو آیا کوئی گناہ ہے؟ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (ترجمہ :) بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں سو جس نے بیت اللہ کا حج یا عمرہ کیا تو اس پر صفا اور مروہ کی سعی میں کوئی گناہ نہیں ہے' ابوبکر بن عبدالرحمان نے عروہ سے کہا تو سنو! یہ آیت ان دونوں فریقوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' وہ لوگ جو زمانہ جاہلیت میں صفا اور مروہ میں طواف کرنے کو گناہ سمجھتے تھے' اور وہ لوگ جو زمانہ جاہلیت میں ان کے درمیان طواف کرتے تھے' پھر اسلام لانے کے بعد ان کے درمیان طواف کرنے کو اس لیے گناہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا تھا اور صفا کا ذکر نہیں کیا تھا حتی کہ بعد میں بیت اللہ کے طواف کے بعد صفا کا ذکر بھی فرما دیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲۳-۲۲۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ آیت کس لیے نازل ہوئی' اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس آیت کے نزول کے دو سبب ہیں' جیسا کہ اس حدیث میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

عام سبب اور آیت کے عام الفاظ

قرآن مجید میں کبھی سبب عام ہوتا ہے اور آیت کے الفاظ بھی عام ہوتے ہیں اور کبھی سبب خاص ہوتا ہے اور آیت کے الفاظ بھی خاص ہوتے ہیں' اور کبھی سبب خاص ہوتا ہے اور آیت کے الفاظ عام ہوتے ہیں اور اسی میں اختلاف ہے' جمہور کے نزدیک خصوصیت سبب کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

پہلی صورت جب سبب اور الفاظ دونوں عام ہوں تو بالاتفاق عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے' اور اس کی سورہ آل عمران

marfat.com
Marfat.com

سی ہیں جو غزوہ بدر اور غزوہ احد کے سلسلے میں نازل ہوئیں مثلاً یہ آیت ہے :

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران : ۱۳۹)

اور سستی نہ کرو' اور غمگین نہ ہو' اگر تم کامل مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔

یہ آیت بالعموم اہل احد کے متعلق نازل ہوئی اس کے الفاظ عام ہیں اور اس میں عموم ہی کا اعتبار ہے۔

خاص سبب اور آیت کے خاص الفاظ

دوسری صورت جس میں سبب اور لفظ خاص ہو تو خصوص ہی کا اعتبار ہوتا ہے اور لفظ کا خاص ہونا یا علم کی وجہ سے ہو گا یا لام عہد کی وجہ سے۔

علم کی وجہ سے خصوصیت کی مثال یہ آیت ہے :

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (الاحزاب : ۳۷)

پھر جب زید نے اس (قطع تعلق) کی غرض پوری کر لی تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا۔

حضرت زید بن حارثہ اور ان کی زوجہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا میں ان بن رہتی تھی' اس وجہ سے وہ ان کو طلاق دینا چاہتے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو روکتے تھے بہرحال جب حضرت زید نے طلاق دے دی تو عدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب بنت جحش کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر دیا۔

اور لام عہد کی وجہ سے خصوصیت کی مثال یہ آیت ہے :

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝ (الیل : ۲۱-۱۷)

اور سب سے بڑے متقی کو جہنم سے بہت دور رکھا جائے گا' جو حصول پاکیزگی کے لیے اپنا مال راہ الٰہی میں خرچ کرتا ہے' اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے' اس کا یہ مال خرچ کرنا صرف اپنے رب اعلیٰ کی رضاجوئی کے لیے ہے' اور وہ ضرور عنقریب راضی ہو گا۔

یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی' جب انہوں نے حضرت بلال کو خرید کر آزاد کر دیا جس کو ایمان لانے کے جرم میں سخت عذاب دیا جا رہا تھا' کفار نے کہا ضرور بلال نے پہلے کوئی ابوبکر پر احسان کیا ہو گا جس کا بدلہ اتارنے کے لیے ابوبکر نے ان کو آزاد کیا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ بلال تو الگ رہے روئے زمین پر کسی کا ابوبکر پر کوئی دنیاوی احسان نہیں ہے جس کا بدلہ دیا جا سکے۔ ان کا یہ عمل تو صرف اللہ کی رضاجوئی کے لئے ہے۔ اور اس آیت کے مصداق صرف حضرت ابوبکر تھے کیونکہ باقی تمام مسلمانوں پر کسی نہ کسی کا کوئی نہ کوئی دنیاوی احسان ضرور تھا' اس آیت میں حضرت ابوبکر کو الاتقی سے تعبیر فرمایا ہے اور یہ لام عہد ہے اور اس سے مراد حضرت ابوبکر ہیں۔ لہٰذا اس آیت کا سبب بھی خاص ہے اور الفاظ بھی خاص ہیں۔

خاص سبب اور آیت کے عام الفاظ

تیسری صورت یہ ہے کہ آیت کا سبب خاص ہو اور الفاظ عام ہوں۔ اس صورت میں جمہور علماء کے نزدیک عموم الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے جس کی مثال یہ آیات ہیں :

Marfat.com

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (النور : ۷-۶)

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس ان کی اپنی جانوں کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو تو ایسے کسی شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ بے شک وہ ضرور سچا ہے اور پانچویں گواہی یہ کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا : میں عشاء کے وقت اپنی اہلیہ (خولہ بنت عاصم) کے پاس گیا تو میں نے اس کے پاس ایک مرد (شریک بن سحماء) دیکھا' میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند کیا' صحابہ کرام کا خیال تھا کہ اب حضرت ہلال پر حد قذف لگ جائے گی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (روح المعانی ج ۱۸' ص ۱۰۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ان آیات میں لعان کا حکم بیان کیا گیا ہے اور ہرچند کہ اس کا سبب نزول حضرت ہلال بن امیہ کے ساتھ خاص ہے لیکن اس کے الفاظ عام ہیں اور جو شخص بھی اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو شوہر اور بیوی کے درمیان لعان کیا جائے گا۔ امام بخاری نے بھی اس حدیث کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام بخاری حضرت سہل بن سعد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے پہلے حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معلوم کیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو دیکھے تو آیا اس کو قتل کر دے؟ تو پھر وہ قتل کر دیا جائے گا' تو وہ کیا کرے حضور نے اس کو ناپسند کیا' تب حضرت عویمر نے کہا کہ میں حضور سے براہ راست سوال کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان تھے حضرت عویمر آئے اور کہا یا رسول اللہ یہ بتائیے کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو دیکھے تو آیا وہ اس کو قتل کر دے؟ تو پھر آپ اس کو قصاص میں قتل کر دیں گے! پھر وہ شخص کیا کرے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اور تمہاری بیوی کے متعلق مجھ پر آیت نازل ہو چکی ہے۔ جاؤ اس کو لے آؤ' حضرت سہل نے کہا پھر ان دونوں نے لعان کیا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۰۰-۷۹۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت عویمر رضی اللہ عنہ ان دونوں کے واقعے ان آیات کا شان نزول ہیں اور یہ کہ ان آیات کے دو سبب نزول ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں (اپنی بیوی سے کہیں تیری پشت میری ماں کی پشت کی طرح ہے) پھر اسی کام کے لیے لوٹنا چاہیں جس کے لیے اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں (یعنی عمل زوجیت) تو ان پر عمل تزویج سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے' یہ ہے وہ نصیحت جو تمہیں کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے

marfat.com
Marfat.com

کاموں سے خوب خبردار ہے' تو جس کو غلام نہ مل سکے وہ عمل تزویج سے پہلے مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے' پھر جو (روزوں کی بھی) طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔ (المجادلہ : ۴-۳)

علامہ سیوطی ان آیات کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

امام ابن ماجہ امام ابن ابی حاتم' امام حاکم نے تصحیح سند سے اور امام ابن مردویہ اور امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت خولہ بنت ثعلبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے شوہر کی شکایت کی اور کہا میرا شوہر میری جوانی کھا گیا اور اب میں زیادہ عمر کی ہو گئی اور میرے بچے بھی نہیں رہے تو اس نے مجھ سے ظہار کر لیا وہ مسلسل یہ شکایت کرتی رہی حتی کہ یہ آیات نازل ہو گئیں۔ (در منثور ج ۶ ص ۱۷۹' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ النجفی ایران)

ظہار کی آیات کا سبب خاص ہے اور وہ خولہ بنت ثعلبہ کے شوہر کا ان سے ظہار کرنا ہے اور اس کے الفاظ عام ہیں اور اعتبار اسی عموم کا ہے' یعنی ہر ظہار کرنے والے مسلمان کا یہی حکم ہے۔

ایک آیت کے متعدد اسباب اور ایک سبب کی متعدد آیات

ہم اس سے پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ بعض اوقات ایک آیت کے نزول کے متعدد اسباب ہوتے ہیں' اسی طرح بعض اوقات سبب واحد ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں متعدد آیات نازل ہوتی ہیں' اس کی مثال یہ ہے کہ امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا : یا رسول اللہ! میں نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت میں عورتوں کا ذکر کیا ہو تو سورہ آل عمران میں کئی آیات نازل ہوئیں' نیز امام حاکم نے حضرت ام سلمہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ مردوں کا ذکر کرتے ہیں اور عورتوں کا ذکر نہیں کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی :

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ○

(الاحزاب : ۳۵)

بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں' اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو بہت یاد کرنے والی عورتیں' اللہ نے ان سب کے لیے بخشش اور بہت بڑا ثواب تیار کیا ہے۔

اور یہ آیت نازل ہوئی :

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ

پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ مرد ہو یا

marfat.com
Marfat.com

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ○ (آل عمران : ۱۹۵)

عورت' تم سب آپس میں ہم جنس ہو' تو جن لوگوں نے ہجرت کی اور وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور جن کو میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں اور جنہوں نے جہاد کیا اور وہ شہید ہوئے' تو میں ضرور ان کے سب گناہ مٹادوں گا' اور ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی' اللہ کی طرف سے ثواب ہو گا' اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔

اسباب نزول سے متعلق یہ اہم اور ضروری مباحث تھے جن کا ہم نے یہاں ذکر کیا ہے۔

مکمل قرآن یکبارگی نازل نہ کرنے کی حکمتیں

نبی ﷺ کی نبوت کی تیئس سالہ زندگی میں قرآن مجید متفرق طور پر تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا' یکبارگی مکمل کتاب نازل نہیں ہوئی' قرآن مجید میں ہے :

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ○ (بنی اسرائیل : ۱۰۶)

اور ہم نے اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے' تاکہ آپ اس کو ٹھیر ٹھیر کر لوگوں کے سامنے پڑھیں اور ہم نے اس کو (حسب حالات) بہ تدریج نازل کیا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ○ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ○ (الفرقان : ۳۲-۳۳)

اور کافروں نے کہا اس (رسول) پر پورا قرآن ایک ہی مرتبہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ (ہاں! ہم نے) اسی طرح (تھوڑا تھوڑا نازل کیا ہے) تاکہ ہم اس سے آپ کا دل مضبوط کریں اور ہم نے اس کی بہ تدریج تلاوت فرمائی ہے۔ (اور اس میں یہ حکمت بھی ہے) کہ جب بھی یہ لوگ آپ کے پاس کوئی عجیب سوال لے کر آئے تو ہم نے اس کا (بروقت) صحیح اور نفیس جواب دیا اور واضح اور روشن بیان کر دیا۔

قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کی حکمتیں حسب ذیل ہیں :

(۱) نبی ﷺ کی قوم ان پڑھ تھی اور لکھنا پڑھنا ان کا بالعموم شعار نہ تھا' اگر قرآن یکبارگی مکمل نازل ہو جاتا تو ان کے لیے اس کو ضبط کرنا مشکل ہوتا اور ان سے اس میں بہت غلطیاں ہوتیں' نبی ﷺ امی تھے نزول کتاب سے پہلے آپ لکھتے اور پڑھتے نہیں تھے اور تورات کو یکبارگی نازل کیا گیا' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے پڑھ کر لوگوں کو سناتے تھے۔

(۲) جس شخص کے پاس کتاب ہو وہ اس کتاب پر اعتماد کر لیتا ہے اور اس کو حفظ کرنے میں تساہل اور سستی کرتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے یکبارگی مکمل کتاب نازل نہیں فرمائی تاکہ آسانی سے اس کو حفظ کیا جا سکے اور مسلمان اس میں سستی نہ کریں۔

(۳) اگر مکمل کتاب یکبارگی نازل کر دی جاتی تو پوری شریعت ایک مرتبہ ہی نازل ہو جاتی اور اس پر عمل کرنا لوگوں کے لیے

Marfat.com

دشوار ہوتا اس کے برعکس جب قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کرکے نازل ہوا تو لوگ بہ تدریج احکام کے مکلف ہوئے اور ان پر عمل کرنا لوگوں کے لیے آسان ہو گیا۔

(۴) نبی ﷺ جب بار بار حضرت جبرائیل سے ملاقات کرتے تو ان کی ملاقات سے آپ کا دل قوی ہو جاتا اور تبلیغ رسالت میں پیش آنے والی کلفتوں اور دشواریوں پر آپ کا صبر اور پختہ ہو جاتا اور فرائض نبوت کی ادائیگی میں آپ کا شوق اور ولولہ اور بڑھ جاتا۔

(۵) تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کرنے سے قرآن مجید کا اعجاز اور واضح ہو گیا' کیونکہ اگر کسی انسان کی قدرت میں ایسا کلام لانا ممکن ہوتا تو وہ بھی اس طرح کی چند آیات پیش کر دیتا۔

(۶) مختلف مواقع پر لوگ مختلف سوالات کرتے تھے اور ان کے سوالوں کے جواب میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی رہتی تھیں' اگر مکمل کتاب یکبارگی نازل ہوتی تو یہ ممکن نہ تھا۔

(۷) جب قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کرکے نازل ہوا تو نبی ﷺ چند آیتوں کے ساتھ ان کو چیلنج کرتے اور جب وہ قرآن کریم کی چند آیتوں کی نظیر بھی نہ لا سکے تو پورے قرآن کی نظیر نہ لانا اور زیادہ واضح ہو گیا اور آپ کے دل میں اور استحکام آ گیا کہ یہ قوم آپ کے معارضہ سے عاجز ہے۔

(۸) اگر پورا قرآن کریم ایک ہی بار نازل ہو جاتا تو حضرت جبرائیل صرف ایک بار آتے اور آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سفارت منقطع ہو جاتی اور جب کہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کرکے نازل ہوا تو آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سفارت کا رابطہ تاحیات قائم رہا۔

(۹) اس میں آپ کی دوسرے رسولوں پر فضیلت ہے کیونکہ ان پر یکبارگی کتاب نازل کر دی گئی اور ان کے پاس صرف ایک بار حضرت جبرائیل آئے اور اس کے بعد ان کے اور اللہ کے درمیان سفارت منقطع ہو گئی' اور جو سفارت کا رابطہ دوسرے رسولوں کے ساتھ صرف ایک بار ہوا وہ رابطہ آپ کے ساتھ تاحیات برقرار رہا۔

(۱۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یک بارگی کوہ طور پر تورات نازل ہوئی' تو کوہ طور کو مہبط وحی الٰہی ہونے کا شرف حاصل ہوا اور جب حضرت سیدنا محمد ﷺ پر تھوڑا تھوڑا کرکے مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر قرآن مجید نازل ہوا تو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے متعدد مقامات کو مہبط وحی الٰہی ہونے کا شرف حاصل ہوا حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہ کے بستر پر بھی قرآن نازل ہوا۔

(۱۱) مختلف اسباب اور واقعات کی وجہ سے بھی قرآن مجید کی آیات نازل ہوتی تھیں' مثلاً کسی کافر یا منافق نے کوئی دل آزار کلمہ کہا تو اس کے رد میں اور آپ کو تسلی دینے کے لیے آیات نازل ہوئیں' مسلمانوں نے رات کے روزے میں روزہ توڑ لیا تو رات کا روزہ ختم کرنے میں آیات نازل ہوئیں۔ منافقین نے حضرت عائشہ پر تہمت لگائی تو آپ کی براءت میں آیات نازل ہوئیں' علیٰ ھذا القیاس اگر قرآن مجید مکمل یک بارگی نازل ہوتا تو یہ ممکن نہ تھا۔

(۱۲) بعض اوقات کوئی حکم نازل کیا جاتا پھر اس کو منسوخ کر دیا جاتا' مثلاً پہلے بیوہ عورت کی عدت ایک سال رکھی گئی پھر یہ عدت چار ماہ دس دن کر دی گئی' اور مکہ مکرمہ میں جہاد مشروع نہیں کیا گیا اور کفار کے مقابلہ میں صبر و ضبط کا حکم دیا گیا تھا اور مدینہ منورہ میں جہاد کا حکم دیا گیا' اس طرح ناسخ اور منسوخ آیتوں اور احکام کا سلسلہ اسی وقت ممکن تھا جب قرآن مجید تھوڑا

Marfat.com

تھوڑا کر کے نازل ہو۔ اگر قرآن مجید یک بارگی نازل ہوتا تو یہ ممکن نہ تھا۔

(۱۳) عرب کے لوگ جو زمانہ جاہلیت کی عادتوں اور رسموں میں جکڑے ہوئے تھے اگر یکبارگی ان پر تمام احکام شرعیہ کا بوجھ ڈال دیا جاتا تو وہ گھبرا جاتے اور ممکن تھا کہ وہ ان تمام احکام کو قبول نہ کر پاتے۔ اس لیے حکمت اور مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کو بہ تدریج احکام کا مکلف کیا جائے' اس لیے قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا تاکہ جو عادات ان میں راسخ ہو چکی تھیں ان کو آہستہ آہستہ بدلا جائے۔

(۱۴) جیسے جیسے واقعات اور حوادث پیش آتے رہے اور ان کے اعتبار سے جس جس طرح حکمت اور مصلحت کا تقاضا تھا اسی اعتبار سے قرآن مجید کو نازل کیا جاتا رہا۔

رمضان کے مہینہ کی شب قدر میں قرآن مجید کا نزول شروع ہوا اور مسلسل تیئس سال تک سیدنا محمد ﷺ پر قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا اور اس طرح نبی ﷺ کی رسالت کی زندگی کا کوئی وقت وحی الٰہی سے رابطہ کے بغیر نہیں گزرا اور حضرت جبرائیل کی رفاقت اور معیت سے آپ کی بعثت کی زندگی کا کوئی دور خالی نہیں رہا۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت اور سورت کا بیان

علامہ سیوطی لکھتے ہیں :

نبی ﷺ پر سب سے پہلے کون سی آیت نازل ہوئی اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں اور صحیح قول یہ ہے کہ سب سے پہلے اقرا باسم ربک نازل ہوئی' امام بخاری' امام مسلم اور دیگر ائمہ حدیث نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے کی گئی' آپ جب بھی کوئی خواب دیکھتے تو روشن صبح کی طرح اس کی تعبیر آ جاتی' پھر آپ کے دل میں خلوت گزینی کی محبت پیدا کی گئی' آپ حراء میں جا کر کئی کئی راتیں گزارتے اور وہاں عبادت کرتے' آپ وہاں قیام کے لیے کھانا لے جاتے' اس کے بعد حضرت خدیجہ کے پاس لوٹتے اور پھر کھانا لے جاتے' آپ غار حراء میں تھے کہ ایک دن فرشتہ آیا' اور اس نے کہا پڑھیے' آپ نے فرمایا میں پڑھنے والا نہیں ہوں (یا' میں کیا پڑھوں؟) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے مجھے پکڑ کر خوب بھینچا حتی کہ اس نے پوری قوت صرف کر دی پھر اس نے مجھے چھوڑ کر کہا پڑھیے' میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں (یا' میں کیا پڑھوں؟) اس نے سہ بارہ مجھے پکڑ کر بھینچا حتی کہ اس نے پوری قوت صرف کی پھر مجھے چھوڑ کر کہا پڑھیے اقرا باسم ربک الذی خلق اور یہ آیت مالم یعلم تک پڑھی' رسول اللہ ﷺ نے ان آیتوں کو دہرایا درانحالیکہ آپ کے کندھے کپکپا رہے تھے۔

امام حاکم نے مستدرک میں اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں سند صحیح کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی جو سورت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ اقرا باسم ربک ہے۔

امام طبرانی نے حدیث صحیح کی شرط کے مطابق سند صحیح کے ساتھ ابو رجاء عطاردی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری دو سفید کپڑے پہنے ہوئے ایک حلقہ میں ہم کو قرآن پڑھا رہے تھے' جب انہوں نے اقرء باسم ربک الذی خلق کی تلاوت کی تو کہا یہ پہلی سورت ہے' جو سیدنا محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔

امام سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اپنی سند کے ساتھ عبید بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت جبرائیل' نبی ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے کہا پڑھیے آپ نے فرمایا : میں کیا پڑھوں' بہ خدا میں پڑھنے والا نہیں ہوں' حضرت

Marfat.com

جبرائیل نے کہا اقرا باسم ربک الذی خلق اور یہ پہلی آیت نازل ہوئی تھی۔

ابو عبید نے فضائل قرآن میں مجاہد سے نقل کیا ہے کہ قرآن کی پہلے نازل ہونے والی سورتوں میں اقرا باسم ربک اور ن والقلم ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے یا یھا المدثر نازل ہوئی' کیونکہ امام بخاری اور امام مسلم نے ابو سلمہ بن عبدالرحمان سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے پوچھا : کہ سب سے پہلے کون سی سورت نازل ہوئی؟ تو انہوں نے کہا یا یھا المدثر (الحدیث) اس حدیث کا یہ جواب ہے کہ سب سے پہلی آیت اقرا باسم ربک ہے' اور سب سے پہلے جو مکمل سورت نازل ہوئی وہ یا یھا المدثر ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اقرا باسم ربک کے نزول کے بعد کچھ عرصہ کے لیے وحی کا آنا رک گیا تھا اس فترت اور وقفہ کے بعد جو سب سے پہلی سورت نازل ہوئی وہ یا یھا المدثر ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ سورہ مدثر اس لحاظ سے پہلی سورت ہے کہ اس میں احکام ہیں' نبی ﷺ کو تبلیغ کرنے اور لوگوں کو خدا کے عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا ہے اور اقرا باسم ربک مطلقا سب سے پہلی آیت ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ سورہ فاتحہ سب سے پہلی سورت ہے : امام بیہقی اور امام واحدی نے ابو میسرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو میں ایک آواز سنتا ہوں' بہ خدا مجھے خوف ہے کہ یہ کوئی عجیب و غریب بات ہے! حضرت خدیجہ نے کہا معاذ اللہ' اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ایسا نہیں کرے گا' بہ خدا آپ امانت کو ادا کرتے ہیں' صلہ رحمی کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں' پھر جب حضرت ابوبکر' حضرت خدیجہ کے پاس آئے تو حضرت خدیجہ نے ان کو یہ قصہ سنایا اور کہا (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ورقہ کے پاس جاؤ' سو وہ آپ کے ساتھ ورقہ کے پاس گئے اور یہ قصہ سنایا اور فرمایا جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو کوئی مجھے پیچھے سے آواز دیتا ہے یا محمد یا محمد تو میں بھاگ کر افق میں (بہت دور) چلا جاتا ہوں' ورقہ نے کہا آپ ایسا نہ کریں' جب یہ آواز آئے تو آپ ٹھہرے رہیں اور سنیں کہ وہ کیا کہتا ہے' پھر آکر مجھے بتائیں' پھر آپ کو تنہائی میں آواز آئی یا محمد کہیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمدللہ رب العالمین حتی کہ ولا الضالین تک سورہ فاتحہ آپ نے سنی' یہ حدیث مرسل ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں' امام بیہقی نے کہا اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ واقعہ سورہ اقرأ اور سورہ مدثر کے نزول کے بعد پیش آیا۔

چوتھا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوئی' واحدی نے اپنی سند کے ساتھ عکرمہ اور حسن سے روایت کیا ہے کہ پہلی آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور پہلی سورت اقرأ ہے۔ (الاتقان ج ۱ ص ۲۳-۲۴' مطبوعہ سہیل اکیڈمی' لاہور' ۱۴۰۰ھ)

سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت اور سورت کا بیان

علامہ سیوطی لکھتے ہیں :

اس میں اختلاف ہے کہ سب سے آخر میں کون سی آیت نازل ہوئی' امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے آخر میں یہ آیت نازل ہوئی : یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ اور سب سے آخری سورت' سورہ توبہ ہے' امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ سب سے

Marfat.com

آخر میں آیت ربا نازل ہوئی ہے' امام بیہقی نے بھی حضرت عمر سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اس سے مراد یہ آیت ہے یا یھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوٰ' امام احمد اور امام ابن ماجہ نے بھی حضرت عمر سے یہ روایت کیا ہے کہ سب سے آخر میں آیت ربا نازل ہوئی ہے۔

امام نسائی نے از عکرمہ از ابن عباس روایت کیا ہے کہ آخری آیت یہ ہے واتقوا یوما ترجعون فیہ۔ امام ابن جریر نے بھی حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آخری آیت یہ ہے : واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ' اس آیت کے نزول کے اکیاسی (۸۱) دن بعد نبی ﷺ کا وصال ہو گیا تھا' اور امام ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کی جو آخری آیت نازل ہوئی وہ واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ہے' اور اس کے نزول کے نو دن بعد پیر کے دن ۲۸ ربیع الاول کو نبی ﷺ کا وصال ہو گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ میراث میں آخری آیت یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ہے اور سود میں آخری آیت یا یھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربا ہے اور مطلقاً آخری آیت واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ہے۔

امام حاکم نے مستدرک میں حضرت ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ آخری آیت لقد جاءکم رسول من انفسکم ہے۔

امام مسلم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ آخری سورت جو نازل ہوئی وہ اذا جاء نصر اللہ والفتح ہے۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے جو سورت آخر میں نازل ہوئی وہ سورہ مائدہ ہے۔

امام ترمذی اور امام حاکم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آخری سورت' سورہ مائدہ اور سورہ فتح ہے۔

حضرت عثمان بن عفان سے مشہور روایت ہے کہ سب سے آخر میں سورہ توبہ نازل ہوئی ہے۔

امام بیہقی نے یہ کہا ہے کہ ان مختلف روایات کی بہ تقدیر صحت یہ توجیہ ہے کہ ہر صحابی نے اپنے نظریہ کے مطابق کہا ہے' قاضی ابو بکر نے یہ کہا ہے کہ ان اقوال میں سے کوئی بھی نبی ﷺ کا صریح ارشاد نہیں ہے' اور ہر صحابی کا قول اس کے اجتہاد اور غلبہ ظن پر محمول ہے۔ (الاتقان ج ۱ ص ۷۔۲۶' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

مکی اور مدنی سورتوں کی معرفت

علامہ سیوطی لکھتے ہیں :

مکی اور مدنی سورتوں کے متعلق علماء کی تین اصطلاحیں ہیں' ان میں زیادہ مشہور یہ ہے کہ جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں وہ مکی ہیں اور جو سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں' عام ازیں کہ وہ مکہ میں نازل ہوئی ہوں یا مدینہ میں' فتح مکہ کے سال نازل ہوئی ہوں یا حجۃ الوداع کے سال میں' یا کسی سفر کے دوران نازل ہوئی ہوں۔

دوسری اصطلاح یہ ہے کہ جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں وہ مکی ہیں خواہ وہ ہجرت کے بعد مکہ میں نازل ہوئی ہوں اور

marfat.com
Marfat.com

مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں' اس اصطلاح کی بناء پر مکی اور مدنی سورتوں میں ایک واسطہ ہو گا کیونکہ جو آیات دوران سفر نازل ہوئیں وہ مکی ہوں گی نہ مدنی۔ اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن تین جگہوں میں نازل ہوا ہے' مکہ' مدینہ اور شام میں۔ ولید نے کہا شام سے مراد بیت المقدس ہے' اور شیخ عمادالدین بن کثیر نے کہا شام کی تفسیر تبوک سے کرنا زیادہ بہتر ہے' اور میں کہتا ہوں کہ مکہ میں اس کے مضافات مثلاً منیٰ' عرفات اور حدیبیہ داخل ہیں اور مدینہ میں بدر' احد اور سلع داخل ہیں۔

تیسری اصطلاح یہ ہے کہ جن سورتوں میں اہل مکہ سے خطاب ہو' وہ مکی ہیں اور جن سورتوں میں اہل مدینہ سے خطاب ہو وہ مدنی ہیں۔

قاضی ابوبکر نے کہا مکی اور مدنی سورتوں کی معرفت میں صحابہ اور تابعین کی معرفت پر اعتماد کیا گیا ہے' اور اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ارشاد منقول نہیں ہے' اور فرائض اور واجبات میں سے کوئی چیز ان کی معرفت پر موقوف نہیں ہے' البتہ ناسخ اور منسوخ کی معرفت میں سورتوں کے مکی اور مدنی ہونے کا دخل ہے۔ (الاتقان ج ۱ ص ۹-۸' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

عہد رسالت میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سب سے پہلے قرآن مجید کو حفظ کر کے سینوں (دماغوں) میں جمع کیا گیا اور سب سے پہلے یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ (ذہن مبارک) میں محفوظ اور جمع ہوا۔

قرآن مجید میں ہے :

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (القیامہ : ۱۹-۱۷)

آپ (قرآن یاد کرنے کے لیے) جلدی جلدی زبان کو حرکت نہ دیں بے شک اس کو (آپ کے ذہن میں) محفوظ کرنا اور آپ کا اسے پڑھنا ہمارے ذمہ ہے تو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو پھر آپ اس پڑھے ہوئے کو پڑھیں پھر بے شک اس کا بیان ہمارے ذمہ ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے اور جس سال آپ کا وصال ہوا آپ نے دو مرتبہ جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا جبرئیل ہر سال مجھ سے قرآن مجید کا دور کرتے ہیں اور اس سال انہوں نے مجھ سے دو مرتبہ دور کیا ہے اور مجھے یہ یقین ہے کہ اب میرا وقت آگیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ جواد تھے' اور آپ کی جود و سخا رمضان کے مہینے میں بہت زیادہ ہوتی تھی' کیونکہ حضرت جبریل ماہ رمضان کی ہر رات میں آپ سے ملاقات کرتے تھے حتی کہ ماہ رمضان پورا ہو جاتا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے قرآن کریم کا دور کرتے تھے اور جب جبریل آپ سے ملاقات کرتے تو آپ بارش برسانے والی ہواؤں سے زیادہ خیر کی سخاوت فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ) نبی صلی اللہ علیہ

Marfat.com

سے سن کر صحابہ کرام قرآن مجید کو یاد کرتے تھے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ مسروق کے سامنے حضرت عبداللہ بن عمرو نے حضرت عبداللہ بن مسعود کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا میں ان سے ہمیشہ محبت کرتا ہوں کیونکہ میں نے نبی ﷺ سے یہ سنا ہے کہ چار آدمیوں سے قرآن مجید کو حاصل کرو عبداللہ بن مسعود' سالم' معاذ اور ابن ابی کعب۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا اور کہا بہ خدا میں نے رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے (سن کر) ستر سے زیادہ سورتیں یاد کی ہیں' اور نبی ﷺ کے اصحاب کو علم ہے کہ مجھے کتاب اللہ کا سب سے زیادہ علم ہے حالانکہ میں ان سب سے افضل نہیں ہوں۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' کتاب اللہ کی جو سورت بھی نازل ہوئی تھی' مجھے اس کے متعلق علم ہوتا تھا کہ یہ سورت کہاں نازل ہوئی ہے اور کتاب اللہ کی جو آیت نازل ہوئی تھی مجھے اس کے متعلق علم ہوتا تھا کہ یہ کس کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کا علم رکھتا ہے اور اونٹ پر سفر کر کے اس تک پہنچا جا سکتا ہے تو میں سفر کر کے اس کے پاس جاتا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ نبی ﷺ کے عہد میں کس نے قرآن جمع کیا تھا' انہوں نے کہا چار صحابہ نے اور وہ سب انصار میں سے تھے' حضرت ابی بن کعب' حضرت معاذ بن جبل' حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو زید رضی اللہ عنہم (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت صرف چار صحابہ نے قرآن مجید جمع کیا تھا' حضرت ابو درداء' حضرت معاذ بن جبل' حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو زید۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی موخر الذکر دو حدیثوں پر دو اعتراض ہوتے ہیں' ایک اعتراض یہ ہے کہ پہلی حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے چار صحابہ میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا ہے اور دوسری حدیث میں حضرت ابو درداء کا ذکر کیا ہے اور یہ ان کے ذکر کردہ حصر کے خلاف ہے' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جس حدیث میں حضرت ابو درداء کا ذکر ہے وہ غیر محفوظ اور غیر راجح ہے' اور محفوظ اور راجح وہ حدیث ہے جس میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر ہے اور اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت انس نے دو مختلف وقتوں میں یہ حدیثیں بیان کی ہوں ایک دفعہ حضرت ابی بن کعب کا ذکر کیا اور دوسری دفعہ حضرت ابو درداء کا ذکر کیا' اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن ابی داؤد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انصار میں سے پانچ صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا ہے : حضرت معاذ بن جبل' حضرت عبادہ بن صامت' حضرت ابی بن کعب' حضرت ابو درداء اور حضرت ابو ایوب انصاری' یہ حدیث مرسل ہونے کے باوجود حسن ہے اور اس کا ایک شاہد بھی ہے کیونکہ شعبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چھ صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا جس میں حضرت ابو درداء' حضرت معاذ' حضرت ابو زید' اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم شامل ہیں' مرسل ہونے کے باوجود اس حدیث کی سند صحیح ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی شخص

marfat.com
Marfat.com

نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے قرآن مجید جمع کرنے کا انکار کیا ہو تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کا رد کرنے کے لیے بہ طریق حصر حضرت ابو درداء کا ذکر کیا ہو۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۳ 'مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ' لاہور' ۱۴۰۱ھ)

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت انس نے یہ بیان کیا ہے کہ صرف چار صحابہ نے قرآن مجید جمع کیا' حالانکہ ابو عبید نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے قراء صحابہ میں خلفاء اربعہ' حضرت طلحہ' حضرت سعد' حضرت ابن مسعود' حضرت حذیفہ' حضرت سالم' حضرت ابو ہریرہ' حضرت عبداللہ بن سائب' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن زبیر شامل ہیں اور خواتین میں سے حضرت عائشہ' حضرت حفصہ اور حضرت ام سلمہ ہیں (البتہ ان میں سے بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد قرآن مجید مکمل کیا) اور ابن ابوداؤد نے مہاجرین میں سے حضرت تمیم بن اوس داری اور حضرت عقبہ بن عامر اور انصار میں سے حضرت عبادہ بن صامت' حضرت معاذ ابو حلیمہ' حضرت مجمع بن حارثہ' حضرت فضالہ بن عبید اور مسلمہ بن مخلد وغیرہم کا ذکر کیا' (اور ان میں سے بھی بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد قرآن کریم جمع کیا تھا) اور جن صحابہ نے قرآن مجید کو جمع کیا ان میں حضرت ابو موسیٰ اشعری' حضرت عمرو بن عاص' حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت ام ورقہ ہیں۔

علامہ مازری نے کہا ہے کہ حضرت انس نے جو یہ کہا ہے کہ چار صحابہ کے سوا اور کسی نے قرآن کو جمع نہیں کیا' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفس الامر اور واقع میں بھی اسی طرح ہو' اور حضرت انس کی طرف سے توجیہ یہ ہے کہ ان کو ان چار کے سوا باقی کا علم نہیں تھا' ورنہ اس کا کس طرح احاطہ ہو سکتا ہے جب کہ صحابہ بہت زیادہ تھے اور مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے تھے' اور حضرت انس کا یہ قول صرف اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب تمام صحابہ میں سے ہر ایک نے حضرت انس سے ملاقات کر کے ان کو یہ بتایا ہو کہ اس نے مکمل قرآن جمع نہیں کیا اور یہ عادۃً "بہت بعید ہے۔

اس حدیث کی وجہ سے ملحدوں نے قرآن مجید کے متواتر ہونے پر طعن کیا ہے' تاہم اگر فی نفسہ یہ قول درست بھی ہوتا تب بھی جم غفیر میں سے ہر ایک کو پورا قرآن مجید یاد نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس جم غفیر کو مجموعی طور پر بھی قرآن مجید یاد نہ ہو' اور تواتر کی یہ شرط نہیں ہے کہ ہر فرد کو پورا قرآن حفظ ہو' بلکہ اگر کل نے مل کر کل کو یاد کر رکھا ہو پھر بھی کافی ہے' اور علامہ قرطبی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جنگ یمامہ میں ستر حافظ قرآن شہید ہو گئے تھے اسی طرح عہد رسالت میں بیر معونہ میں ستر قاری شہید ہو گئے تھے اس لیے یہ قول کیسے درست ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف چار صحابہ کو پورا قرآن مجید یاد تھا۔

حضرت انس کی اس حدیث کی بعض مزید توجیہات یہ ہیں :

(۱) تمام وجوہ اور تمام قرءات کے ساتھ صرف ان چار صحابہ کو پورا قرآن مجید یاد تھا۔

(۲) ان چار صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ سن کر پورا قرآن مجید یاد کیا تھا باقی صحابہ نے پورا قرآن آپ سے بلاواسطہ نہیں سنا تھا۔

(۳) یہ چار صحابہ قرآن مجید کی تعلیم دینے میں بہت مشہور تھے اور باقی اتنے مشہور نہیں تھے اس لیے ان کا حال مخفی رہا انہوں نے ریا اور عجب کے خدشہ سے اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا۔

(۴) ان چار کے جمع کرنے سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے مکمل قرآن مجید لکھ کر جمع کیا تھا اور باقی صحابہ نے دل میں یاد کیا تھا۔

(۵) ان چار نے اعلان کر دیا تھا کہ انہوں نے مکمل قرآن جمع کیا ہے اور باقی صحابہ نے اعلان نہیں کیا تھا۔ (فتح الباری ج ۹

Marfat.com

ص ۵۲-۵۱' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں قرآن جمع کر لیا گیا تھا' کیونکہ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی رسول اللہ ﷺ کاتب قرآن کو یہ حکم دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں جگہ لکھ دو' اور جب بھی کوئی سورت نازل ہوتی تو رسول اللہ ﷺ کاتب کو یہ حکم دیتے کہ اس کو فلاں سورت کے بعد لکھو۔ (غرائب القرآن ج ۱ ص ۲۴' مطبوعہ مطبع امیریہ کبری بولاق مصر' ۱۳۲۳ھ)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں :

نبی ﷺ سے سن کر صحابہ کرام قرآن مجید لکھ لیتے تھے' اور مشہور یہ ہے کہ پچیس صحابہ کاتب وحی تھے' اور تحقیق یہ ہے کہ وہ ساٹھ صحابہ تھے' ان میں زیادہ مشہور خلفاء اربعہ' حضرت ابی بن کعب' حضرت زید بن ثابت' حضرت معاویہ بن ابی سفیان' حضرت یزید بن ابی سفیان' حضرت مغیرہ بن شعبہ' حضرت زبیر بن عوام' حضرت خالد بن ولید ہیں' پھر علامہ زحیلی نے ابو عبید کے حوالے سے ان حفاظ صحابہ کا ذکر کیا ہے جن کا ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں اور یہ لکھا ہے کہ زیادہ مشہور حفاظ' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت ابی بن کعب' حضرت ابو درداء' حضرت معاذ بن جبل' حضرت زید بن ثابت' حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری تھے۔ (التفسیر المنیر ج ۱ ص ۲۱-۲۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۱ھ)

حضرت ابو بکر کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں قرآن مجید کو ایک مصحف میں اس لیے جمع نہیں کیا گیا کہ نزول وحی کا عمل آپ کی حیات مبارکہ میں مسلسل جاری تھا اور ہر وقت کسی نئی وحی کے نازل ہونے کا امکان تھا' البتہ قرآن مجید کی تمام آیات کپڑے کے ٹکڑوں پر' ہڈیوں پر' پتھروں پر اور پتوں سے صاف کی ہوئی کھجور کی ٹہنیوں پر لکھی ہوتی تھیں' پھر جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جنگ یمامہ کے دوران بہت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے تب قرآن مجید کو پہلی بار ایک مصحف میں جمع کرنے کی تحریک ہوئی جیسا کہ اس حدیث میں ہے :

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ یمامہ کے دوران' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بلوایا' اس وقت ان کے پاس حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے' حضرت ابو بکر نے کہا میرے پاس حضرت عمر آئے اور کہا جنگ یمامہ میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے' اور مجھے یہ خدشہ ہے کہ اگر یونہی مختلف جنگوں میں حفاظ قرآن شہید ہوتے رہے تو بہت سا قرآن مجید چلا جائے گا' اور میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیں' میں نے حضرت عمر سے کہا آپ ایسا کام کیوں کر رہے ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا؟ حضرت عمر نے کہا یہ خدا اس میں خیر ہے' پھر حضرت عمر مسلسل مجھ سے یہ کہتے رہے' حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا شرح صدر کر دیا' اور میری رائے حضرت عمر کی رائے کے موافق ہو گئی۔ حضرت زید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے کہا تم عقلمند شخص ہو اور ہم کو تمہارے متعلق کسی قسم کی کوئی بدگمانی نہیں ہے' اور تم رسول اللہ ﷺ کے لیے وحی لکھتے تھے' سو تم قرآن مجید کو تلاش کر کے جمع کرو' بہ خدا اگر یہ لوگ مجھ سے یہ کہتے کہ پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دو تو یہ میرے لیے اتنا دشوار نہ ہوتا جتنا قرآن مجید کو جمع کرنے کے حکم پر عمل کرنا میرے لیے دشوار تھا' میں نے کہا آپ لوگ ایسا کام کیوں کر رہے ہیں جس کو رسول اللہ ﷺ

marfat.com
Marfat.com

نے نہیں کیا؟ حضرت ابو بکر نے کہا بہ خدا اس میں خیر ہے' پھر حضرت ابو بکر مجھ سے مسلسل اصرار کرتے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا جس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر کا سینہ کھول دیا تھا' پس میں نے قرآن کو تلاش کرنا شروع کیا میں نے پتوں سے صاف کی ہوئی کھجور کی شاخوں' پتھروں اور مسلمانوں کے سینوں سے قرآن مجید کو جمع کیا' حتی کہ سورہ توبہ کی آخری آیت : لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم مجھے حضرت ابو خزیمہ انصاری کے پاس ملی' پھر صحیفوں میں جمع شدہ یہ قرآن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس رکھا گیا پھر ان کی وفات کے بعد تاحیات حضرت عمر کے پاس رہا پھر ان کے بعد حضرت ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رہا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع ۱۳۸۱ھ)

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں :

ابن ابی داؤد نے مصاحف میں سند حسن کے ساتھ عبد خیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا مصاحف کا سب سے زیادہ اجر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہو گا' اللہ تعالیٰ حضرت ابو بکر پر رحم کرے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مصحف میں قرآن مجید کو جمع کیا۔ بعض روایات میں حضرت علی کے پہلے جمع کرنے کا ذکر ہے لیکن وہ ضعیف روایات ہیں اور بعض روایات میں حضرت عمر کے پہلے جمع کرنے کا ذکر ہے لیکن اس سے مراد ہے ان کا جمع کرنے کے لیے مشورہ دینا۔

ابن ابی داؤد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے آ کر کہا جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر جتنا قرآن مجید لکھ لیا ہو وہ اس کو لے کر آئے اور اس وقت لوگ صحیفوں میں' تختیوں پر اور پتوں سے خالی شاخوں پر لکھتے تھے' اور حضرت زید کسی سے اس وقت تک کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے جب تک کہ دو گواہ اس پر گواہی نہ دیتے اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت زید صرف لکھے ہوئے کو کافی نہیں سمجھتے تھے حتی کہ دو گواہ اس پر گواہی دیتے کہ اس کو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' حالانکہ حضرت زید بن ثابت خود حافظ قرآن تھے لیکن وہ حفاظت میں مبالغہ کرنے کے لیے ایسا کرتے تھے۔

ابن ابی داؤد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر اور حضرت زید سے فرمایا کہ آپ دونوں مسجد کے دروازہ پر بیٹھ جائیں' اور جو شخص کتاب اللہ پر دو گواہ لے کر آئے اس کو لکھ لیں' علامہ ابن حجر نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دو گواہ اس پر گواہی دیں کہ انہوں نے اس آیت کو حفظ کیا تھا اور اس کو لکھ لیا تھا' علامہ سخاوی نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس پر گواہی دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس آیت کو لکھ لیا گیا تھا' ابو شامہ نے کہا ان کی اس سے غرض یہ تھی کہ صرف اسی آیت کو لکھا جائے جس کے متعلق یہ یقین ہو جائے کہ علی التعیین اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھ لیا گیا تھا کیونکہ جب تک کسی آیت کا تحریری ثبوت نہ مل جائے وہ اس کے صرف حفظ کو کافی نہیں سمجھتے تھے۔

ابن اشتہ نے مصاحف میں لیث بن سعد سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر نے قرآن کو جمع کیا' اور حضرت زید نے لکھا لوگ حضرت زید کے پاس قرآن مجید کی آیات لے کر آتے اور جب تک وہ ان آیتوں کے لکھے جانے پر دو گواہ نہ پیش کرتے حضرت زید ان کو نہیں لکھتے تھے' اور سورہ توبہ کی آخری آیت کے مکتوب ہونے پر صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی شہادت تھی' حضرت زید نے کہا اس کو لکھ لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی اکیلی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا ہے پھر اس آیت کو لکھ لیا گیا۔ (الاتقان ج ۱ ص ۵۸-۵۷' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

Marfat.com

جس حدیث میں حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو شہادتوں کے برابر قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے :

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں :

عمارہ بن خزیمہ کے چچا رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا وہ گھوڑے کی قیمت لے کر آتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی چل کر گھوڑے کی قیمت لینے گئے اور وہ اعرابی آہستہ آہستہ چلتا رہا' لوگ اس اعرابی کے ساتھ چلنے لگے اور اس سے اس گھوڑے کی قیمت پوچھنے لگے اور ان کو یہ پتہ نہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کو خرید چکے ہیں' اس اعرابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کی اگر آپ اس گھوڑے کو خرید رہے ہیں تو ٹھیک ہے' ورنہ میں اس گھوڑے کو بیچ رہا ہوں' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کی یہ ندا سنی تو آپ نے فرمایا کیا میں تم سے یہ گھوڑا خرید نہیں چکا؟ اعرابی نے کہا نہیں! بہ خدا میں نے یہ گھوڑا آپ کو نہیں بیچا' آپ نے فرمایا کیوں نہیں میں تم سے یہ گھوڑا خرید چکا ہوں' اعرابی کہنے لگا اچھا آپ گواہ لائیں' حضرت خزیمہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک یہ گھوڑا آپ نے اس سے خریدا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر حضرت خزیمہ سے فرمایا تم کس بنا پر گواہی دے رہے ہو؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کی تصدیق کرنے کی وجہ سے' تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دیا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۲' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

بہ ظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر قرار دینا ان کے ایمان کی پختگی کی بنا پر تھا اور اس بات کا انعام تھا کہ انہوں نے بن دیکھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی تصدیق کر دی لیکن درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نور نبوت سے دیکھ رہے تھے کہ ایک وقت آئے گا کہ سورہ توبہ کی آخری آیت کے لکھے جانے پر حضرت خزیمہ کے علاوہ اور کوئی گواہ نہیں ہو گا اگر حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہوں کے برابر نہ قرار دیا گیا تو سورہ توبہ کی آخری آیت قرآن میں درج ہونے سے رہ جائے گی اور قرآن نامکمل رہ جائے گا۔ سو اس حدیث سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی اختیار کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ جس کو چاہیں نواز دیں اور ایک گواہی کو دو کے برابر کر دیں اور آپ کے علم کی عظمتوں کا بھی پتا چلتا ہے کہ مستقبل میں ہونے والے واقعات آپ کی نظر میں ہوتے ہیں اور نہ صرف نظر میں ہوتے ہیں بلکہ آپ ان کا تدارک بھی فرماتے ہیں!

حضرت عثمان کے عہد میں قرآن مجید کو جمع کرنے کا بیان

قرآن مجید سات حرفوں پر نازل ہوا تھا' اور ہر قبیلہ کو ایک حرف پر قرآن مجید پڑھنے کی اجازت تھی' لیکن جب اسلام سرزمین عرب سے نکل کر دنیا کے دور دراز علاقوں میں پہنچا اور لوگوں نے مختلف حرفوں پر قرآن پڑھا تو جو شخص دوسرے حرف سے ناواقف تھا اس نے اس کی تکذیب شروع کر دی مثلاً کوئی پڑھتا تھا ننشزھا اور دوسرا پڑھتا تھا ننشرھا یا کوئی پڑھتا تھا فتمت کلمۃ ربک اور دوسرا پڑھتا تھا تمت کلمات ربک اور ہر شخص کو یہ اصرار تھا کہ جس حرف پر اس نے قرآن پڑھا ہے وہ صحیح ہے اور دوسرے کا پڑھا ہوا غلط ہے۔ اس صورت حال کی اصلاح کے لیے حضرت عثمان نے اس نسخہ کو منگوایا جو حضرت ابوبکر کے عہد میں جمع کیا گیا تھا' اور اس کی متعدد نقلیں تیار کرا کے تمام شہروں میں بھجوا دیں اور باقی تمام نسخوں کو اکٹھا کر کے پانی میں دھو ڈالا اور پھر ان اوراق کو جلا ڈالا' اور تمام امت کو قرآن مجید کے ایک حرف پر جمع کر دیا جو لغت قریش کے مطابق تھا اور یہ وہی نسخہ تھا جس کو حضرت ابوبکر کے عہد میں جمع کیا گیا تھا اور بعد میں حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوایا گیا تھا۔

marfat.com
Marfat.com

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن یمان حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ آرمینیا اور آذربائیجان کو فتح کرنے کے لیے جہاد میں گئے ہوئے تھے' حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان کو مسلمانوں کے قرات میں اختلاف سے خبردار کیا' حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان سے کہا اے امیرالمومنین! اس سے پہلے کہ یہ امت اپنی کتاب میں یہود و نصاریٰ کی طرح مختلف ہو جائے اس کی کوئی تدبیر کر لیجئے' پھر حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس جو صحیفے ہیں وہ ہمیں بھیج دیجئے ہم ان کو مصاحف میں نقل کریں گے' پھر آپ کو واپس کر دیں گے' حضرت حفصہ نے وہ صحف حضرت عثمان کے پاس بھیج دیا' حضرت عثمان نے حضرت زید بن ثابت' حضرت عبداللہ بن زبیر' حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمان بن حارث بن ہشام سے کہا کہ وہ اس صحف کو لکھیں اور حضرت عثمان نے قریشیوں کی جماعت سے کہا جب تمہارا اور حضرت زید بن ثابت کا کسی قرات میں اختلاف ہو تو اس کو لسان قریش میں لکھنا کیونکہ قرآن مجید لسان قریش میں نازل ہوا ہے' سو انہوں نے ایسا ہی کیا' اور جب انہوں نے حضرت حفصہ کے صحف سے نقل کر کے ایک صحف تیار کر لیا تو حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کا صحف ان کو واپس بھیج دیا' اور جو صحف اس سے نقل کر کے تیار کیا تھا اس کی نقلیں تیار کر کے ہر علاقہ میں بھجوا دیں اور یہ حکم دیا کہ اس کے ماسوا جس قدر صحائف میں قرآن مجید لکھا ہوا ہے ان کو جلا دیا جائے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :

حضرت زید' حضرت ابن الزبیر' حضرت سعید اور حضرت عبدالرحمٰن قرآن مجید لکھنے کے لیے بیٹھے اور جب ان کا اس میں اختلاف ہوا کہ اس لفظ کو کس لغت پر لکھا جائے تو وہ حضرت عثمان کی طرف رجوع کرتے مثلاً تابوت میں اختلاف ہوا کہ اس لفظ کو کس لغت پر لکھا جائے آیا اس کو ہا کے ساتھ تابوہ لکھا جائے یا تا کے ساتھ' تابوت لکھا جائے' حضرت زید بن ثابت نے کہا یہ تابوہ ہے اور تین قرشی صحابہ نے کہا یہ تابوت ہے' تب انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا' حضرت عثمان نے فرمایا اس کو لغت قریش پر لکھو کیونکہ قرآن لغت قریش پر نازل ہوا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر مطبوعہ ادارۃ الاندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ)

حضرت عثمان کے دور میں اوراق قرآن جلانے کا محمل اور قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کے متعلق فقہاء کے نظریات

صحیح بخاری کی مذکور الصدر حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے جمع کیے ہوئے صحف کی نقلیں سب شہروں میں بھجوائیں اور اس سے پہلے جن صحیفوں میں قرآن لکھا ہوا تھا ان کو جلانے کا حکم دیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں :

ابن ابی داؤد اور طبرانی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے بھیجے ہوئے صحف کے خلاف جو صحف تھا اس کو حضرت عثمان نے جلانے کا حکم دیا' اور اس زمانہ میں عراق میں مصاحف کو جلایا گیا' اور سوید بن غفلہ نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ مصاحف جلانے کے سلسلہ میں حضرت عثمان کے متعلق خیر کے سوا اور کچھ نہ کہو' اور ابو قلابہ کی روایت میں ہے جب حضرت عثمان مختلف شہروں میں صحف بھیجنے سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے ان شہر والوں کی طرف لکھا میں

Marfat.com

نے اس اس طرح قرآن مجید جمع کیا' اور میرے پاس (پہلے) جو کچھ لکھا ہوا تھا اس کو میں نے مٹا دیا' اور تمہارے پاس جو کچھ پہلے لکھا ہوا ہے تم بھی اس کو مٹا دو۔" اور مٹانے کا مفہوم ان صحائف کو دھونے اور جلانے سے عام ہے۔ اور اکثر روایات میں جلانے کی تصریح ہے اور ہوا یہی ہے' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کاغذات سے آیات کے نقوش کو دھو کر پھر انہیں جلا دیا ہو' اور قاضی عیاض مالکی نے وثوق سے کہا ہے کہ پہلے ان کاغذات کے نقوش کو دھویا پھر اس کو مٹانے میں مبالغہ کے لیے ان کاغذات کو جلا ڈالا' علامہ ابن بطال نے کہا اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جن کتابوں میں اللہ کا نام لکھا ہوا ہو' ان کو جلانا جائز ہے اس عمل میں ان کتابوں کی تکریم ہے' اور ان کو بے ادبی سے بچانا ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۲۱' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی لکھتے ہیں :

حضرت ابو بکر کے عہد میں جو مجموعہ تیار کیا گیا تھا وہ سورتوں کے الگ الگ صحائف تھے' ہر سورت میں آیات ترتیب سے تھیں لیکن تمام سورتیں متفرق تھیں' ترتیب وار نہ تھیں اور حضرت عثمان نے جو مصحف جمع کیا وہ مرتب تھا اس میں سورتیں ترتیب وار تھیں' حضرت عثمان نے جو باقی صحائف کو جلانے کا حکم دیا تھا' اس کا علامہ کرمانی نے یہ جواب دیا ہے کہ جو آیات منسوخ التلاوت تھیں یا جو غیر لغت قریش پر آیات تھیں' یا آیات کے ساتھ جو تفسیر لکھی ہوئی تھی اس کو جلانے کا حکم دیا تھا' قاضی عیاض نے کہا ہے کہ آیات کو دھو کر پھر نقوش کے محو میں مبالغہ کرنے کے لیے کاغذات کو جلایا تھا' علامہ ابن بطال نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ بے ادبی سے بچانے کے لیے جن کتابوں میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہے ان کو جلا دیا جائے' لیکن یہ جلانے کی صورت اس دور میں تھی' اور اب اگر قرآن مجید کے کسی ورق کو زائل کرنا ہو تو اس کو دھونا بہتر ہے اور ہمارے اصحاب حنفیہ نے یہ کہا ہے کہ جب مصحف بوسیدہ ہو جائے اور وہ نفع پہنچانے کے قابل نہ رہے تو اس کو ایسی پاک جگہ دفن کر دیا جائے جو لوگوں کے پیروں تلے آنے سے بعید ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۷۔۱۸' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

ملا علی قاری حنفی لکھتے ہیں :

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو صحائف جلائے تھے' ان پر قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو قیاس نہیں کرنا چاہئے کیونکہ انہوں نے ان اوراق کو جلایا تھا جس کا قرآن ہونا ان کے نزدیک ثابت نہیں تھا' یا جو الفاظ تفسیر قرآن کے الفاظ کے ساتھ اس طرح ملے ہوئے تھے جن کا الگ کرنا ممکن نہ تھا' انہوں نے جلانے کو اس لیے اختیار کیا تھا تاکہ کوئی شخص یہ شک نہ کرے کہ انہوں نے قرآن مجید کا کچھ حصہ ترک کر دیا ہے' کیونکہ اگر وہ واقعۃً قرآن ہوتا تو کوئی مسلمان اس کے جلانے کو جائز نہ کہتا' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اس کی راکھ کو محفوظ کرنے اور نجاست سے بچانے کا حکم بھی نہیں دیا' اور بحث اس میں ہے کہ جس کا قرآن ہونا قطعیت سے ثابت ہے' جب اس کے اوراق بوسیدہ ہو جائیں تو ان کو دھونا متعین ہے یا نہیں' بلکہ چاہئے یہ کہ دھونے کے بعد اس کے غسالہ (دھوون) کو پی لیا جائے کیونکہ قرآن ہر بیماری کی دوا ہے۔ (مرقات ج ۵ ص ۲۹' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان' ۱۳۹۰ھ)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے جو بوسیدہ اوراق کے دھونے کا مسئلہ لکھا ہے یہ ان کے زمانہ کے اعتبار سے ہے آج کل جب کہ پختہ سیاہی سے طباعت ہوتی ہے تو ان کا دھونا متصور نہیں ہے ان کو عزت و احترام سے ایسی جگہ دفن کرنا چاہئے

marfat.com
Marfat.com

ہر جگہ لوگوں کے پیروں تلے نہ آتی ہو۔

علامہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں :

جن بوسیدہ کتابوں سے نفع حاصل نہ کیا جا سکے' ان سے اللہ' فرشتوں اور رسول (علیہ السلام) کا نام مٹا کر باقی کو جلا دیا جائے' اور ان کو اسی طرح جاری پانی میں ڈالنے میں بھی حرج نہیں ہے یا ان کو دفن کر دیا جائے اور یہ احسن ہے' جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق کہا جاتا ہے۔ (درمختار علی حاشیہ الطحطاوی ج ۴ ص ۲۱۰' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۵ھ)

علامہ احمد طحطاوی لکھتے ہیں :

قرآن مجید جب بوسیدہ ہو جائے اور اس کو پڑھنا دشوار ہو تو ہم اس کو آگ میں نہیں جلائیں گے' ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔ (حاشیہ الطحطاوی ج ۴ ص ۲۰۱' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۳۹۵ھ)

علامہ شامی لکھتے ہیں :

مجتبیٰ میں لکھا ہے کہ جب مصحف پرانا اور بوسیدہ ہو جائے تو اس کو دفن کرنا احسن ہے جیسے نبیوں اور ولیوں کو دفن کیا جاتا ہے' اور باقی دینی کتابیں جب بوسیدہ ہو جائیں تو ان کا بھی یہی حکم ہے' اور دفن کرنا تعظیم کے خلاف نہیں ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو بھی دفن کیا جاتا ہے' اور ذخیرہ میں لکھا ہے کہ جب مصحف پرانا ہو جائے اور اس سے پڑھنا دشوار ہو جائے تو اس کو آگ میں نہیں جلایا جائے گا' امام محمد نے اسی طرف اشارہ کیا ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور مناسب یہ ہے کہ ایک کپڑے میں لپیٹ کر اس کی لحد بنائی جائے' کیونکہ اگر اس کی قبر بہ طریق شق بنائی گئی تو اس پر مٹی گرے گی اور اس میں ایک قسم کی تحقیر ہے' ہاں اگر چھت بنا کر پھر مٹی ڈالی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے' اسی طرح اگر کسی پاک جگہ قرآن مجید کو رکھ دیا جائے جہاں نہ کسی بے وضو کا ہاتھ لگے نہ گرد و غبار پڑے اور نہ اس کی تعظیم میں فرق آئے تو یہ بھی جائز ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۳۷۳-۳۷۲' مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول' ۱۳۲۷ھ)

قرآن مجید کے غیر محرف ہونے کے متعلق علماء شیعہ کی تصریحات

شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی لکھتے ہیں :

اگر تم یہ سنو کہ روایات شاذہ میں ہے کہ قرآن مجید میں تحریف ہوئی اور اس کا بعض حصہ ضائع ہو گیا' تو ان روایات کا کوئی وزن نہیں ہے' یہ روایات مضطرب اور ضعیف ہیں اور یہ روایات مسلمانوں کے مخالف ہیں۔ (مجمع البیان ج ۱ ص ۱۵' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران ۱۳۷۵ھ)

نیز شیخ طبرسی لکھتے ہیں :

شیخ المحدثین نے کتاب الاعتقاد میں لکھا ہے کہ "ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قرآن کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا یہ وہ قرآن ہے جو مسلمانوں کے درمیان موجود ہے' اور وہ اس سے زیادہ نہیں ہے اور جو ہماری طرف یہ منسوب کرتا ہے کہ ہم اس سے زیادہ قرآن کو مانتے ہیں وہ جھوٹا ہے اور جن روایات میں ہے کہ قرآن مجید کو کم کر دیا گیا ہے ان کے کئی محمل ہیں' شیخ مفید نے فصل الخطاب کے تواخر میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں سے کوئی کلمہ' کوئی آیت اور کوئی سورت کم نہیں ہوئی البتہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے مصحف میں آیات قرآن کے معانی کی جو تفسیر اور تاویل لکھی ہوئی تھی اس کو حذف کر دیا گیا' سید مرتضیٰ نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں کوئی کمی نہیں ہے' بعض ملاحدہ اور بعض حشویہ

marfat.com

Marfat.com

نے بعض ضعیف روایات کی بنا پر یہ کہا کہ قرآن مجید میں کمی کی گئی ہے لیکن ان کا اختلاف غیر معتبر ہے اور شیخ طوسی نے تفسیر تبیان کے اول میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں زیادتی اور کمی کے موضوع پر بحث کرنا مناسب نہیں ہے' کیونکہ قرآن مجید میں زیادتی کے باطل ہونے پر اجماع ہے اور کمی کا قول کرنا بھی مسلمانوں کے مذاہب کے خلاف ہے' اور ہمارا صحیح مذہب یہی ہے اور یہی ظاہر الروایات ہے' البتہ بہت سی روایات میں قرآن مجید میں کمی کرنے کا ذکر ہے لیکن یہ روایات اخبار احاد ہیں جو علم اور عمل کے لیے مفید نہیں ہیں اور ان سے اعراض کرنا بہتر ہے۔ (مجمع البیان ج ۱ ص ۳۶' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۷۹ھ)

شیخ کاشانی لکھتے ہیں :

قرآن مجید جس طرح نازل ہوا تھا اسی طرح باقی ہے' اور زیادتی اور کمی سے محفوظ ہے' تمام علماء اسلام عام ہوں یا خاص اس پر متفق ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی چیز زیادہ نہیں ہوئی' البتہ کمی کے متعلق ایک جماعت کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید میں کمی ہوئی ہے اور منافقین نے چند آیات کو حذف کر دیا اور شیعہ فرقے کے اکثر علماء اور سنی علماء اس پر متفق ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی تغیر' تبدل' کمی اور زیادتی نہیں ہوئی۔ (الی قولہ) جن روایات سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں تحریف' تبدیل' حذف یا تغیر ہوا ہے ان روایات کی تاویل اور توجیہ کرنی چاہیے اور اگر ان روایات کی توجیہ نہ ہو سکے تو ان کو مسترد کر دینا چاہیے۔ (منہج الصادقین ج ۱ ص ۴۸۷' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو' ایران)

جمع قرآن کے متعلق علماء شیعہ کا نظریہ

آیت اللہ مکارم شیرازی لکھتے ہیں :

اس جگہ ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ ایک گروہ کے درمیان یہ مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قرآن متفرق صورت میں تھا' اس کے بعد (حضرت) ابوبکر یا (حضرت) عمر یا (حضرت) عثمان کے زمانہ میں اس کو جمع کیا گیا' اس کے برعکس واقعہ یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کے زمانہ میں قرآن اسی طرح جمع کیا ہوا تھا جس صورت میں آج جمع کیا ہوا ہے' اور اس کی ابتداء میں یہی سورت فاتحہ تھی' اور اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ یہ سورت سب سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس پر متعدد دلائل ہیں کہ جس صورت میں آج قرآن ہمارے سامنے ہے' رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں آپ کے حکم سے اس کو اسی طرح جمع کیا گیا تھا۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ علی بن ابراہیم نے امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا : قرآن مجید ریشم اور کاغذ وغیرہ کے ٹکڑوں میں متفرق ہے اس کو جمع کرو' پھر حضرت علی علیہ السلام اس مجلس سے اٹھے اور زرد رنگ کے ایک کپڑے میں قرآن مجید کو جمع کر کے اس پر مہر لگا دی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مشہور سنی عالم خوارزمی نے کتاب المناقب میں علی بن رباح سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قرآن مجید کو جمع کیا تھا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اہل سنت کے مشہور امام حاکم نیشاپوری نے مستدرک میں حضرت زید بن ثابت سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قرآن کو متفرق ٹکڑوں سے جمع کر کے پیش کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک جس آیت کا جو مقام تھا وہاں اس آیت کو رکھنے کا حکم دیتے تھے' البتہ اس وقت یہ نوشتہ متفرق تھا اکٹھا

marfat.com
Marfat.com

نہ تھا) پیغمبر ﷺ نے حضرت علی سے کہا کہ اس کو ایک جگہ جمع کریں' اور ہم کو اس سے خبردار کرتے تھے کہ کہیں قرآن ضائع نہ ہو جائے۔

علماء شیعہ کے بہت بڑے عالم سید مرتضیٰ کہتے ہیں کہ جس صورت میں آج ہمارے پاس قرآن ہے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اس صورت میں موجود تھا۔

طبرانی اور ابن عساکر نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ چھ انصاری صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قرآن مجید کو جمع کیا اور قتادہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کس نے قرآن کو جمع کیا تھا' انہوں نے کہا چار صحابہ نے اور وہ سب انصار سے تھے حضرت ابی بن کعب' حضرت زید بن ثابت' حضرت معاذ اور حضرت ابوزید۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت علی نے قرآن جمع کیا تھا یا دوسروں نے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی نے صرف قرآن کو جمع نہیں کیا تھا بلکہ اس مجموعہ میں قرآن بھی تھا' تفسیر بھی تھی آیات کا شان نزول بھی تھا اور اس کی مثل دیگر امور تھے' اور ہمارے ہاتھوں میں جو قرآن ہے یہ حضرت عثمان کا جمع کیا ہوا ہے جس میں انہوں نے اختلاف قراءات کو ختم کر کے ایک قرأت پر قرآن کو جمع کیا اور حروف پر نقطے لگائے کیونکہ اس سے پہلے نقطے لگانے کا رواج نہ تھا۔ البتہ اس پر اصرار کرنا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قرآن جمع کیا ہوا نہ تھا یہ حضرت عثمان یا خلیفہ اول یا دوم کا حصہ ہے' محض ان کی فضیلت سازی ہے۔ (تفسیر نمونہ ج ۱ ص ۱۱-۸' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ ایران' ۱۳۶۹ھ)

تفسیر نمونہ کے اس اقتباس میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قرآن مجید کو جمع کر لیا گیا تھا' یہ ہمارے مخالف نہیں ہے جب کہ اس میں یہ اعتراف کر لیا ہے کہ جمع کا مطلب یہ ہے کہ آیات اور سورتوں کے محل اور مقامات بتا دیئے گئے تھے اور اس کو لکھ کر جمع کر لیا گیا تھا لیکن ایک جگہ جمع نہیں کیا گیا' ایک جگہ جمع پہلی بار حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں حضرت عمر کے مشورہ سے کیا گیا اور حضرت عثمان نے مختلف لغات یا قراءات کو ختم کر کے ایک قرات پر قرآن مجید کو جمع کیا اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

سات حرفوں پر قرآن مجید کے نزول کی تحقیق

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبرئیل نے مجھے ایک حرف پر قرآن پڑھایا میں نے ان سے رجوع کیا اور مسلسل زیادتی طلب کرتا رہا اور وہ حروف زیادہ کرتے رہے حتیٰ کہ سات حرفوں پر انتہا ہو گئی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۶-۷۴۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

نیز امام بخاری نے حضرت عمر سے ایک طویل حدیث روایت کی ہے' اس میں ہے :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے' جو حرف تم کو آسان لگے' اس پر قرآن پڑھو۔
(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں :

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سات حرفوں سے کیا مراد ہے' ابوحاتم محمد بن حبان بستی نے اس مسئلہ میں علماء کے

Marfat.com

پینتیس اقوال ذکر کئے ہیں ہم ان میں سے پانچ اقوال کا اختصار کے ساتھ ذکر کریں گے۔

(۱) اکثر اہل علم مثلاً سفیان بن عیینہ' عبداللہ بن وھب' ابن جریر طبری' ابو جعفر طحاوی وغیرھم کا یہ نظریہ ہے کہ سات حرفوں سے مراد ہے سات مختلف الفاظ سے متقارب معانی مثلاً اقبل' تعال اور ھلم ان سب کا معنی ہے آؤ' اور اذھب' اسرع اور عجل ان کا معنی ہے جاؤ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب سورہ الحدید کی آیت نمبر : ۱۳' للذین امنوا انظرونا میں للذین امنوا امھلونا' للذین امنوا اخرونا' للذین امنوا ارقبونا پڑھتے تھے' اور حضرت ابی بن کعب سورہ بقرہ کی آیت نمبر : ۲۰' کلما اضاء لھم مشوا فیہ میں مروا فیہ اور سعوا فیہ پڑھتے تھے' اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ ان تمام حروف کا معنی واحد ہے' اور ان میں حلال اور حرام کا کوئی فرق نہیں ہے۔

امام طحاوی نے کہا ہے کہ ان حروف میں پڑھنے کی لوگوں کو اس لیے اجازت دی گئی تھی کہ وہ اپنی لغت کے علاوہ دوسری لغت پر پڑھنے سے عاجز تھے' کیونکہ ماسوا چند کے وہ سب ان پڑھ لوگ تھے اور دوسروں کی لغت پر پڑھنے سے ان کو دشواری ہوتی تھی' اس لیے جب معنی واحد ہو تو ان کو اختلاف الفاظ کی اجازت دی گئی' حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ سات حروف میں پڑھنے کی اجازت اس خاص وقت میں ضرورت کی بناء پر تھی اور جب یہ ضرورت ختم ہو گئی تو سات حروف میں پڑھنے کی اجازت ہی ختم ہو گئی اور اب صرف ایک حرف پر قرآن مجید پڑھنے کی اجازت ہے' جس حرف پر ابتدا میں قرآن مجید نازل ہوا تھا۔

(۲) ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ سات حرفوں سے مراد عرب کی سات لغات ہیں اور اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ ایک لفظ کو سات لغات پر پڑھا جائے گا' بلکہ یہ سات لغات قرآن مجید میں متفرق ہیں' بعض آیات لغت قریش پر ہیں' بعض لغت ھذیل پر ہیں' بعض لغت ھوازن پر ہیں' بعض لغت یمن پر ہیں' علامہ خطابی نے کہا کہ عبدالطاغوت کو سات لغات پر پڑھا گیا ہے' ان کی مراد یہ ہے کہ بعض آیات کو سات لغات پر پڑھا گیا ہے اور ہر آیت اس طرح نہیں ہے۔ ابو عبید اور ابن عطیہ کا یہی مختار ہے' ابو عبید نے اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان نے صحابہ کی ایک جماعت کو مصحف لکھنے کا حکم دیا تو فرمایا : جب تمہارا اور زید کا اختلاف ہو تو اس لفظ کو لغت قریش پر لکھنا' قاضی ابن الطیب اور حافظ ابن عبدالبر نے یہ کہا ہے کہ جس کا یہ قول ہے کہ قرآن مجید لغت قریش پر نازل ہوا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کا اکثر حصہ لغت قریش پر نازل ہوا ہے کیونکہ اس میں بعض الفاظ دوسری لغات پر بھی ہیں۔

(۳) ایک قوم نے یہ کہا کہ یہ سات لغات مضر میں ہیں' کیونکہ حضرت عثمان نے کہا ہے کہ قرآن لغت مضر پر نازل ہوا ہے اور انہوں نے یہ کہا کہ قریش' کنانہ' اسد' ھذیل' تمیم' ضبہ اور قیس یہ سب مضر کے قبائل ہیں اور یہ سات لغات انہی مراتب پر ہیں' البتہ مضر میں بعض شواذ بھی ہیں کیونکہ قیس میں مونث کی ضمیر خطاب میں کاف کی جگہ شین لاتے ہیں وہ جعل ربک نحنک سریا (مریم : ۲۴) کو یوں پڑھتے ہیں جعل ربش تحتش سریا اور تمیم الناس کو الناس اور کباس کو اکباس پڑھتے ہیں' قرآن مجید کو اس طرح پڑھنا جائز نہیں ہے۔

(۴) سات حروف سے مراد سات قراءات ہیں' صاحب الدلائل اور قاضی ابن الطیب نے کہا ہے کہ ہم نے اختلاف

marfat.com
Marfat.com

قراءات میں تتبع کیا تو یہ سات ہیں۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ہر کلمہ اور ہر آیت میں سات قراءات جاری ہوتی ہیں' بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک کلمہ میں قراءات کی زیادہ سے زیادہ سات وجوہ ہیں' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ بعض کلمات میں سات سے زیادہ وجوہ قراءات ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر اور غالب کلمات میں سات سے زیادہ قراءات نہیں ہیں۔ فتح الباری ج ۹' ص ۲۳' طبع لاہور) اس اختلاف قراءات کی حسب ذیل مثالیں ہیں :

(ا) حرکت متغیر ہو اور صورت اور معنی متغیر نہ ہو مثلاً ولا یضار کاتب ولا شہید' ر' پر زبر ہو یا پیش ہو۔

(ب) صیغہ کا تغیر ہو' مثلاً بعد بین اسفارنا اور باعد بین اسفارنا پہلی قراءت میں امر کا صیغہ ہے اور دوسری میں فعل ماضی کا۔

(ج) نقطہ کا تغیر ہو مثلاً ایک قراءت میں ثم ننشرھا ہے اور ایک قراءت میں ثم ننشزھا ہے۔

(د) قریب المخرج لفظ کے ساتھ تبدیل کرنے یا نہ کرنے کا فرق' مثلاً ایک قراءت میں ہے طلح منضود اور دوسری قراءت میں طلع منضود ہے

(ہ) تقدیم اور تاخیر کا فرق ہو' مثلاً وجاءت سکرۃ الموت بالحق اور حضرت ابوبکر صدیق' طلحہ بن مصرف اور زین العابدین کی قراءت میں ہے' وجاءت سکرۃ الحق بالموت۔

(و) زیادتی اور کمی کے ساتھ تغیر مثلاً حضرت ابن مسعود اور حضرت ابودرداء کی قراءت میں ہے واللیل اذا یغشی والنہار اذا تجلی والذکر والانثی یہ کمی کی مثال ہے کیونکہ مشہور قراءت میں ہے وما خلق الذکر والانثی اور زیادتی کی مثال یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں وانذر عشیرتک الاقربین کے بعد ہے ورھطک منھم المخلصین۔

(ز) ایک کلمہ کو دوسرے مترادف کلمہ کے ساتھ بدلنا' مثلاً مشہور قراءت میں ہے کالعھن المنفوش۔ اور حضرت ابن مسعود اور سعید بن جبیر کی قراءت میں ہے کالصوف المنفوش۔

(۵) سات حرفوں سے مراد قرآن مجید کے سات معانی ہیں' اور یہ ہیں : امر' نہی' وعد' وعید' قصص' مجادلہ اور امثال۔ ابن عطیہ نے کہا یہ قول ضعیف ہے' کیونکہ ان عنوانات کو حروف نہیں کہتے' نیز اس پر اجماع ہے کہ حلال' حرام اور کسی معنی کے تغیر میں وسعت کی گنجائش نہیں ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۴۶۔۴۲' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

قرآن مجید کی سورتوں' آیتوں اور حرفوں کی تعداد کا بیان

سورت کا لفظ سور مدینہ سے ماخوذ ہے' شہر کے گرد جو دیوار ہوتی ہے جس نے شہر کا احاطہ کیا ہوا ہوتا ہے اس کو سور مدینہ کہتے ہیں اور قرآن کی سورت نے بھی اس کے مضامین کا احاطہ کیا ہوا ہوتا ہے' یا اس کا معنی ہے منازل قراءت میں سے ایک حصہ۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں :

اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں' اور ایک قول یہ ہے کہ ایک سو تیرہ سورتیں ہیں' انہوں نے سورہ انفال اور سورہ توبہ کو ایک سورت قرار دیا ہے۔

آیت کا لغوی معنی علامت ہے اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے : قرآن مجید کا ایک طائفہ (مجموعہ) جو ماقبل اور

Marfat.com

مابعد سے منقطع ہو' ایک قول یہ ہے کہ آیت کسی سورت کا ایک حصہ ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ آیت ایک کلام کے ماقبل اور مابعد سے منقطع ہونے کی علامت ہے۔ علامہ زمخشری نے کہا آیات کا علم توقیفی ہے اس میں قیاس کی مجال نہیں ہے' یہی وجہ ہے کہ الم جس سورت میں بھی ہے اس کو ایک آیت شمار کیا ہے اور المص کو بھی ایک آیت شمار کیا ہے : الر اور المر کو ایک آیت نہیں شمار کیا حٰمٓ' یٰسٓ اور طٰہٰ کو ایک آیت شمار کیا ہے اور طٰسٓ کو آیت نہیں شمار کیا۔

آیات کو شمار کرنا بہت مشکل اور دقیق کام ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ آیت کی طرف پر وقف فرماتے تھے اور بعض اوقات دو آیتوں کو ملا کر پڑھتے' جس سے سننے والا یہ گمان کرتا کہ یہ ایک آیت ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی کل آیات کی تعداد چھ ہزار چھ سو سولہ (۶۲۱۶) ہے اور قرآن مجید میں کل تین لاکھ تئیس ہزار چھ سو اکہتر (۳۲۳۶۷۱) حروف ہیں۔ علامہ دانی نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ قرآن مجید میں چھ ہزار آیات ہیں' پھر اس کے بعد اختلاف ہے' بعض نے کہا اس سے زائد نہیں ہیں۔ بعض نے کہا دو سو چار زائد ہیں' بعض نے کہا چودہ زائد ہیں' بعض نے انیس کہا' بعض نے پچیس کہا اور بعض نے چھتیس کہا۔ (الاتقان ج ۱ ص ۶۷۔۶۳' ملخصاً' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ) بعض جدید محققین کی رائے ہے کہ کل آیات کی تعداد ۶۲۳۶ ہے۔

قرآن مجید کے محفوظ اور غیر مبدل ہونے پر مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات

ہم پہلے تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید کو تین مرتبہ جمع کیا گیا ہے۔

(۱) نبی ﷺ کے عہد مبارک میں کتابت میں قرآن مجید کو جمع کیا گیا' اور تمام سورتوں اور آیتوں کو مرتب کر کے اپنی اپنی جگہ پر لکھ دیا گیا' امام بخاری روایت کرتے ہیں : حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے میری طرف یہ پیغام بھیجا کہ تم رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کو لکھتے تھے لہٰذا اب تم قرآن مجید کو جمع کرو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

سو ہڈیوں پر' پتھروں پر اور کپڑوں کے ٹکڑوں پر قرآن مجید کو لکھا گیا لیکن یہ تمام اجزاء متفرق تھے اور کسی کتابی شکل میں مجتمع اور مدون نہیں تھے۔

(۲) حضرت ابوبکر کے عہد میں لغت قریش کے مطابق قرآن مجید کا ایک مجموعہ کتب یا مصحف کی شکل میں مرتب کر لیا گیا' لیکن مسلمانوں کو اپنی اپنی لغات کے مطابق قرآن مجید پڑھنے کی اجازت تھی۔

(۳) حضرت عثمان کے عہد میں اسی نسخہ قرآن کی نقول تیار کی گئیں جو حضرت ابوبکر کے زمانہ میں لغت قریش پر مرتب کیا گیا تھا' اور تمام اسلامی شہروں میں اسی کی نقول ارسال کی گئیں اور باقی تمام نسخوں کو دھلوا کر جلوا دیا گیا۔

عہد رسالت سے لے کر آج تک تمام امت مسلمہ کے پاس یہی قرآن مجید ہے اس میں کسی قسم کی کوئی کمی اور بیشی نہیں ہوئی' مستشرقین اور غیر مسلم محققین نے قرآن مجید کے محفوظ اور غیر مبدل ہونے پر کئی اعتراضات کئے ہیں جن میں سے بعض اعتراض تو بالکل سطحی اور بے وزن ہیں جو مطلقاً لائق التفات نہیں ہیں ہم چونکہ بلاوجہ طوالت سے اجتناب کرنا چاہتے ہیں اس لیے ہم صرف ان اعتراضات کے جوابات لکھ رہے ہیں۔ جن کی بہرحال کوئی نہ کوئی بنیاد ہے۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ پیغمبر اسلام حضرت سیدنا محمد ﷺ کو بھی قرآن مجید محفوظ نہیں تھا تو بعد والوں کو کیسے محفوظ رہے گا' اس کی سند یہ ہے :

marfat.com
Marfat.com

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں ایک شخص کو قرآن مجید کی ایک سورت پڑھتے ہوئے سنا' تو آپ نے فرمایا اللہ اس شخص پر رحمت فرمائے' اس نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی جو مجھے فلاں فلاں سورت سے بھلا دی گئی تھی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ :

اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنی کسی حکمت کو پیدا کرنے کے لیے کسی چیز کی طرف سے وقتی طور پر نبی ﷺ کی توجہ ہٹا دیتا ہے اور بعد میں آپ کو پھر اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے' عام لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض اوقات وہ کسی چیز کو بھول جاتے ہیں' پھر کسی سے سن کر یا کسی اور سبب سے ان کو وہ چیز یاد آ جاتی ہے' اس سے قرآن مجید کے محفوظ اور غیر مبدل ہونے پر کیا زد پڑتی ہے! اس حدیث کا منشاء صرف اتنا ہے کہ کسی چیز سے وقتی طور پر توجہ کا ہٹ جانا منصب نبوت کے خلاف نہیں ہے' اس شخص کے حفظ کرنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے ان آیتوں کو حفظ کر لیا تھا' پھر وحی لکھنے والوں سے اس آیت کو لکھوا دیا تھا' اور مسلمانوں کو اس آیت کی تبلیغ فرما دی تھی اور انہوں نے آپ سے سن کر ان آیتوں کو یاد کر لیا تھا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ چند آیتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بکری کھا گئی تھی اس لیے وہ ضائع ہو گئیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے :

امام احمد روایت کرتے ہیں :

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رجم کی آیت نازل کی گئی اور بالغ آدمی کو دس چسکیاں دودھ پلانے سے رضاعت کی آیت نازل کی گئی' یہ آیتیں ایک پتے پر لکھی ہوئی تھیں جو میرے گھر میں میرے تکیہ کے نیچے رکھا ہوا تھا' جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوئے تو ہم آپ کی تیمارداری میں مشغول ہو گئے ایک چوپایہ گھر میں داخل ہوا اس پتے کو کھا گیا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۶۹' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت رجم اور دس چسکیوں سے رضاعت کے ثبوت کی آیت منسوخ التلاوت ہے خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اس کے منسوخ ہونے کی قائل ہیں' نیز اس کا ثبوت محض خبر واحد سے ہے تواتر سے نہیں ہے اور قرآن اس مجموعہ کلام اللہ کا نام ہے جو ہم تک تواتر سے پہنچا ہے' لہٰذا ان آیتوں کے ضائع ہونے سے قرآن مجید کے محفوظ ہونے پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) کو قرآن مجید کی دو سورتیں نہیں مانتے تھے' اور اس کا ثبوت ان احادیث سے ہے :

امام احمد روایت کرتے ہیں :

عبدالرحمان بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے مصاحف سے معوذتین کو کھرچ دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ دونوں اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلام میں سے نہیں ہیں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۱۳۰-۱۲۹' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

marfat.com

Marfat.com

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے' امام احمد کی سند صحیح ہے اور امام طبرانی کی سند ثقہ ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۴۹' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام طبرانی روایت کرتے ہیں :

عبدالرحمان بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت عبداللہ بن مسعود معوذتین کو کھرچ دیتے تھے' اور کہتے تھے کہ جو اس میں نہیں ہے' اس کو تم کیوں زیادہ کرتے ہو؟ دوسری روایت میں ہے حضرت ابن مسعود نے کہا : انہوں نے قرآن میں اس کو خلط کر دیا جو اس میں نہیں ہے' تیسری روایت میں ہے حضرت ابن مسعود نے کہا یہ دونوں کتاب اللہ سے نہیں ہیں' چوتھی روایت میں ہے حضرت ابن مسعود نے کہا جو قرآن میں نہیں ہے اس کو قرآن کے ساتھ خلط نہ کرو' یہ دونوں پناہ طلب کرنے کی دعائیں ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دعاؤں کے ذریعہ پناہ طلب کی ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۹ ص ۲۳۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اس اشکال کے جواب میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

علامہ نووی نے اس کے جواب میں شرح المہذب میں لکھا کہ تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ معوذتین اور سورہ فاتحہ قرآن مجید میں شامل ہیں اور جو شخص ان میں سے کسی چیز کا بھی انکار کرے گا وہ کافر ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار منقول ہے وہ نقل باطل ہے اور روایت صحیح نہیں ہے۔ شیخ ابو محمد بن حزم نے بھی محلی میں اس روایت کو جھوٹ قرار دیا ہے۔ امام رازی نے بھی تفسیر کبیر میں اس نقل کو جھوٹ اور باطل قرار دیا ہے۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ روایات صحیح ہوں تو ان کی توجیہ یہ ہے کہ ہرچند کہ حضرت ابن مسعود کے نزدیک معوذتین کا قرآن ہونا ثابت تھا لیکن ان کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معوذتین کا قرآن مجید میں لکھوانا ثابت نہیں تھا (اگرچہ دوسرے صحابہ کے نزدیک لکھوانا بھی ثابت تھا) اس لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ معوذتین کے لکھنے پر رد فرماتے تھے۔ امام رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ فی نفسہ اگرچہ معوذتین کا قرآن ہونا متواتر ہے لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ متواتر نہیں تھا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۴۴۳-۴۴۲' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ شرح مواقف میں ہے قرآن مجید کی بعض سورتوں میں جو بعض صحابہ کا اختلاف منقول ہے وہ اخبار آحاد سے منقول ہے اور ان سورتوں کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت ہے اور آحاد میں اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ تواتر کے مزاحم ہو سکیں اور نہ ظن' یقین کے معارض ہو سکتا ہے۔ (روح المعانی ج ۳۰ ص ۲۷۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے حافظ الہیثمی سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے یا ثقہ ہے' اور اب آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ نقل باطل ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ صرف سند کے صحیح ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ حدیث کی سند صحیح ہو اور اس کے متن میں کوئی علت خفیہ قادحہ ہو اور وہ حدیث معلل ہو یا اس میں شذوذ ہو اور وہ حدیث شاذ ہو اور یہ دونوں امر صحت حدیث کے منافی ہیں۔ یہ حدیث شاذ اس لیے ہے کہ یہ زیادہ صحیح راویوں کی روایت کے خلاف ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں : حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا آج رات مجھ پر ایسی آیات نازل کی گئی ہیں جن کی مثل نہیں دیکھی گئی قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ

marfat.com
Marfat.com

برب الناس (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۸۵ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں علت خفیہ یہ ہے کہ یہ تواتر اور اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔ لہٰذا یہ حدیث شاذ اور معلل ہے اس لیے یہ حدیث غیر صحیح اور غیر معتبر ہے اور لائق استدلال نہیں ہے۔

ایک اور توجیہ یہ کی گئی ہے کہ حضرت ابن مسعود نے معوذتین کے قرآن ہونے کا انکار اس وقت کیا تھا جب انہیں ان کے قرآن ہونے کا علم نہیں ہوا تھا اور جب ان کو ان کے قرآن ہونے کا علم ہو گیا اور تواتر اور اجماع سے ان کا قرآن ہونا ثابت ہو گیا تو حضرت ابن مسعود بھی معوذتین کے قرآن ہونے پر ایمان لے آئے' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ عاصم کی قرأت از زرعہ از ابن مسعود ہے اور اس میں سورہ فاتحہ بھی ہے اور معوذتین بھی ہیں' اور یہ چیز سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن مسعود سے ثابت ہے۔

حضرت ابن مسعود نے جس طرح معوذتین کو اپنے مصحف میں نہیں لکھا تھا اسی طرح انہوں نے سورہ فاتحہ کو بھی اپنے مصحف میں نہیں لکھا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سورہ فاتحہ کا ان کے نزدیک قرآن ہونا اس قدر جلی اور واضح تھا کہ اس کو لکھ کر محفوظ کرنے کی ان کے نزدیک ضرورت نہیں تھی' کیونکہ سورہ فاتحہ کو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے' سو اس طرح کی توجیہ معوذتین کے متعلق بھی کی جا سکتی ہے۔ تاہم قطعی اور یقینی بات یہ ہے کہ سورہ فاتحہ اور معوذتین کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت ہے اور حضرت ابن مسعود کا انکار خبر واحد سے ثابت ہے اور خبر واحد خبر متواتر کے مزاحم نہیں ہو سکتی۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے اپنے مصحف میں دعاء قنوت اللھم انا نستعینک ونستغفرک الخ بھی لکھی ہوئی تھی اور اس کا نام سورہ خلع اور سورہ حفد رکھا تھا اور موجودہ قرآن میں یہ سورت نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں کمی بیشی ہوئی ہے۔

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں :

ابو اسحاق بیان کرتے ہیں کہ ہم کو امیہ بن عبداللہ بن خالد نے خراسان میں نماز پڑھائی اور دو سورتوں میں سے انا نستعینک و نستغفرک الخ پڑھا اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح ہیں۔
(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۵۷ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں :

حضرت ابن مسعود کے مصحف میں ایک سو بارہ سورتیں تھیں کیونکہ انہوں نے معوذتین کو نہیں لکھا' اور حضرت ابی بن کعب کے مصحف میں ایک سو سولہ سورتیں ہیں کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کے آخر میں دو سورتیں حفد اور خلع لکھی ہیں۔

امام ابو عبید نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے اپنے مصحف میں فاتحۃ الکتاب' معوذتین اور اللھم انا نستعینک واللھم ایاک نعبد لکھا۔ حضرت ابن مسعود نے ان کو ترک کر دیا اور حضرت عثمان نے ان میں سے فاتحۃ الکتاب اور معوذتین کو لکھا۔ (الاتقان ج ۱ ص ۶۵ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

حافظ سیوطی نے اپنی تفسیر کے آخر میں سورۃ الخلع اور سورۃ الحفد سے متعلق روایات جمع کی ہیں۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۴۲۰-۴۲۱ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

Marfat.com

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کلام اللہ کے اس مجموعہ کا نام ہے جو تواتر سے ثابت ہے اور سورہ فلق اور سورہ صمد اخبار آحاد سے ثابت ہیں لہٰذا یہ قرآن نہیں ہیں اور حضرت ابی بن کعب کی طرف سے توجیہ یہ ہے کہ وہ ان کو بہ طور قنوت اور دعا کے اپنے مصحف میں لکھتے تھے بہ اعتبار قرآن کے نہیں لکھتے تھے۔

قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگانے کی تاریخ اور تحقیق

شروع میں جب قرآن مجید کو لکھا جاتا تھا تو قرآن مجید کے حروف پر نقطے نہیں لگائے جاتے تھے اور نہ حرکات' سکنات اور اعراب لگائے جاتے تھے اور نہ رموز اوقاف تھے' کیونکہ اہل عرب اپنی زبان اور محاورہ کی مدد سے نقطوں اور حرکات' سکنات اور اعراب کے بغیر بالکل صحیح قرآن پڑھ لیتے تھے' اور نہ انہیں کسی فقرہ کو ملانے یا اس پر وقف کرنے کے لیے رموز اوقاف کی ضرورت تھی' وہ اہل زبان تھے اور ان تمام چیزوں سے مستغنی تھے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصحف تیار کرایا تھا وہ بھی ان تمام چیزوں سے معریٰ تھا' پھر جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا اور غیر عرب لوگ مسلمان ہوتے گئے اور وہ اہل زبان نہ ہونے کی وجہ سے قرأت میں غلطیاں کرنے لگے تو پھر قرآن مجید کی کتابت میں ان تمام چیزوں کا اہتمام اور التزام کیا گیا۔ سب سے پہلے قرآن مجید کے حروف پر نقطے لگائے گئے' پھر حرکات سکنات اور اعراب لگائے گئے' پھر قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کے لیے قرأت اور تجوید کے قواعد مقرر کئے گئے' اور عام لوگوں کی سہولت کے لیے قرآن کریم کی آیتوں پر رموز اوقاف کو لکھا گیا۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

عبدالملک بن مروان نے مصحف کے حروف کو متشکل کرنے اور ان پر نقطے لگانے کا حکم دیا اس نے اس کام کے لیے حجاج بن یوسف کو شہر واسط میں فارغ کر دیا' اس نے بہت کوشش سے اس کام کو انجام دیا اور اس میں احزاب کا اضافہ کیا' اس وقت حجاج عراق کا گورنر تھا' اس نے حسن اور یحییٰ بن یعمر کے ذمہ یہ کام لگایا' اس کے بعد واسط میں ایک کتاب لکھی جس میں قرأت کے متعلق مختلف روایات کو جمع کیا' بڑے عرصہ تک لوگ اسی کتاب پر عمل کرتے رہے حتی کہ ابن مجاہد نے قراءات میں ایک کتاب لکھی۔

زبیدی نے کتاب الطبقات میں مبرد کے حوالے سے یہ لکھا ہے جس شخص نے سب سے پہلے مصحف کے حروف پر نقطے لگائے وہ ابوالاسود الدؤلی (متوفی ۶۹ھ) ہیں اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ابن سیرین کے پاس ایک مصحف تھا' جس پر یحییٰ بن یعمر نے نقطے لگائے تھے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۳۳' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں :

ابوالاسود الدؤلی کا پورا نام ہے : ظالم بن عمرو بن سفیان بن جندل بن یعمر بن حلس بن نفاثہ بن عدی بن الدیل بن بکر الدیلی' یہ وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے علم نحو کو وضع کیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو بتایا کہ کلام کی کل تین قسمیں ہیں اسم' فعل اور حرف اور فرمایا اس بنیاد پر تم قواعد تحریر کرو۔

ایک قول یہ ہے کہ ابوالاسود عراق کے گورنر زیاد کے بچوں کو پڑھاتا تھا' ایک دن وہ زیاد کے پاس گیا اور کہا اللہ امیر کی خیر کرے' میں دیکھتا ہوں کہ عربوں کے ساتھ بہ کثرت عجم مخلوط ہو گئے ہیں اور ان کی زبان متغیر ہو گئی ہے' کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں ان کے لیے ایسے قواعد تحریر کروں جس کی بنا پر وہ درست طریقہ سے عربی بولیں؟ زیاد نے کہا

marfat.com
Marfat.com

نہیں؟ پھر ایک دن ایک شخص نے زیاد سے کہا توفی ابانا وترک بنون' زیاد نے حیرت سے کہا توفی ابانا وترک بنون؟ (کہنا چاہیے تھا توفی ابونا وترک بنین' ہمارا باپ فوت ہو گیا اور اس نے بیٹے چھوڑے ہیں' گویا اس نے عربی زبان میں گرامر کی غلطی کی) تب زیاد نے کہا ابوالاسود کو بلاؤ' جب وہ آیا تو اس سے کہا : لوگوں کے لیے وہ قواعد تحریر کرو جن سے میں نے پہلے تم کو منع کیا تھا۔

ایک قول یہ ہے کہ زیاد نے از خود ابوالاسود سے اس علم کی فرمائش کی لیکن اس نے زیاد سے معذرت کر لی' پھر ایک دن ابوالاسود نے ایک شخص سے سنا وہ سورہ توبہ کی آیت غلط پڑھ رہا تھا :

إِنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَرَسُوْلُهٗ (التوبہ:۳) اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہیں۔

اس آیت میں رسولہ میں رسول پر پیش ہے' وہ شخص زیر پڑھ رہا تھا اور اس سے یہ معنی ہو جاتا ہے : "اللہ مشرکوں اور اپنے رسول سے بیزار ہے۔ العیاذ باللہ! تب ابوالاسود' زیاد کے پاس گیا اور کہا میں اب عربی قواعد لکھنے پر تیار ہوں' اس وقت ابوالاسود نے زبر کی علامت حرف کے اوپر ایک نقطہ قرار دی (ـــٙ) اور پیش کی علامت حرف کے سامنے ایک نقطہ قرار دی (ـــ) اور زیر کی علامت حرف کے نیچے ایک نقطہ قرار دی (ـــِ) ابوالاسود ۶۹ھ میں بصرہ میں طاعون کی بیماری میں فوت ہوا اس کی عمر ۸۵ سال تھی۔ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۵۳۹-۵۳۵' ملخصاً مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران' ۱۳۶۴ھ)

حافظ ابن عساکر نے اس واقعہ کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک شخص نے سورہ توبہ کی اسی آیت کو غلط پڑھا تو حضرت عمر نے ابوالاسود کو قرآن مجید کے قواعد مرتب کرنے کا حکم دیا۔ (مختصر تاریخ دمشق' مطبوعہ دار الفکر ۱۴۰۴ھ)

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ عراق کے گورنر زیاد کے کہنے سے ابوالاسود نے عربی زبان کے قواعد مرتب کئے۔ (البدایہ و النہایہ ج ۸ ص ۳۱۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ)

علامہ زرقانی لکھتے ہیں :

عبدالملک بن مروان نے حجاج کو یہ حکم دیا کہ قرآن مجید پر نقطے لگائے جائیں اور حجاج نے نصر بن عاصم اللیثی اور یحییٰ بن یعمر العدوانی کو اس کام کے لیے مقرر کیا' یہ دونوں' ابوالاسود الدؤلی کے شاگرد تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ابوالاسود نے سب سے پہلے نقطے لگائے اور اس پر مورخین کا اتفاق ہے کہ جب ابوالاسود نے ایک شخص کو سورہ توبہ کی آیت غلط پڑھتے سنا تو اس نے علم نحو ایجاد کیا اور زبر' زیر اور پیش کے لیے نقطوں کی علامات وضع کیں۔ ایک عرصہ تک حرکات اور اعراب کے لیے یہی علامات رائج رہیں لیکن چونکہ ان علامات کا نقطوں کے ساتھ التباس اور اشتباہ تھا اس لیے پھر زبر زیر اور پیش کے لیے ـَـ ـِـ ـُـ اس طرح کی علامات مقرر کر دی گئیں۔ (مناہل العرفان ج ۱ ص ۴۰۰-۴۰۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

عبدالملک بن مروان ۶۱ھ میں سریر آرائے سلطنت ہوا اور ۸۶ھ میں فوت ہوا' اور ابوالاسود ۶۹ھ میں فوت ہوا' اس کا مطلب یہ ہے کہ ۶۱ھ اور ۶۹ھ کے درمیان میں قرآن مجید پر نقطے اور اعراب لگائے گئے۔

قرآن مجید پر رموز اوقاف لگانے کی تاریخ اور تحقیق

قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وقف اور وصل کا صحیح علم حاصل کیا جائے' یعنی کس جملہ کو

Marfat.com

دوسرے جملہ یا کسی لفظ کو دوسرے لفظ کے ساتھ ملا کر پڑھنا ہے یا کسی جملہ اور لفظ کو دوسرے جملہ اور لفظ سے جدا کر کے پڑھنا ہے اردو میں اس کی مثال ہے روکو' مت جانے دو اگر روکو پر وقف کر لیا جائے تو اس کا معنی روکنا ہے اور روکو مت' پر وقف کر کے جانے دو پڑھا جائے تو اس کا معنی نہ روکنا ہے' قرآن مجید سے اس کی حسب ذیل دو واضح مثالیں ہم پیش کر رہے ہیں :

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ (ال عمران : ۷)

اور اس کی (آیات متشابہات کی) تاویل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔

اس آیت میں اگر الا اللہ پر وقف کیا جائے تو یہی معنی ہو گا جو ہم نے لکھا ہے اور اگر والراسخون فی العلم پر وقف کیا جائے تو معنی بدل جائے گا اور اب یوں معنی ہو گا آیات متشابہات کی تاویل کو اللہ اور علماء راسخین کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (التوبہ : ۲۰-۱۹)

اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا' جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔۔۔۔

اس آیت میں اگر القوم الظلمین پر وقف کیا جائے تو یہی معنی ہو گا جو ہم نے لکھا ہے اور اگر اس پر وقف نہ کیا اور اس کو دوسری آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو پھر یہ معنی ہو گا اللہ ان ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا' اور ایسے لوگوں کو ظالم کہنا قرآن مجید کی بہت ساری آیتوں کی تکذیب ہے اور قرآن مجید کی تکذیب کفر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں صحیح جگہ پر وقف نہ کرنا قرآن مجید کے معنی اور منشاء کو بدل دیتا ہے اور بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

اہل عرب اپنی زبان دانی کی وجہ سے جس طرح بغیر اعراب کے قرآن مجید کو صحیح پڑھنے پر قادر تھے اسی طرح وہ قرآن مجید کو پڑھتے وقت صحیح جگہ پر وقف کرتے تھے اور ان سے معنی میں کوئی غلطی واقع نہیں ہوتی تھی لیکن جب اسلام کا پیغام عرب کے باہر پہنچا اور عربی زبان سے ناواقف لوگوں نے قرآن مجید کو پڑھنا شروع کیا تو معانی سے لاعلمی کی وجہ سے وہ غلط جگہ پر وقف کرنے لگے' اس لیے اس وقت کے علماء نے قرآن مجید کی آیات پر رموز اوقاف لگانے کی ضرورت محسوس کی۔ سب سے پہلے اس موضوع پر امام احمد بن یحییٰ الشعلب النحوی المتوفی ۲۹۱ھ نے کتاب الوقف والابتداء کے نام سے کتاب لکھی۔ اس طرح تیسری صدی ہجری میں قرآن مجید کی آیات پر رموز اوقاف لگائے گئے۔

قرآن مجید کی آیات پر وقف کرنے کی اصل یہ حدیث ہے۔

امام طحاوی روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا : ایک بڑے عرصہ تک ہمارا یہ معمول رہا کہ ہم میں سے کوئی شخص قرآن پڑھنے سے پہلے ایمان لے آتا تھا' سیدنا حضرت محمد ﷺ پر کوئی سورت نازل ہوتی' ہم اس سورت کے حلال اور حرام کا علم حاصل کرتے' اور اس چیز کا علم حاصل کرتے کہ اس سورت میں کہاں کہاں وقف کرنا چاہیے جس طرح تم آج کل

marfat.com
Marfat.com

قرآن کا علم حاصل کرتے ہو' اور اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ لوگ ایمان لانے سے پہلے قرآن کو پڑھ لیتے ہیں' وہ فاتحہ سے لے کر آخر قرآن تک قرآن پڑھتے ہیں اور ان سے کسی کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ قرآن نے کس چیز کا حکم دیا ہے' اور کس چیز سے منع کیا ہے' اور نہ اس کو یہ پتا ہوتا ہے کہ قرآن کی آیتوں میں کس کس جگہ وقف کرنا چاہئے۔ (شرح مشکل الآثار ج ۴ ص ۸۵' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث کو امام حاکم (۱) اور امام بیہقی (۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

حافظ الہیثمی نے فرمایا اس حدیث کو امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۵' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں :

الوقف والابتداء کے موضوع پر حسب ذیل علماء اور ائمہ نے کتابیں تصنیف کی ہیں :

امام ابو سعید حسن بن عبد اللہ السیرافی المتوفی ۳۶۸ھ' امام ابو جعفر احمد بن محمد النحاس النحوی المتوفی ۳۳۸ھ' امام احمد بن یحییٰ الثعلب النحوی المتوفی ۲۹۱ھ' امام محمد بن حسن الرؤاسی' امام ابن مقسم محمد بن الحسن المتوفی ۳۵۵ھ' امام ابو بکر محمد بن القاسم بن بشار الانباری المتوفی ۳۲۸ھ' امام محمد بن محمد بن عبد الرشید بن طیفور السجاوندی المتوفی ۶۰۰ھ' امام ابو عمرو عثمان الدانی المقرء المتوفی ۴۴۴ھ' امام الزجاج النحوی المتوفی ۳۱۰ھ' امام برھان الدین ابراہیم بن عمر الجعبری المتوفی ۷۳۲ھ' امام ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن عباد المقری النحوی المتوفی ۳۳۴ھ' امام ابو محمد عبد السلام بن علی بن عمر الزوادی المتوفی ۶۸۱ھ (کشف الظنون ج ۲ ص ۱۷۰۴' مطبوعہ مطبع اسلامیہ طہران' ۱۳۷۸ھ)

وقف کی پانچ مشہور اقسام ہیں : وقف لازم' وقف مطلق' وقف جائز' المرخص بوجہ' اور المرخص ضرورۃ'' ان کی تعریفات اور مثالیں حسب ذیل ہیں:

(وقف لازم) اس کو کہتے ہیں کہ اگر اس جگہ وقف نہ کیا جائے اور ملا کر پڑھا جائے تو ایسا معنی لازم آئے گا جو اللہ کی مراد نہیں ہے' اس کی مثال یہ ہے:

وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ۘ يُخَادِعُونَ اللَّهَ (البقرہ : ۸-۹)

(وہ منافق) مومن نہیں ہیں' وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔

اگر اس جگہ بمؤمنین پر وقف نہ کیا جائے اور اس کو یخدعون اللہ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو یہ معنی ہو گا' وہ منافق ایسے مومن نہیں ہیں جو اللہ کو دھوکا دیں' حالانکہ مراد یہ ہے کہ وہ مطلقاً مومن نہیں ہیں۔

(وقف مطلق) وہ ہے جس کو ملائے بغیر ابتدا" پڑھنا مستحسن ہو' اس کی مثال یہ ہے :

وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ (النور : ۵۵)

اللہ' ان کے خوف کے بعد ان کی حالت کو ضرور امن سے بدل دے گا' وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دیں گے۔

---

(۱) امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری حنفی ۴۰۵ھ' المستدرک ج ۱ ص ۳۵' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ

(۲) امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی حنفی ۴۵۸ھ' سنن کبریٰ ج ۳ ص ۱۲۰' مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

Marfat.com

پہلے جملہ میں اللہ تعالیٰ کے فعل کا بیان ہے' اور دوسرے جملہ میں بندوں کے فعل کا بیان ہے' اس لیے ان دونوں جملوں کو ملائے بغیر الگ الگ پڑھنا مستحسن ہے۔

وقف جائز وہ ہے جس میں ایک جملہ کو دوسرے جملہ سے ملا کر پڑھنا اور پہلے جملہ پر وقف کر کے دوسرے کو ابتداء پڑھنا دونوں طرح جائز ہو' اس کی مثل یہ آیت ہے :

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ (یوسف : ۲۴)

اگر هم بها پر وقف کیا جائے تو معنی اس طرح ہو گا عزیز مصر کی عورت نے یوسف کے ساتھ برے فعل کا قصد کیا اور یوسف نے اس عورت سے اجتناب کا قصد کیا' اگر یوسف نے زنا کی برائی پر اپنے رب کی برہان کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو وہ اس برائی میں مبتلا ہو جاتے اور اگر "هم بها" کے بعد والے جملہ سے ملا کر پڑھا جائے تو معنی اس طرح ہو گا :

عزیز مصر کی عورت نے یوسف کے ساتھ برے فعل کا قصد کیا' اگر یوسف نے اس فعل کی برائی پر اللہ کی برہان کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ برے فعل کا قصد کر لیتے۔

واضح رہے کہ ہم' کا درجہ عزم سے کم ہوتا ہے' ہم کا معنی ہے کسی فعل کا قصد کیا جائے اور اس میں اس فعل کو نہ کرنے کا بھی پہلو ہو' اور عزم کا معنی ہے کسی فعل کو کرنے کا پختہ قصد ہو اور اس میں اس فعل کو نہ کرنے کا پہلو بالکل نہ ہو۔ اس کی وضاحت ہم نے ولا تعزموا عقدة النكاح (البقرہ : ۲۳۵) میں کر دی ہے۔

المرخص بوجہ جس میں ایک وجہ سے وقف کرنا اور دوسری وجہ سے ملا کر پڑھنا جائز ہو اس کی مثل یہ آیت ہے :

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ (البقرة : ۸۶)

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلہ دنیا کی زندگی خریدی تھی' سو ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔

فلا يخفف عنهم العذاب پہلے جملہ کے لیے بہ منزلہ سبب اور جزاء ہے اور اس کا تقاضا ملا کر پڑھنا ہے۔ اور لفظ فاء ابتداء کو چاہتا ہے اس لیے پہلے جملہ پر وقف کر کے فلا یخفف سے ابتداء پڑھنا بھی جائز ہے۔

المرخص ضرورة' جو لفظ یا جملہ پہلے لفظ یا جملہ سے مستثنیٰ نہ ہو اور اس میں اصل ملا کر پڑھنا ہو' لیکن مسلسل پڑھنے کی وجہ سے انسان کا سانس ٹوٹ جائے اور وہ ملا کر پڑھنے کی بجائے ٹھہر جائے تو اس کی اجازت ہے اور دوبارہ ملا کر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے' اس کی مثل یہ آیت ہے :

اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (البقرہ : ۲۲)

جس ذات نے تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا۔

انزل من السماء میں انزل کی ضمیر الذی کی طرف لوٹ رہی ہے اس لیے یہ جملہ پہلے جملہ سے مستثنیٰ نہیں ہے اور ان کو ملا کر پڑھنا چاہیے لیکن اگر طول کلام کی وجہ سے پڑھنے والے کا سانس ٹوٹ جائے اور وہ السماء بناء پر وقف کرے تو اس کی اجازت ہے کیونکہ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً کو الگ پڑھنے سے بھی اس کا معنی سمجھ میں آ جاتا ہے۔

جس جگہ ملا کر پڑھنا ضروری ہے اور وقف کرنا جائز نہیں ہے یہ وہ کلام ہے جو شرط اور جزاء پر مشتمل ہو' شرط اور جزا کو ملا کر پڑھنا ضروری ہے اور شرط پر وقف کرنا جائز نہیں ہے یا کلام مبتدا اور خبر پر مشتمل ہو تو مبتدا پر وقف کرنا صحیح

marfat.com
Marfat.com

مثلاً یہ کہ اسی طرح موصوف اور صفت کو ملا کر پڑھنا چاہئے اور موصوف پر وقف نہ کیا جائے۔ اس کی مثال یہ ہے :

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ (البقرہ : ۲۶-۲۷)

اور اللہ صرف فاسقوں کو گمراہ کرتا ہے جو اللہ کے عہد کو پکا کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔

اس آیت میں الذین ینقضون' الفاسقین کی صفت ہے' اس لیے ان کو ملا کر پڑھا جائے۔

رموز اوقاف کی تفصیل حسب ذیل ہے :

م : وقف لازم

ط : وقف مطلق

سکتہ : اس طرح ٹھہرا جائے کہ سانس نہ ٹوٹے' پورے قرآن مجید میں صرف سات جگہ یہ علامت ہے۔

مذکور الصدر علامات پر وقف کرنا ضروری ہے۔

لا : جب ۵ اورہ کے بغیر "لا" ہو تو ملا کر پڑھنا ضروری ہے' اس کی مثال یہ آیت ہے :

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (البقرہ : ۸۹)

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب آگئی' جو اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس (اصل آسمانی کتاب) ہے حالانکہ وہ (یہود) اس سے پہلے (اس کتاب اور صاحب کتاب کے وسیلہ سے) کفار کے خلاف فتح کی دعا کرتے تھے۔

وکانوا من قبل' کا جملہ' سابقہ جملہ کی "ھم" ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے اور حال اور ذوالحال میں فصل نہیں ہوتا اس لیے یہاں ملا کر پڑھنا ضروری ہے۔

حسب ذیل مقامات پر وصل کر کے پڑھنا اولیٰ ہے۔

ز : وقف مجوز

ج۔ز : وقف جائز و مجوز

ق : وقف کا قول ضعیف ہے

صلی : وصل کر کے پڑھنا اولیٰ ہے۔

اور جہاں قف لکھا ہو اس کا معنی ہے وقف کرنا اولیٰ ہے۔

صل : ملاؤ۔

۵ : اس کا مطلب ہے اس کے وقف یا وصل میں اختلاف ہے۔

ہ : وقف اور وصل دونوں جائز ہیں۔

ج : وقف کرنا جائز ہے۔

ص : وقف کی رخصت ہے۔

قرآن مجید میں جب ایک مضمون ختم ہو جاتا ہے تو وہاں رکوع کی علامت ع لکھی ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں کل ۵۵۸

Marfat.com

رکوع ہیں' یہ معلوم نہیں ہو سکا اس کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی۔ قرآن مجید میں سورتوں کے اسماء اور آیتوں کی تعداد لکھنے کا بھی پہلے رواج نہیں تھا' حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اس کا بہ کثرت رواج ہے اور علماء سلف کی اتباع کرنا اولیٰ ہے۔ (تفسیر القرآن ج ۷ ص ۴۵۱' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ)

فتاویٰ عالم گیری میں مذکور ہے : قرآن مجید میں سورتوں کے اسماء اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہرچند کہ یہ ایک نیا کام ہے لیکن یہ بدعت حسنہ ہے' اور کتنے ہی کام نئے ہیں اور وہ بدعت حسنہ ہیں اور کتنی چیزوں کا حکم زمان اور مکان کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے۔ (فتاویٰ عالم گیری ج ۵ ص ۳۲۳ مطبوعہ مطبع بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

مضامین قرآن کا خاکہ ایک نظر میں

۱۔	قرآن مجید کے پارے	۳۰
۲۔	قرآن مجید کی سورتیں	۱۱۴
۳۔	قرآن مجید کی آیتیں حضرت ابن عباس کی روایت کے مطابق	۶۲۱۶
۴۔	امر	۱۰۰۰
۵۔	نہی	۱۰۰۰
۶۔	وعد	۱۰۰۰
۷۔	وعید	۱۰۰۰
۸۔	قصص و اخبار	۱۰۰۰
۹۔	عبر و امثال	۱۰۰۰
۱۰۔	حرام و حلال	۵۰۰
۱۱۔	دعا	۱۰۰
۱۲۔	منسوخ الحکم آیات (باعتبار شہرت)	۱۲

تفسیر اور تاویل کا لغوی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

فسر کا معنی ہے معقول کا اظہار کرنا' مفرد الفاظ کی تفسیر اور مشکل معنی کے بیان کو تفسیر کہتے ہیں اور کبھی تفسیر پر تاویل کا اطلاق ہوتا ہے' اسی لیے خواب کی تعبیر بیان کرنے کو تفسیر اور تاویل کہتے ہیں۔ (المفردات ص ۳۸۰' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویۃ ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں :

ابن الاعرابی نے کہا فسر کا معنی ظاہر کرنا اور بند چیز کو کھولنا ہے' بصائر میں ہے معنی معقول کو منکشف کرنا فسر ہے' نیز فسر کا معنی' طبیب کا پیشاب کا معائنہ کرنا ہے' تفسرہ اس پیشاب کو کہتے ہیں جس سے مریض کے مرض پر استدلال کیا جاتا ہے' اس کا طبیب معائنہ کرتے ہیں' اور اس کے رنگ سے مریض کے مرض پر استدلال کرتے ہیں' تفسیر اور تاویل دونوں کا ایک معنی ہے۔ یا تفسیر مشکل لفظ کی مراد کے بیان کرنے کو کہتے ہیں' اور تاویل دو احتمالوں میں سے کسی ایک احتمال کے ترجیح دینے

marfat.com
Marfat.com

کو کہتے ہیں جو ظاہر عبارت کے مطابق ہو' لسان العرب میں اسی طرح مذکور ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو مجمل قصے ہیں ان کی شرح کرنا اور مشکل الفاظ کے معانی بیان کرنا اور آیات کا شان نزول بیان کرنا تفسیر ہے اور معانی متشابہ کو بیان کرنا تاویل ہے اور جن الفاظ کا غور و فکر کیے بغیر قطعیت کے ساتھ معنی معلوم نہ ہو سکے۔ وہ متشابہ ہیں۔ (تاج العروس ج ۳ ص ۴۷۰' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں :

تفسیر کا لغوی معنی ہے کشف اور ظاہر کرنا اور اصطلاحی معنی ہے واضح لفظوں کے ساتھ آیت کے معنی کو بیان کرنا اس سے مسائل مستنبط کرنا' اس کے متعلق احادیث و آثار بیان کرنا اور اس کا شان نزول بیان کرنا۔ (کتاب التعریفات ص ۳۸' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

تاویل کا لغوی معنی ہے لوٹانا اور اصطلاح شرع میں' ایک لفظ کو اس کے ظاہری معنی سے ہٹا کر ایک ایسے معنی پر محمول کرنا جس کا وہ احتمال رکھتا ہو اور وہ احتمال کتاب اور سنت کے موافق ہو' مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :"یخرج الحی من المیت" "وہ مردے سے زندہ کو نکالتا ہے" اگر اس آیت میں انڈے سے پرندے کو نکالنا مراد ہو تو تفسیر ہے اور اگر کافر سے مومن کو پیدا کرنا یا جاہل سے عالم کو پیدا کرنا مراد ہو تو یہ تاویل ہے۔ (کتاب التعریفات ص ۴۲ ' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

تفسیر کی اصطلاحی تعریف

علامہ ابو الحیان اندلسی لکھتے ہیں :

تفسیر وہ علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت نطق' ان کے مدلولات' ان کے مفرد اور مرکب ہونے کے احکام' حالت ترکیب میں ان کے معانی اور ان کے تتمات سے بحث کی جاتی ہے۔ (البحر المحیط ج ۱ ص ۳۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

الفاظ قرآن کی کیفیت نطق سے مراد علم قراءات ہے' الفاظ قرآن کے مدلولات سے مراد ان الفاظ کے معانی ہیں اور اس کا تعلق علم لغت سے ہے' مفرد اور مرکب کے احکام' اس سے مراد علم صرف' علم نحو (عربی گرامر) اور علم بیان اور علم بدیع (فصاحت اور بلاغت) ہے اور حالت ترکیب میں الفاظ قرآن کے معانی سے مراد یہ ہے کہ کبھی لفظ کا ظاہری معنی مراد نہیں ہوتا اور اس کو مجاز پر محمول کیا جاتا ہے' اس کا تعلق علم معانی اور بیان سے ہے اور تتمات سے مراد' ناسخ اور منسوخ کی معرفت' آیات کا شان نزول اور مبہمات قرآن کا بیان کرنا ہے۔

علامہ ابن الجوزی لکھتے ہیں :

کسی چیز کو (جہالت کی) تاریکی سے نکال کر (علم کی) روشنی میں لانا تفسیر ہے' اور کسی لفظ کو اس کے اصل معنی سے نقل کر کے دوسرے معنی پر محمول کرنا تاویل ہے۔ جس کی وجہ ایسی دلیل ہو کہ اگر وہ دلیل نہ ہوتی تو اس لفظ کو اس کے ظاہر سے نہ ہٹایا جاتا۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۴' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

تفسیر اور تاویل کا فرق

جس لفظ کا صرف ایک معنی ہو اس کو بیان کرنا تفسیر ہے اور جس لفظ کے کئی معانی ہوں تو دلیل سے کسی ایک معنی کو بیان کرنا تاویل ہے' امام ماتریدی نے کہا ہے کہ قطعیت سے بیان کرنا کہ اس لفظ کا یہ معنی ہے' اور اس بات کی شہادت دینا

Marfat.com

کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ سے یہ معنی مراد لیا ہے' یہ تفسیر ہے' سو اگر کسی دلیل قطعی کی بناء پر یہ شہادت دی گئی ہے تو یہ تفسیر صحیح ہے ورنہ تفسیر بالرائے ہے' اور یہ منع ہے' اور لفظ کے کئی محتملات میں سے کسی ایک احتمال کو بغیر قطعیت اور شہادت کے متعین کرنا تاویل ہے' اور ابوطالب ثعلبی نے بیان کیا ہے کہ لفظ کی حقیقت اور مجاز کو بیان کرنا تفسیر ہے' جیسے صراط کی تفسیر راستہ ہے اور صیب کی تفسیر بارش ہے اور تاویل لفظ کے باطن کو بیان کرنا ہے مثلاً ان ربك لبالمرصاد (الفجر : ۱۴) اس کا لفظی معنی ہے : بے شک آپ کا رب ضرور گھات میں ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ وہ نافرمانوں کو دیکھ رہا ہے اور اس سے ان کو نافرمانی کرنے سے ڈرایا گیا ہے۔ تاویل میں دلیل قطعی سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ یہاں لفظ کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے۔ علامہ اصبہانی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ تفسیر کا معنی ہے قرآن کے معانی کو بیان کرنا' کبھی اس میں مشکل الفاظ کے معانی بیان کئے جاتے ہیں مثلاً بحیرہ' سائبہ اور وصیلہ کے معانی اور کبھی کوئی کلام کسی قصہ کو متضمن ہوتا ہے اور اس قصہ کے بیان کیے بغیر اس کلام کی معرفت نہیں ہوتی۔ مثلاً

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ تقدیم و تاخیر کفر میں زیادتی کے سوا کچھ نہیں۔

(التوبہ : ۳۷)

یہ آیت اس قصہ کو متضمن ہے کہ کفار اپنی ہوائے نفس کی بناء پر مہینوں کو آگے پیچھے کر دیتے تھے۔ اور تاویل میں کبھی لفظ کو عموم پر محمول کیا جاتا ہے اور کبھی خصوص پر' مثلاً ایمان کا لفظ مطلقاً" تصدیق کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے اور تصدیق شرعی کے لیے بھی استعمال کیا گیا ہے۔

اور کبھی ایک لفظ جو کئی معنی میں مشترک ہوتا ہے اس کے کسی ایک معنی کی تعیین کی جاتی ہے جیسے قرء یہ حیض اور طہر دونوں میں مشترک ہے۔ بعض علماء نے کہا تفسیر کا تعلق روایت کے ساتھ ہے اور تاویل کا تعلق درایت کے ساتھ ہے' اور ابونصر قشیری نے کہا تفسیر اتباع اور سماع میں منحصر ہے اور تاویل کا تعلق استنباط کے ساتھ ہے' علامہ بغوی اور کواشی نے کہا کہ آیت جس معنی کا احتمال رکھتی ہو اور اس کا سیاق اور سباق اس کے موافق ہو اور وہ معنی کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو تو استنباط کے طریقہ سے آیت کو اس معنی پر محمول کرنا تاویل ہے' اور بعض علماء نے تفسیر کا یہ معنی بیان کیا' آیات کے اسباب نزول اور ان کے قصص اور ان کے مکی اور مدنی ہونے کا علم اور ان کے محکم' متشابہ' ناسخ' منسوخ' خاص' عام' مطلق' مقید' مجمل' مفسر' حلال' حرام' وعد' وعید' امر' نہی عبر اور امثال کا علم تفسیر ہے' اور علامہ زرکشی نے کہا تفسیر وہ علم ہے جس سے اس کتاب کی فہم حاصل ہوتی ہے جو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے' اور اس کے معانی کا بیان اور اس کے احکام کا استخراج معلوم ہوتا ہے' اور علم لغت' نحو' صرف' علم بیان' اصول فقہ اور قراءات سے اس میں مدد حاصل ہوتی ہے اور اس کی معرفت کے لیے اسباب نزول اور ناسخ اور منسوخ کو جاننے کی ضرورت ہے۔ (الاتقان ج ۲ ص ۱۷۴۔۱۷۳ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

علم تفسیر کا فائدہ قرآن مجید کے معانی کی معرفت ہے اور اس کی غرض سعادت دارین ہے' اور اس کا موضوع کلام اللہ لفظی ہے کیونکہ موضوع وہ ہوتا ہے جس کے عوارض ذاتیہ سے اس علم میں بحث کی جاتی ہے اور علم تفسیر میں کلام لفظی کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جاتی ہے۔

تفسیر قرآن کی فضیلت پر عقلی دلائل

Marfat.com

امام راغب اصفہانی نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ تمام صنعتوں میں سب سے افضل صنعت قرآن مجید کی تفسیر اور تاویل ہے کیونکہ صنعت کی فضیلت یا تو اس کے موضوع کے اعتبار سے ہوتی ہے' جیسے کہا جاتا ہے کہ سنار کی صنعت دباغ کی صنعت سے افضل ہے کیونکہ سنار کا موضوع سونا اور چاندی ہے اور دباغ (کھال رنگنے والا) کا موضوع مردار کی کھال ہے' یا صنعت کی فضیلت اس کی غرض کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے طب کی صنعت جمعدار کی صنعت سے افضل ہے کیونکہ طب کی غرض صحت کا افادہ کرنا ہے اور جمعداری کی غرض بیت الخلاء کی صفائی ہے' نیز صنعت کی فضیلت صورت کے اعتبار سے ہوتی ہے' جیسے تلوار کی صنعت بیڑیاں بنانے کی صنعت سے افضل ہے۔

اور صنعت تفسیر ان تینوں جہات کے اعتبار سے تمام صنعتوں سے افضل ہے' کیونکہ اس کا موضوع اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ہر حکمت کا منبع اور ہر صورت کا معدن ہے اور اس کی صورت اللہ تعالیٰ کے مخفی اسرار کا اظہار ہے اور تدوین شریعت ہے اور یہ ہر صورت سے افضل ہے اور اس کی غرض سعادت حقیقیہ تک پہنچنا اور خیر کثیر کا حصول ہے جو ہر غرض سے افضل ہے قرآن مجید میں ہے :

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ اور جسے حکمت دی گئی تو بے شک اسے خیر کثیر دی گئی۔

(البقرہ : ۲۶۹)

ایک قول یہ ہے کہ خیر کثیر سے مراد قرآن کریم کی تفسیر ہے۔

تفسیر قرآن کی فضیلت کے متعلق احادیث اور آثار

علامہ ابن عطیہ لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ قرآن کا کون سا علم افضل ہے؟ آپ نے فرمایا : اس کی عربیت' سو تم اس کو شعر میں تلاش کرو' نیز نبی ﷺ نے فرمایا : قرآن مجید کے معانی کی فہم حاصل کرو' اور اس کے مشکل الفاظ کے معنی تلاش کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے معانی کی معرفت حاصل کرنے کو پسند کرتا ہے (اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے حضرت ابن مسعود سے اور امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

قاضی ابو محمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ قرآن مجید کے اعراب شریعت میں اصل ہیں' کیونکہ اسی کے ذریعہ وہ معانی حاصل ہوتے ہیں جو شرع میں مطلوب ہیں۔

قاضی ابو العالیہ نے ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا کی تفسیر میں کہا حکمت سے مراد قرآن کی فہم ہے' اور قتادہ نے کہا حکمت سے مراد قرآن میں تفقہ کرنا ہے اور دوسرے علماء نے کہا حکمت سے مراد قرآن کی تفسیر ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے علم کی تعریف کی' ان سے ایک شخص نے کہا میں آپ پر قربان جاؤں' آپ کا خود اتنا عظیم مقام ہے اور آپ حضرت جابر کی تعریف کر رہے ہیں؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا : حضرت جابر کو قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر کا علم ہے : ان الذی فرض علیک القران لرادک الی معاد۔

Marfat.com

شعبی نے کہا مسروق نے ایک آیت کی تفسیر کے لیے بصرہ کا سفر کیا' وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ جو شخص اس آیت کی تفسیر کرتا تھا وہ شام چلا گیا ہے پھر وہ شام پہنچے اور اس شخص سے اس آیت کی تفسیر کا علم حاصل کیا۔

ایاس بن معاویہ نے کہا : جو لوگ قرآن کریم پڑھتے ہیں اور اس کی تفسیر کو نہیں جانتے' وہ ان لوگوں کی مثل ہیں جن کے پاس اندھیری رات میں بادشاہ کا مکتوب آیا ہو اور ان کے پاس چراغ نہ ہو اور ان کو علم نہ ہو سکے کہ اس میں کیا لکھا ہے اور وہ اس وجہ سے پریشان اور مضطرب ہوں' اور جو لوگ قرآن مجید کی تفسیر جانتے ہیں' ان کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جن کے پاس رات کے وقت بادشاہ کا مکتوب آیا ہو اور اس کے پڑھنے کے لیے ان کے پاس چراغ موجود ہو۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کی تفسیر نہیں جانتا' وہ شعر پڑھنے والے جنگلی کی طرح ہے۔ (یعنی اشعار کی طرح جلدی جلدی پڑھتا ہے)

مجاہد نے کہا اللہ کے نزدیک اس کی مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ شخص ہے جس کو قرآن مجید کا سب سے زیادہ علم ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اس وقت تک مکمل فقیہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو قرآن کی وجوہ کثیرہ کا علم نہ ہو۔

حسن بصری نے کہا غیر عربی ہلاک ہو گئے' ان میں سے ایک شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کی وجوہ (تفسیر) سے جاہل ہوتا ہے' پھر وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا ہے۔

حضرت ابن عباس اپنی مجلس میں پہلے قرآن پڑھتے پھر اس کی تفسیر کرتے پھر حدیث بیان کرتے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر چیز کا علم قرآن میں ہے' لیکن انسان کی عقل اس کو حاصل کرنے سے عاجز ہے۔

علامہ ابو الحیان اندلسی نے بھی ان احادیث اور آثار کو بیان کیا ہے۔ (المحرر الوجیز ج ۱ ص ۴۱-۴۳' المکتبۃ التجاریہ' مکہ مکرمہ)

قرآن مجید کی تفسیر کرنے پر اعتراضات کے جوابات

حافظ الہیثمی نے مسند بزار اور مسند ابو یعلیٰ کے حوالے سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ماسوا ان چند معدود آیات کے جن کا علم حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو پہنچایا ہے' قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر اپنی رائے سے نہ بیان کی جائے۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۰۳' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

علامہ ابو الحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ اور علامہ عبد الرحمان ثعلبی متوفی ۸۷۵ھ نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ان امور کی تفسیر پر محمول ہے جن کا تعلق توقیف سے ہے' مثلاً جن کا تعلق مغیبات سے ہے' جیسے وقت وقوع قیامت کا علم' یا صور پھونکنے کی تعداد اور آسمان و زمین کی تخلیق کی ترتیب کا علم۔ اور اس سے وہ امور خارج ہیں جن کا تعلق بیان لغت' مشکل اعراب قرآن' شان نزول اور احکام کے استخراج اور استنباط سے ہے۔

امام ترمذی حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے قرآن میں اپنی رائے سے صحیح بات بھی کہی تو اس نے خطا کی۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵۸' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

marfat.com
Marfat.com

علامہ آلوسی حنفی ۱۲۷۰ھ نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ اس حدیث کی صحت کے متعلق بحث کی گئی ہے' مدخل میں ہے کہ اس حدیث کی صحت پر اعتراض ہے' اور اگر بالفرض یہ حدیث صحیح ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص نے محض اپنی رائے سے صحیح بات بھی کہی ہے تو اس نے طریقہ میں خطا کی ہے' کیونکہ قرآن مجید کی تفسیر کا طریقہ یہ ہے کہ معنی بیان کرنے کے لئے لغت کی طرف رجوع کیا جائے' اور ناسخ اور منسوخ کو بیان کرنے کے لیے احادیث کی طرف رجوع کیا جائے اور مراد بیان کرنے کے لیے صاحب شرع کی طرف رجوع کیا جائے' اور جب یہ امور نہ ہوں تو پھر غور و فکر کرنے اور آیات سے معانی اور احکام کا استنباط کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ جو شخص قرآن کی تفسیر میں کوئی ایسی بات کہے جو اس کے مذہب کے موافق ہو اور اپنے مذہب کو اصل اور قرآن مجید کو اس کے تابع قرار دے تو اس نے واقعی خطا کی ہے کیونکہ اصل قرآن کریم ہے جو اس کے موافق ہو وہ مقبول ہے اور جو اس کے مخالف ہو وہ مردود ہے۔ اور اس حدیث کا چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث متشابہات پر محمول ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے' تو ان کے متعلق اگر اس نے اپنی رائے سے کوئی صحیح بات بھی کہی تو اس کی خطا یہ ہے کہ اس نے ان آیات میں رائے زنی کی ہے جن میں غور و فکر کی اجازت نہیں ہے' اور اس کا پانچواں جواب یہ ہے کہ جس شخص نے بلادلیل قطعیت کے ساتھ یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے اس نے خطا کی کیونکہ بلادلیل قطعیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مراد بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

امام ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے بغیر علم کے قرآن میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے' نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے' پہلی حدیث حسن صحیح ہے اور دوسری حسن ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

ان حدیثوں کے حسب ذیل جوابات ہیں:

(۱) جس شخص نے بغیر علم کے قرآن مجید کے کسی اشکال کو حل کرنے کی کوشش کی' یہ وعید اس کے متعلق ہے۔

(۲) جس شخص کو علم ہو کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ حق کے خلاف ہے اور محض ہوائے نفس یا انانیت یا اپنی موضوعی فکر کی تائید میں کہہ رہا ہے' وہ اس وعید کا مصداق ہے۔

(۳) جس شخص نے بغیر کسی یقینی یا ظنی دلیل کے کوئی بات کہی یا بغیر کسی ایسی عقلی دلیل کے بات کہی جو قواعد شرع کے مطابق ہو۔

(۴) جس شخص نے ائمہ لغت' ائمہ عربیہ اور ائمہ مجتہدین کی نقل کے بغیر' قرآن مجید کے کسی لفظ کا معنی یا کوئی شرعی حکم بیان کیا۔

(۵) جس شخص نے اسباب نزول اور ناسخ و منسوخ سے متعلق بغیر نقل صحیح کے اپنی طرف سے کوئی بات کہی۔ یہ وعید اس کے متعلق ہے۔

قرآن مجید کی تفسیر کرنے کی مشروعیت اور جواز پر قرآن مجید' احادیث اور آثار سے دلائل

تفسیر کی مشروعیت اور جواز پر قرآن مجید اور احادیث میں بہت دلائل ہیں بعض ازاں یہ ہیں:

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (النساء : ۸۳)

اور اگر وہ اس بات کو رسول کی طرف لوٹا دیتے اور ان کی طرف لوٹا دیتے جو ان میں سے صاحبان امر ہیں' تو اس بات (کی مصلحت) کو وہ لوگ جان لیتے جو کسی بات کا نتیجہ نکالنے کے اہل ہیں۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (محمد : ۲۴)

کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں؟

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْۤا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص : ۲۹)

ہم نے آپ کی طرف کتاب کو نازل کیا ہے یہ مبارک ہے' تاکہ وہ اس میں غور کریں اور عقلمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (العنکبوت : ۴۳)

یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں اور ان کو صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔

امام ابو نعیم اور دیگر ائمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن نرم اور ذو وجوہ ہے (اس کے متعدد محامل ہیں) سو اس کو سب سے بہتر محمل پر محمول کرو۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی (مخصوص) کتاب ہے' فرمایا نہیں' صرف کتاب اللہ یا (استنباط کی) وہ فہم ہے جو مسلمان شخص کو دی گئی ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سینہ سے لگایا اور دعا کی کہ اے اللہ اس کو کتاب کا علم عطا فرما۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سینہ سے لگایا اور دعا کی : "اے اللہ اس کو سنت اور قرآن کی تاویل کا علم عطا فرما۔" (سنن ابن ماجہ ص ۱۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں :

امام حمیدی' امام احمد' امام ابن حبان' امام طبرانی اور امام بغوی وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کے لیے دعا میں فرمایا : اے اللہ اس کو دین کی فقہ (فہم) عطا فرما اور اس کو تاویل کا علم عطا فرما۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۷۰' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

اور امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار میرے لیے حکمت کی دعا کی' اس لیے کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمت سے مراد سنت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا : تم کیا خوب ترجمان

marfat.com
Marfat.com

نزل ہوا (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۷۶، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت ۱۴۰۲ھ)

طبقات مفسرین کا بیان

مفسرین کے چھ مشہور طبقات ہیں :

(۱) دس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں معروف ہیں : حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم۔

خلفاء راشدین میں حضرت علی متوفی ۴۰ھ کی تفسیری روایات باقی خلفاء سے بہت زیادہ ہیں، اور حضرت ابن مسعود متوفی ۳۲ھ کی روایات، حضرت علی سے بھی زیادہ ہیں، حضرت عبداللہ بن عباس متوفی ۶۸ھ، ترجمان القرآن، حبر الامت اور امام المفسرین ہیں، اور ان سے بے شمار تفسیری روایات منقول ہیں، علامہ فیروز آبادی صاحب القاموس کی روایت سے وہ تفسیر چھپ گئی ہے جو حضرت ابن عباس کی طرف منسوب ہے علامہ فیروز آبادی نے اس کا نام "تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس" رکھا ہے۔

اس تفسیر کو حضرت ابن عباس کی تفسیر قرار دینا درست نہیں ہے کیونکہ اس تفسیر کی سند یہ ہے از کلبی از ابی صالح از ابن عباس (الدر المنثور ج ۱ ص ۱، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران) اور محمد بن سائب کلبی کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

لیث بن ابی سلیم نے کہا کوفہ میں دو کذاب تھے ایک کلبی اور دوسرا سدی، یحییٰ بن معین نے کہا یہ کوئی چیز نہیں، ابو عوانہ نے کہا میں نے کلبی سے کفریہ اقوال سنے ہیں، ابو جزء نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے، یزید بن زریع نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے، میں نے اس کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جبرئیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لائے، آپ کسی کام کے لیے اٹھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آکر بیٹھ گئے تو جبرئیل نے حضرت علی پر وحی نازل کردی، وہ اپنا سینہ پیٹ کر کہتا تھا کہ میں سبائی ہوں، میں سبائی ہوں، عقیلی نے کہا وہ عبداللہ بن سبا کے اصحاب میں سے تھا، ابو جناب کلبی کہتے ہیں کہ ابو صالح نے حلف اٹھا کر کہا میں نے کلبی کو تفسیری روایات بالکل نہیں سنائیں، سفیان ثوری کہتے ہیں کہ کلبی نے کہا میں نے از ابو صالح از ابن عباس جس قدر روایات بیان کی ہیں وہ سب جھوٹ ہیں ان کو مجھ سے روایت نہ کرو، یہ شخص ۱۴۶ھ میں فوت ہو گیا تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۸۰-۱۷۸، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن، ۱۳۲۶ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جس سند سے تنویر المقباس مروی ہے، وہ جھوٹی سند ہے اور اس کتاب میں ہر قسم کی روایات ہیں اور اس کتاب کو حضرت ابن عباس کی تفسیر قرار دینا صحیح نہیں ہے، حضرت ابن عباس کی صحیح تفسیری روایات وہ ہیں جو مستند کتب احادیث میں اسانید صحیحہ سے مروی ہیں۔ حضرت ابن عباس کی جس روایت میں محمد بن سائب کلبی متوفی ۱۴۶ھ اور محمد بن مروان السدی متوفی ۱۸۶ھ دونوں موجود ہوں وہ غایت درجہ کی ضعیف روایت ہے۔

(۲) مفسرین کا دوسرا طبقہ تابعین کا ہے، ان میں حضرت ابن عباس متوفی ۶۸ھ کے حسب ذیل تلامذہ بہت مشہور ہیں، یہ علماء مکہ ہیں :

(ا) مجاہد بن جبر متوفی ۱۰۳ھ (ب) سعید بن جبیر متوفی ۹۴ھ (ج) عکرمہ مولی ابن عباس متوفی ۱۰۵ھ (د) طاؤس بن

Marfat.com

کیسان یمانی متوفی ۱۰۶ھ (ہ) عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ کے حسب ذیل تلامذہ تفسیری روایات میں معروف ہیں یہ علماء کوفہ ہیں:

(ا) علقمہ بن قیس متوفی ۱۰۲ھ' (ب) اسود بن یزید متوفی ۷۵ھ' (ج) ابراہیم نخعی متوفی ۹۵ھ' (د) شعبی متوفی ۱۰۵ھ

حضرت زید بن اسلم متوفی ۱۳۶ھ کے تلامذہ' یہ علماء مدینہ ہیں:

(ا) عبدالرحمن بن زید متوفی ۱۸۲ھ' (ب) مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ' (ج) حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ' (د) عطا بن ابی مسلم خراسانی متوفی ۱۳۵ھ (ہ) محمد بن کعب قرظی متوفی ۱۱۷ھ (د) ابوالعالیہ رفیع بن مہران ریاحی متوفی ۹۰ھ (ز) ضحاک بن مزاحم متوفی ۱۰۵ھ (ح) عطیہ بن سعید عوفی متوفی ۱۱۱ھ (ط) قتادہ بن دعامہ سدوسی متوفی ۱۱۷ھ (ی) ربیع بن انس متوفی ۱۳۹ھ (ک) اسماعیل بن عبدالرحمان سدی متوفی ۱۲۷ھ

(۳) مفسرین کا تیسرا طبقہ وہ ہے جس نے صحابہ اور تابعین کے اقوال کو جمع کیا ہے' ان میں مشہور علماء حسب ذیل ہیں :

(ا) سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ (ب) وکیع بن جراح کوفی متوفی ۱۹۷ھ (ج) شعبہ بن حجاج متوفی ۱۶۰ھ (د) یزید بن ہارون سلمی (ہ) عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ (د) آدم بن ابی ایاس متوفی ۲۲۱ھ (ز) اسحاق بن راھویہ متوفی ۲۳۸ھ (ح) روح بن عبادہ متوفی ۲۰۵ھ (ط) عبداللہ بن حمید جمنی (ی) ابوبکر بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ

(۴) مفسرین کے چوتھے طبقہ میں ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ ہیں' وہ اس زمانہ میں سب سے مشہور مفسر تھے' علامہ سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے کہ ان کی کتاب بہت عظیم تفسیر ہے وہ متضاد اقوال میں تطبیق دیتے ہیں اور بعض کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں' علامہ نووی اور علامہ ابو اسحاق اسفرائنی نے اس تفسیر کی بہت تعریف کی ہے حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ کی تفسیر بھی اسی کا خلاصہ ہے۔ ان کے علاوہ اس طبقہ کے دیگر مفسرین یہ ہیں :

(ا) علی بن ابی طلحہ متوفی ۱۴۳ھ (ب) ابن ابی حاتم عبدالرحمان بن محمد رازی متوفی ۳۲۷ھ (ج) ابو عبداللہ محمد ابن ماجہ قزوینی متوفی ۲۷۳ھ (د) ابن مردویہ ابوبکر احمد بن موسیٰ اصفہانی متوفی ۴۱۰ھ (ہ) ابوالشیخ بن حبان بسی متوفی ۳۵۴ھ' (د) ابراہیم بن منذر متوفی ۳۱۶ھ

(۵) پانچویں طبقہ میں ایسے مفسرین ہیں جنہوں نے اپنی تفسیروں میں اسانید کو حذف کر دیا' ان کے اسماء حسب ذیل ہیں :

(ا) ابو اسحاق زجاج ابراہیم بن السری النحوی متوفی ۳۱۰ھ' (ان کی تفسیر کا نام معانی القرآن ہے)(ب) ابو علی فارسی متوفی ۳۷۷ھ' یہ لغت اور بلاغت میں ماہر تھے۔ (ج) ابوبکر محمد بن الحسن المعروف بالنقاش الموصلی متوفی ۳۵۱ھ (د) مکی بن ابی طالب القیسی النحوی المغربی متوفی ۴۳۷ھ (ہ) ابو جعفر النحاس مصری متوفی ۳۳۸ھ (د) ابوالعباس احمد بن عمار المہدوی متوفی ۴۳۰ھ (ان کی تفسیر کا نام ہے : التفصیل الجامع لعلوم التنزیل)

(۶) چھٹے دور میں ایسے مفسرین ہیں جنہوں نے اپنے اپنے زمانوں کے چیلنج کا مقابلہ کیا' کیونکہ اسلام کی نشر و اشاعت کئی براعظموں تک ہو چکی تھی اور مخالفین اسلام' قرآن کریم اور اسلام پر طرح' طرح کے اعتراضات کر رہے تھے' یونان کے فلسفی' منطق اور فلسفہ سے اسلام پر اعتراض کر رہے تھے' یہود و نصاریٰ الگ اعتراضات کر رہے تھے' دہریوں نے بھی ایک طوفان اٹھا رکھا تھا' اور فقہی مکاتب فکر کے اختلاف کی وجہ سے آپس میں لے دے ہو رہی تھی اس دور میں قرآن مجید کی تفسیر کے ساتھ ساتھ ایک اور رنگ بھی شامل ہو گیا اور اس کی تفصیل کچھ یوں ہے :

marfat.com
Marfat.com

(ا) بعض علماء نے صرف قرآن مجید کی فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے قرآن کریم کی تفسیر کی' ان میں مشہور علامہ جاراللہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ کی تفسیر "کشاف" ہے' یہ چونکہ معتزلی تھے اس لیے تفسیر میں اعتزال کا رنگ غالب ہے۔

(ب) بعض علماء نے صرف قرآن مجید کے الفاظ کے لغوی معنی بیان کئے اس سلسلہ میں امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ کی "المفردات" بہت مشہور ہے۔ اور ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء متوفی ۲۰۷ھ کی معانی القرآن' ہے۔ یہ تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

(ج) بعض علماء نے خصوصیت کے ساتھ قرآن مجید کے صرفی اور نحوی مباحث کو موضوع بنایا' زجاج نے اس موضوع پر "معانی القرآن" کے نام سے تفسیر لکھی اور علامہ واحدی نیشاپوری متوفی ۴۲۸ھ نے "البسیط" کے نام سے تفسیر لکھی' اور علامہ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ نے "البحر المحیط" لکھی' یہ کتاب نو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ البحر المحیط نحو کے علاوہ دیگر علوم اور مباحث کی بھی جامع ہے اور بہت عمدہ تفسیر ہے۔

(د) بعض علماء نے صرف گذشتہ واقعات اور قصص کی طرف توجہ کی اور انہوں نے قرآن مجید کے بیان کردہ قصص کی تفسیر میں کتب تاریخ اور اسرائیلیات سے جو چاہا نقل کر دیا' انہوں نے اس سلسلہ میں تورات' انجیل اور اہل کتاب کے نزدیک دوسری معتبر کتابوں پر اقتصار نہیں کیا' بلکہ انہوں نے یہودی اور عیسائی علماء سے جو کچھ سنا اس کو صحیح اور ضعیف کی تحقیق کئے بغیر نقل کر دیا اور اس بات کو واضح نہیں کیا کہ کون سی بات شرع اور عقل کے مخالف یا موافق ہے' ان میں زیادہ مشہور ابواسحاق احمد بن محمد ثعلبی کی "الکشف والبیان من تفسیر القرآن" ہے اور علامہ علاؤالدین بن محمد المعروف بالخازن متوفی ۷۲۵ھ کی "لباب التاویل" ہے۔

(ہ) بعض علماء نے صرف فقہی مسائل کے استنباط اور تحقیق کی طرف توجہ کی' ان میں علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ کی "احکام القرآن" اور علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ کی "الجامع لاحکام القرآن" ہے۔

علامہ ابوبکر رازی نے فقہ حنفی پر دلائل فراہم کئے ہیں' اور اختلاف مسائل میں زیادہ تر فقہ شافعی کا رد کیا ہے' اور علامہ قرطبی مذاہب اربعہ کا ذکر کرتے ہیں اور فقہ مالکی کے دلائل فراہم کرتے ہیں' فقہ کے علاوہ قرآن مجید کے دیگر اسرار اور نکات کا بھی بیان کرتے ہیں' علامہ ابوبکر رازی کی تفسیر تین جلدوں میں ہے اور انہوں نے صرف فقہی احکام سے متعلق آیات کی تفسیر کی ہے اور علامہ قرطبی کی تفسیر بیس جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ بہت جامع تفسیر ہے' علامہ ابوالحسن ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ نے "النکت والعیون" کے نام سے چھ جلدوں میں تفسیر لکھی ہے اور اس میں فقہ شافعی پر دلائل فراہم کئے ہیں' اور علامہ احمد جیون حنفی متوفی ۱۱۳۰ھ نے بھی احکام سے متعلق آیات کی ایک جلد میں مختصر تفسیر لکھی ہے جو "تفسیرات الاحمدیہ" کے نام سے دستیاب ہے۔

(و) بعض علماء نے زیادہ تر عقائد کے مباحث سے بحث کی اور اپنے زمانہ کے گمراہ فرقوں کا رد کیا ان میں امام فخرالدین محمد بن ضیاءالدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ کی "تفسیر کبیر" مشہور ترین تفسیر ہے' اس میں معتزلہ' جبریہ' قدریہ اور رافضیہ کا بہت رد کیا گیا ہے اور آیات سے بہت نفیس اور عمدہ نکات کا استنباط کیا ہے' فقہی مسائل میں فقہ شافعی کو ترجیح دینے میں کافی مبالغہ کیا ہے' آیات کا شان نزول بیان کیا ہے اور احادیث کا بھی ذکر کیا ہے' امام رازی سے پہلے ایسی جامع تفسیر کسی نے نہیں لکھی

Marfat.com

تھی' ان کی وفات کو آٹھ سو سال گزر گئے اور اس کے بعد بہت تفسیریں لکھی گئیں لیکن امام رازی کی تفسیر کو کوئی تفسیر نہیں پہنچ سکی وہ واقعی تفسیر کبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ امام رازی کے درجات بلند کرے اور ان کو اپنے قرب خاص سے نوازے۔

(ز) بعض علماء نے فضائل' آداب' صوفیاء کی حکایات اور وعظ اور نصیحت پر زور دیا' ان میں علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۳۷ھ کی "روح البیان" بہت مشہور ہے۔

(ح) بعض علماء نے اپنی تفسیر میں ایسے حقائق کی طرف اشارہ کیا جو صرف ارباب سلوک پر منکشف ہوتے ہیں اور طریقت اور معرفت کے رموز بیان کئے ہیں ان میں محی الدین بن عربی متوفی ۶۳۸ھ کی تفسیر ہے جو "عرائس البیان" کے نام سے مشہور ہے۔

(ط) متاخرین میں علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ کی "روح المعانی" بہت عمدہ اور جامع تفسیر ہے' اس میں صرف' نحو' بلاغت' قراءات' شان نزول اور عقائد سے بحث کی ہے اور فقہی مسائل میں فقہ حنفی کو ترجیح دی ہے' علامہ نبہانی نے شواہد الحق میں لکھا ہے کہ ان کا پوتا نعمان آلوسی شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اور شیخ ابن تیمیہ کے افکار سے متاثر تھا اور اس نے ان کی تفسیر کے بعض مقامات میں تحریف کر دی ہے۔

سید قطب شہید نے "فی ظلال القرآن" لکھی ہے اور اس میں مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات لکھے ہیں۔

علامہ طنطاوی جوہری نے "الجواہر فی تفسیر القرآن" لکھی ہے اور قرآن مجید کے مضامین کو سائنس کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔

(ی) اردو تفاسیر میں ہمارے شیخ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز کی تفسیر "التبیان" نہایت جامع تفسیر ہے اس کا صرف ایک پارہ لکھا جا سکا' اگر آپ کو حیات مہلت دیتی اور آپ یہ تفسیر مکمل کر لیتے تو یہ تفسیر تمام اردو تفاسیر پر فائق ہوتی۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی "تفہیم القرآن" چھ جلدوں پر محیط ہے' اس تفسیر میں بعض مقامات پر مقام نبوت کا ادب اور احترام نہیں کیا گیا اور ایک امتی کو اپنے نبی سے جو عقیدت اور محبت ہوتی ہے' اس کا مصنف اس سے محروم ہے' یہ وہابی عقائد کی ترجمان ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری کی "ضیاء القرآن" پانچ جلدوں پر مشتمل ہے' اس میں آیات اور مندرج احادیث کا ترجمہ بالعموم تحت اللفظ ہے تفسیر میں زیادہ تر اختصار ہے' تفسیر کی عبارت اردو ادب کا بہترین شاہکار ہے' اس میں مسلک صوفیا کو ترجیح دی گئی ہے۔

حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ کی "تفسیر نعیمی" بہت مبسوط تفسیر ہے۔ وہ گیارہویں پارے تک پہنچے تھے کہ انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ یہ تفسیر امام احمد رضا رحمہ اللہ کے افکار کی ترجمان ہے۔

مفتی محمد شفیع کی "معارف القرآن" آٹھ جلدوں میں ہے' اس میں ترجمہ قرآن شیخ محمود الحسن کا ہے' اور خلاصہ تفسیر کے عنوان سے شیخ تھانوی کی کمل بیان القرآن ہے' اور معارف و مسائل کے عنوان سے خود مفتی محمد شفیع نے تفسیر کی ہے اس تفسیر کا ماخذ تفسیر قرطبی اور البحر المحیط ہے' اس تفسیر میں دیوبندی رنگ کو ابھارا گیا ہے۔

شیخ امین احسن اصلاحی کی "تدبر قرآن" ہے یہ نو جلدوں میں ہے' انہوں نے نظم القرآن کے لیے لوب جاہلیت کو بہت

marfat.com
Marfat.com

نسبت دی ہے اور احمد فراہی کی فکر کے تابع ہیں۔ یہ اپنی تفسیر میں احادیث' آثار صحابہ' اقوال تابعین اور متقدمین کی تفسیروں کا بالکل ذکر نہیں کرتے' صرف اپنے ذاتی غور و فکر کا حاصل بیان کرتے ہیں' اقوال مجتہدین سے بحث کرتے ہیں نہ فقہی احکام سے۔

قرآن مجید کی تفسیر کے اصل ماخذ

قرآن مجید کی تفسیر کے چار اہم ماخذ ہیں ان کی تفصیل یہ ہے :

(۱) کسی آیت کی جو تفسیر نبی ﷺ سے منقول ہو لیکن اس میں ضعیف اور موضوع روایات سے احتراز کرنا واجب ہے' اور ایسی روایات بہت زیادہ ہیں' اسی وجہ سے امام احمد نے کہا ہے کہ تین قسم کی کتابوں کی کوئی اصل نہیں ہے' مغازی' ملاحم (میدان ہائے جنگ) اور تفسیر۔

(۲) قرآن مجید کی تفسیر کا دوسرا ماخذ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیان کردہ تفسیر ہے' کیونکہ قرآن مجید کی تفسیر کے متعلق صحابہ کرام کے اقوال رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے بہ منزلہ ہیں اور تابعین کے اقوال کی طرف رجوع کرنے میں حنابلہ کے دو قول ہیں' ابن عقیل نے منع کیا ہے' لیکن عام مفسرین کا عمل اس کے برعکس ہے انہوں نے تابعین کے اقوال کو اپنی تفسیروں میں درج کیا ہے' کیونکہ اکثر بیشتر تابعین کے اقوال صحابہ سے سماع پر مبنی ہوتے ہیں۔

(۳) تیسرا ماخذ لغت ہے' کیونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے' امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں امام مالک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جس شخص کو لغت عرب کا علم نہ ہو اور وہ قرآن مجید کی تفسیر کرے تو میں اس کو عبرتناک سزا دوں گا۔

(۴) چوتھا ماخذ قواعد شرعیہ کے لحاظ سے قرآن مجید کی آیات سے احکام کا استخراج اور معانی کا استنباط ہے' جیسا کہ نبی ﷺ نے حضرت ابن عباس کے لیے دعا کی اور کہا اے اللہ اس کو دین کی فہم عطا فرما اور اس کو تاویل کا علم عطا فرما اور حضرت علی نے جو فرمایا تھا' مگر اس میں قرآن مجید کی وہ فہم ہے جو ہر شخص کو دی جاتی ہے' اس سے بھی یہی مراد ہے اور بغیر کسی اصل اور قاعدہ کے محض رائے اور اجتہاد سے قرآن مجید کی تفسیر کرنا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (الاسراء : ۳۶) اور جس چیز کا تم کو علم نہیں اس کے درپے نہ ہو۔

"اور شیطان تمہیں صرف برے کاموں اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ کے متعلق ایسی باتیں کہنے کا حکم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے۔" (البقرہ : ۱۶۹)

قرآن مجید کی تفسیر کے لیے ضروری علوم

علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

قرآن مجید کی تفسیر میں علم لغت کی ضرورت ہے کیونکہ علم لغت کے ذریعہ مفردات قرآن کے وضعی معنی معلوم ہوتے ہیں' اور صرف اور نحو کے قواعد کا علم ضروری ہے کیونکہ اس سے قرآن مجید کی حرکات اور اعراب کا علم ہوتا ہے اور یہ پتا چلتا ہے کہ فلاں اعراب اور حرکت کے لحاظ سے قرآن مجید کا کیا معنی ہے' معانی' بیان اور بدیع (فصاحت و بلاغت) کے علم کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے ذریعہ مقتضی حال کے اعتبار سے معانی' حقیقت' مجاز اور کنایات کے مختلف پیرایوں کے اعتبار سے قرآن کے معانی اور تحسین کلام کا علم ہوتا ہے' علم حدیث کی ضرورت ہے اس سے اسباب نزول کا علم ہوتا ہے' علم اصول فقہ کی ضرورت

Marfat.com

ہے اس سے قرآن مجید کے عام' خاص' مطلق' مقید اور امر اور نہی کی دلالت کا علم ہوتا ہے' علم کلام کی ضرورت ہے تاکہ معلوم ہو' اللہ تعالیٰ کے لیے کیا چیز جائز ہے اور کیا محال ہے اور نبی کی صفات اور اس کے مقام کا علم ہو' اور علم قراءت کی ضرورت ہے تاکہ بعض قراءات کے بعض پر راجح ہونے کی وجہ معلوم ہو سکے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

---

marfat.com
Marfat.com

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ

(١)

Marfat.com

آیاتہا ۷ | سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ | رکوعہا ۱

آیتیں ۷ | سورۂ فاتحہ مکی ہے | رکوع ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے ○ نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○ روز جزاء کا

يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴ اِهْدِنَا

مالک ہے ○ (اے پروردگار) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں ○ ہم کو

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۵ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ

سیدھے راستہ پر چلا ○ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷ ع

نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا ○

المنزل ۱ — ع ۷

سورہ فاتحہ کے اسماء

سورہ فاتحہ کے بہت اسماء ہیں' اور کسی چیز کے زیادہ اسماء اس چیز کی زیادہ فضیلت اور شرف پر دلالت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ بہت شرف اور مرتبہ والی سورت ہے' ان اسماء کی تفصیل حسب ذیل ہے :

۱۔ **فاتحۃ الکتاب** : فاتحۃ الکتاب کے ساتھ اس سورت کو اس لیے موسوم کیا گیا ہے کہ مصحف کا افتتاح اس سورت سے ہوتا ہے' تعلیم کی ابتداء بھی اس سورت سے ہوتی ہے اور نماز میں قراءت کا افتتاح بھی اس سورت سے ہوتا ہے اور ایک قول کے مطابق کتاب اللہ کی سب سے پہلے یہی سورت نازل ہوئی تھی۔ اور بہ کثرت احادیث میں تصریح ہے کہ نبی ﷺ نے اس سورت کو فاتحۃ الکتاب فرمایا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے فاتحۃ الکتاب کو نہیں پڑھا اس کی نماز (کامل) نہیں ہوئی۔ (جامع ترمذی ص ۳۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

Marfat.com

اس حدیث کو امام ابن ماجہ (۱) اور امام احمد (۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

۲۔ ام القرآن : کسی چیز کی اصل اور اس کے مقصود کو ام کہتے ہیں' اور پورے قرآن کا مقصود چار چیزوں کو ثابت کرنا ہے' الوہیت (اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات) معاد (مر کر دوبارہ اٹھنا) نبوت اور قضاء و قدر' سورہ فاتحہ میں الحمد للہ رب العالمین الرحمان الرحیم کی الوہیت پر دلالت ہے' اور مالک یوم الدین کی معاد پر دلالت ہے' ایاک نعبد و ایاک نستعین کی اس پر دلالت ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے ہے اور انسان مجبور محض ہے نہ اپنے افعال کا خالق ہے اور اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کی نبوت پر دلالت ہے' کیونکہ اس آیت میں اس راستہ کی ہدایت کی دعا کی گئی ہے جو انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہے اور انعام یافتہ لوگ انبیاء علیہم السلام ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو "ام القرآن" فرمایا ہے : امام دارمی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تا الحمد للہ "ام القرآن" ہے' اور "ام الکتاب" ہے اور "سبع مثانی" ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۳۲۱' مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

اور امام مسلم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَءْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ" جو ام القرآن نہ پڑھے اس کی نماز کامل نہیں ہے۔" (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۷۵ھ)

۳۔ سورۃ الحمد : اس سورت کا نام "سورۃ الحمد" بھی ہے کیونکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی حمد ہے' جیسے سورہ بقرہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سورت میں بقرہ کا ذکر ہے' اسی طرح سورہ اعراف' سورہ انفال اور سورہ توبہ کے اسماء ہیں نیز مذکور الصدر سنن دارمی کی حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو الحمد للہ سے تعبیر فرمایا ہے۔

۴۔ السبع المثانی : قرآن مجید میں ہے :

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ — ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں۔

(الحجر : ۸۷)

امام بخاری نے روایت کیا ہے :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : الحمد للہ رب العلمین السبع المثانی ہے اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۷۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

سنن دارمی کی مذکور الصدر حدیث میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو السبع المثانی فرمایا ہے۔ اس سورت کو السبع اس لیے فرمایا ہے کیونکہ اس میں سات آیتیں ہیں اور مثانی فرمانے کی حسب ذیل وجوہ ہیں :

(اول) اس سورت کے نصف میں اللہ تعالیٰ کی ثناء ہے اور نصف میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے۔ (ثانی) ہر دو رکعت نماز میں اس کو دو مرتبہ پڑھا جاتا ہے۔ (ثالث) یہ سورت دو بار نازل کی گئی ہے (رابع) اس سورت کو پڑھنے کے بعد نماز میں دوسری سورت کو پڑھا جاتا ہے۔

(۱) امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ ص ۲۷۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

(۲) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ

marfat.com
Marfat.com

۵۔ ام الکتاب : سنن دارمی کی مذکور الصدر حدیث میں اس سورت کو نبی ﷺ نے "ام الکتاب" فرمایا ہے اور صحیح بخاری میں ہے حضرت ابو سعید خدری نے ایک شخص پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا جس کو بچھو نے کاٹا ہوا تھا اور کہا میں نے صرف ام الکتاب پڑھ کر دم کیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۴۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

۶۔ الوافیہ : سفیان بن عیینہ نے اس کا نام سورہ وافیہ رکھا' کیونکہ صرف اس سورت کو نماز میں "آدھا" آدھا کر کے نہیں پڑھا جا سکتا' لیکن یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سورۂ الکوثر کو بھی ایک رکعت میں آدھا آدھا کر کے نہیں پڑھا جا سکتا لہذا یوں کہنا چاہیے کہ اس سورت کے مضامین جامع اور وافی ہیں اس لیے اس کو وافیہ کہا جاتا ہے۔

۷۔ الکافیہ : اس سورت کو کافیہ اس لیے کہتے ہیں کہ دوسری سورتوں کے بدلہ میں اس سورت کو پڑھا جا سکتا ہے اور اس سورت کے بدلہ میں کسی سورت کو نہیں پڑھا جا سکتا۔ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "ام القرآن" دوسری سورتوں کا عوض ہے اور دوسری کوئی سورت اس کا عوض نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۹۰' الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۱۳)

۸۔ الشفاء : امام دارمی روایت کرتے ہیں :

حضرت عبدالملک بن عمیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : فاتحۃ الکتاب ہر بیماری کی شفاء ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۳۲۰' مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

امراض جسمانی بھی ہیں اور روحانی بھی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا ہے فی قلوبھم مرض (البقرہ : ۱۰) ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ اور اس سورت میں اصول اور فروع کا ذکر ہے' جن کے تقاضوں پر عمل کرنے سے روحانی امراض میں شفاء حاصل ہوتی ہے اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی ثناء اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے جس سے جسمانی اور دیگر ہر قسم کی بیماریوں سے شفاء حاصل ہوتی ہے۔

۹۔ سورۃ الصلوۃ : نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس سورت پر صلوۃ کا اطلاق کیا ہے۔ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے :

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ نماز (سورہ فاتحہ) کو میرے اور میرے بندہ کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کیا گیا ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے پس جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العلمین تو میں کہتا ہوں بندہ نے میری حمد کی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۰-۱۶۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

۱۰۔ سورۃ الدعاء : یہ سورت اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے شروع ہے' پھر بندہ کی عبادت کا ذکر ہے پھر اللہ تعالیٰ سے صراط مستقیم پر ثابت قدم رہنے کی دعا ہے اور دعا اور سوال کا یہی اسلوب ہے کہ پہلے داتا کی حمد و ثناء کی جائے پھر دست طلب بڑھایا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی ہے پھر اپنے لیے دعا کی ہے :

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَھُوَ یَھْدِیْنِ ○ وَالَّذِیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ ○ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ○ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَلِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ○ رَبِّ	وہ جس نے مجھے پیدا کیا تو وہی مجھے ہدایت دیتا ہے۔ اور وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ وہی مجھے وفات دے گا اور پھر زندہ فرمائے گا۔ اور اسی سے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن وہی میری (ظاہری یا اجتہادی) خطائیں

Marfat.com

هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ○ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ○ (الشعراء : ۸۵-۸۳)

معاف فرمادینا۔ اے میرے رب مجھے حکم عطا فرما اور مجھے نیکوں کے ساتھ لاحق کردے۔ اور میرے بعد آنے والی نسلوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ۔ اور مجھے جنۃ النعیم کے وارثوں میں شامل کر دے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی :

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (یوسف : ۱۰۱)

اے آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء" پیدا کرنے والے' تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے' میری وفات اسلام پر کر اور مجھے نیکوں کے ساتھ لاحق کردے۔

سو دعا کا یہی طریقہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جائے' پھر اس سے سوال کیا جائے' اور سورہ فاتحہ میں اسی طریقہ سے دعا کرنے کی تعلیم دی ہے' اس لیے اس کو سورہ دعا کہتے ہیں۔

علامہ بقاعی نے ان اسماء کے علاوہ سورۃ فاتحہ کے اسماء میں اساس' کنز' واقیہ' رقیہ اور شکر کا بھی ذکر کیا ہے۔

علامہ بقاعی نے ان اسماء میں نظم اور ربط کو بیان کیا ہے' وہ لکھتے ہیں :

فاتحہ کے اعتبار سے ہر نیک چیز کا افتتاح اس سورت سے ہونا چاہیے اور ام کے لحاظ سے یہ ہر خیر کی اصل ہے اور ہر نیکی کی اساس ہے اور مثنیٰ کے لحاظ سے دو بار پڑھے بغیر یہ لائق شمار نہیں' اور کنز کی حیثیت سے یہ ہر چیز کا خزانہ ہے' ہر بیماری کے لیے شفا ہے ہر مہم کے لیے کافی ہے' ہر مقصود کے لیے وافی ہے واقیہ کے لحاظ سے ہر برائی سے بچانے والی ہے' رقیہ کے اعتبار سے ہر آفت ناگہانی کے لیے دم ہے اس میں حمد کا اثبات ہے جو صفات کمال کا احاطہ ہے اور شکر کا بیان ہے جو منعم کی تعظیم ہے اور یہ بعینہ دعا ہے' جو مطلوب کی طرف توجہ ہے اور ان تمام امور کی جامع صلوٰۃ ہے۔ (نظم الدرر ج ا ص ۲۰-۱۹' مطبوعہ دار الکتب الاسلامی قاہرہ' ۱۴۱۳ھ)

علامہ آلوسی نے سورہ فاتحہ کے بائیس اسماء کا ذکر کیا ہے ان میں فاتحۃ القرآن' تعلیم المسئلۃ' سورۃ السوال' سورۃ المناجاۃ' سورۃ التفویض' شافیہ' اور سورۃ النور بھی ہیں۔

سورہ فاتحہ کے فضائل

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید بن معلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا (دوران نماز) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا میں حاضر نہیں ہوا' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا' آپ نے فرمایا : کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا : استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم (الانفال : ۲۴) "اللہ اور رسول کے بلانے پر (فوراً) حاضر ہو جاؤ۔" پھر فرمایا سنو! میں تم کو مسجد سے باہر نکلنے سے پہلے قرآن کی سب سے عظیم سورت کی تعلیم دوں گا' پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا' جب ہم نے باہر نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تھا میں تم کو قرآن کی سب سے عظیم سورت کی تعلیم دوں گا' آپ نے فرمایا الحمد للہ رب العلمین یہ سبع مثانی ہے اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

marfat.com
Marfat.com

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی سب سے عظیم سورت 'سورت فاتحہ ہے' اور اس کا نام "السبع المثانی" بھی ہے' اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ اگر نماز کے دوران بلائیں' تب بھی آنا واجب ہے' اور رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں تھے' ہم نے ایک جگہ قیام کیا' ایک لڑکی نے آکر کہا کہ قبیلہ کے سردار کو ایک بچھو نے ڈس لیا ہے اور ہمارے لوگ حاضر نہیں ہیں' کیا تم سے کوئی شخص دم کر سکتا ہے؟ ہم میں سے ایک شخص اس کے ساتھ گیا جس کو اس سے پہلے ہم دم کرنے کی تہمت نہیں لگاتے تھے' اس نے اس شخص پر دم کیا جس سے وہ تندرست ہو گیا' اور اس سردار نے اس کو تیس بکریاں دینے کا حکم دیا' اور ہم کو دودھ پلایا' جب وہ واپس آیا تو ہم نے اس سے پوچھا کیا تم پہلے دم کرتے تھے' اس نے کہا نہیں' میں نے تو صرف ام الکتاب (سورہ فاتحہ) پڑھ کر دم کیا ہے' ہم نے کہا اب اس کے متعلق کوئی بحث نہ کرو' حتیٰ کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے متعلق پوچھ لیں' جب ہم مدینہ پہنچے تو ہم نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا' نبی ﷺ نے فرمایا اس کو کیا معلوم کہ یہ دم ہے' (ان بکریوں کو) تقسیم کرو' اور ان میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹-۷۴۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ پڑھ کر بیمار شخص پر دم کرنا جائز ہے' اس لیے اس سورت کو "سورۃ الرقیہ" اور "سورۃ الشفاء" بھی کہتے ہیں' اور اس حدیث میں یہ تصریح بھی ہے کہ اس سورت کو "ام الکتاب" بھی کہتے ہیں' اور یہ کہ قرآن پڑھ کر دم کرنے کی اجرت لینا جائز ہے اور اس میں قرآن مجید اور کتب دینیہ پر اجرت لینے کا بھی جواز ہے' اور اس میں مصحف کو قیمتہ" فروخت کرنے اور مصحف کی کتابت پر اجرت لینے کا بھی جواز ہے اور یہ کہ استاذ کی تعلیم سے تلمیذ کو جو آمدنی ہو اس میں استاذ کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اب کسی بیمار کو سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا جائے اور وہ شفاء نہ پائے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دم کرنے والے میں روحانیت کی کمی ہے سورہ فاتحہ کے شفاء ہونے میں کوئی کمی نہیں ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے ابی! اور وہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے' حضرت ابی نے مڑ کر دیکھا اور حاضر نہیں ہوئے' حضرت ابی نے جلدی جلدی نماز پڑھی پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا : السلام علیک یا رسول اللہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : وعلیک السلام اے ابی جب میں نے تم کو بلایا تھا تو تم کو آنے سے کس چیز نے روکا تھا؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں نماز میں تھا' آپ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے جو میری طرف وحی فرمائی ہے کیا تمہیں اس میں یہ حکم نہیں ملا' استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم (الانفال : ۲۴) "جب اللہ اور رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندہ کر دے گی تو (فوراً) حاضر ہو جاؤ۔" حضرت ابی نے کہا کیوں نہیں؟ اور میں ان شاء اللہ دوبارہ ایسا نہیں کروں گا' آپ نے فرمایا' کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ میں تم کو ایسی سورت کی تعلیم دوں' جس کی مثل تورات میں نازل ہوئی نہ انجیل میں' نہ زبور میں نہ قرآن میں' میں نے کہا جی! یا رسول اللہ! رسول

Marfat.com

Marfat.com

اللہ ﷺ نے فرمایا تم نماز میں کس طرح پڑھتے ہو؟ تو انہوں نے ام القرآن (سورہ فاتحہ) پڑھی' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! اس کی مثل تورات میں نازل ہوئی ہے نہ انجیل میں' نہ زبور میں نہ فرقان میں' یہ السبع من المثانی (دو' دو بار پڑھی جانے والی سات آیتیں) ہے اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۰۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام بغوی نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے' نیز وہ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں :

السبع من المثانی میں "من" زائدہ ہے' اس سے مراد سورہ فاتحہ ہے جس کی سات آیتیں ہیں' اور اس کو مثانی اس لیے کہتے ہیں کہ ہر نماز میں سورہ فاتحہ کو دو بار پڑھا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ مثانی استثناء سے ماخوذ ہے' کیونکہ اس سورت کے ساتھ یہ امت مستثنیٰ ہے۔ اس امت سے پہلی امتوں پر یہ سورت نازل نہیں کی گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ثنا سے ماخوذ ہے' کیونکہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ مثانی سے مراد قرآن مجید ہے جیساکہ اس آیت میں ہے :

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ (الزمر : ٢٣) — اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا' ایسی کتاب جس کی آیتیں آپس میں متشابہ ہیں بار بار دہرائی ہوئی ہیں۔

تمام قرآن کو مثانی اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں قصص اور امثال کو دہرایا گیا ہے اس تقدیر پر السبع من المثانی کا معنی ہے قرآن کی سات آیتیں اور ایک قول یہ ہے کہ مثانی سے مراد قرآن مجید کی وہ سورتیں ہیں جس میں سو سے کم آیتیں ہوں۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے سے نماز باطل نہیں ہوتی' کیونکہ تم السلام علیک ایها النبی کہہ کر نماز میں حضور سے خطاب کرتے ہو' جب کہ کسی اور کے ساتھ نماز میں خطاب کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ (شرح السنۃ ج ۳ ص ۱۵-۱۴)

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے اور میرے بندے کے درمیان صلوۃ (سورہ فاتحہ) کو آدھا' آدھا تقسیم کر دیا گیا ہے' اور میرے بندہ کے لیے وہ چیز ہے جس کا وہ سوال کرے' اور جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العلمین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ نے میری حمد کی' اور جب وہ کہتا ہے الرحمن الرحیم تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ نے میری ثناء کی' اور جب وہ کہتا ہے مالک یوم الدین تو اللہ فرماتا ہے میرے بندہ نے میری تعظیم کی' اور ایک بار فرمایا میرے بندہ نے (خود) کو میرے سپرد کر دیا' اور جب وہ کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین تو اللہ فرماتا ہے : یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے' اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے' اور جب وہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو اللہ فرماتا ہے یہ میرے بندہ کے لیے ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۰-۱۶۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث میں سورہ فاتحہ کا ذکر ہے اور اس کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ذکر نہیں ہے اس

Marfat.com

سے علماء احناف اور علماء مالکیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے اور یہ ان کی بہت قوی دلیل ہے فقہاء شافعیہ نے اس کے جواب میں جو تاویلات کی ہیں وہ بہت ضعیف ہیں' ہم نے شرح صحیح مسلم جلد اول میں ان کا ذکر کر کے ان کا رد کیا ہے۔

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس وقت جبرئیل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے اوپر کی جانب سے ایک چرچراہٹ کی آواز سنی' حضرت جبرائیل نے کہا یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج کھولا گیا ہے اور آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا۔ اس دروازہ سے ایک فرشتہ نازل ہوا' حضرت جبرائیل نے کہا یہ فرشتہ جو زمین کی طرف نازل ہوا ہے یہ آج سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا تھا' اس فرشتہ نے آکر سلام کیا اور کہا آپ کو دو نوروں کی بشارت ہو جو آپ کو دیئے گئے ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے' (ایک نور) فاتحۃ الکتاب ہے اور (دوسرا) سورہ بقرہ کی آخری آیتیں ہیں' ان میں سے جس حرف کو بھی آپ پڑھیں گے وہ آپ کو دے دیا جائے گا۔

(سنن نسائی ج ۵ ص ۱۳-۱۲' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام دارمی روایت کرتے ہیں:

عبدالملک بن عمیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاتحۃ الکتاب سے ہر بیماری کی شفاء ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۳۲۰' مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

حافظ نور الدین الہیثمی بیان کرتے ہیں:

حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ کے کسی راستہ میں جا رہا تھا' آپ نے ایک شخص کی آواز سنی جو تہجد کی نماز میں ام القرآن (سورہ فاتحہ) پڑھ رہا تھا' نبی ﷺ کھڑے ہو کر اس سورت کو سنتے رہے حتی کہ اس نے وہ سورت ختم کرلی آپ نے فرمایا قرآن میں اس کی مثل (اور کوئی سورت) نہیں ہے' امام طبرانی نے اس حدیث کو معجم اوسط میں روایت کیا ہے' اس کی سند میں ایک راوی حسن بن دینار ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۱۰' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن فاتحۃ الکتاب (سورہ فاتحہ) نازل ہوئی' اس دن ابلیس بہت رویا تھا' اور یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۶ ص ۳۱۱' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

سورہ فاتحہ کا مقام نزول

سورہ فاتحہ کے نزول کے متعلق متعدد روایات ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے' اس لیے محققین کا یہ موقف ہے کہ یہ سورت دو بار نازل ہوئی ہے ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں۔ علامہ سیوطی نے ان تمام روایات کو جمع کر دیا ہے۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

واحدی نے اسباب النزول میں اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سورہ فاتحہ مکہ میں

Marfat.com

ایک خزانہ سے نازل ہوئی ہے جو عرش کے نیچے ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور ابو نعیم اور بیہقی دونوں نے اپنی اپنی دلائل النبوۃ اور واحدی اور ثعلبی نے از ابی میسرہ از عمرو بن شرحبیل روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو میں ایک آواز سنتا ہوں بہ خدا مجھے یہ خدشہ ہے کہ یہ کوئی عجیب و غریب چیز ہے' حضرت خدیجہ نے کہا معاذ اللہ' اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ایسا نہیں کرے گا' بہ خدا آپ امانت کو ادا کرتے ہیں' صلہ رحمی کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں' اسی اثناء میں حضرت ابوبکر آئے اس وقت گھر میں رسول اللہ ﷺ نہیں تھے' حضرت خدیجہ نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا' اور کہا آپ (سیدنا) محمد (ﷺ) کے ساتھ ورقہ کے پاس جائیں' جب رسول اللہ ﷺ آئے تو حضرت ابوبکر نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ ورقہ کے پاس چلیں' آپ نے پوچھا تم کو کس نے بتایا؟ انہوں نے کہا حضرت خدیجہ نے' پھر دونوں ورقہ کے پاس گئے' اور اس کو واقعہ سنایا' آپ نے فرمایا جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو مجھے اپنے پیچھے سے آواز آتی ہے یا محمد' یا محمد تو میں بھاگنے لگتا ہوں' ورقہ نے کہا آپ ایسا نہ کریں' جب آپ کے پاس یہ آواز آئے تو آپ ٹھہرے رہیں اور سنیں کہ وہ کیا کہتا ہے' پھر مجھے آ کر بتائیں' پھر جب آپ خلوت میں تھے تو آپ کو آواز آئی یا محمد کہیے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' الحمد للہ رب العلمین اور اس کو ولا الضالین تک پڑھا' اور کہا کہیے لا الہ الا اللہ پھر آپ ورقہ کے پاس گئے اور اس کو یہ واقعہ سنایا' ورقہ نے کہا آپ کو بشارت ہو' میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں جس کے آنے کی ابن مریم کو بشارت دی گئی تھی' اور آپ کے پاس حضرت موسیٰ کے ناموس کی مثل ہے' اور آپ نبی مرسل ہیں۔

امام ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب بنو سلمہ کے جوان مسلمان ہوئے اور عمرو بن جموح کا بیٹا مسلمان ہوا تو عمرو کی بیوی نے عمرو سے کہا: تم اپنے بیٹے سے پوچھو وہ اس شخص سے کیا روایت کرتے ہیں؟ عمرو نے اپنے بیٹے سے کہا مجھے اس شخص کا کلام سناؤ تو اس کے بیٹے نے پڑھا الحمد للہ رب العلمین اور الصراط المستقیم تک پڑھا' اس نے کہا یہ کتنا حسین اور جمیل کلام ہے' کیا اس کا سارا کلام اسی طرح ہے؟ اس کے بیٹے نے کہا اے ابا اس سے بھی زیادہ حسین ہے' اور یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے ان تینوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں' ابو سعید بن اعرابی نے معجم میں اور طبرانی نے اوسط میں مجاہد کی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب فاتحۃ الکتاب نازل ہوئی تو ابلیس خوب رویا اور یہ مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔

وکیع اور فریابی نے اپنی تفسیروں میں' ابو عبید نے "فضائل قرآن" میں' امام ابن ابی شیبہ نے "مصنف" میں' عبد بن حمید اور ابن منذر نے اپنی تفسیر میں' ابوبکر بن انباری نے "کتاب المصاحف" میں' ابو الشیخ نے "العظمۃ" میں اور ابو نعیم نے "حلیہ" میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ فاتحۃ الکتاب مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

وکیع نے اپنی تفسیر میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ فاتحۃ الکتاب مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

(الدر المنثور' ج ۱ ص ۳' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

ان تینوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے۔

marfat.com
Marfat.com

سورہ فاتحہ کی آیات کی تعداد

ہم اس سے پہلے مقدمہ میں بیان کر چکے ہیں کہ سب سے پہلے سورہ علق اور سورہ مدثر کی چند آیات نازل ہوئیں اور جو سب سے پہلے مکمل سورت نازل ہوئی وہ سورہ فاتحہ ہے' یہ سورت دو بار نازل ہوئی ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں اور اس میں بالاتفاق سات آیتیں ہیں' اس لیے اس کو "السبع المثانی" کہا جاتا ہے' فقہاء شافعیہ اور فقہاء حنبلیہ کے نزدیک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کا جز ہے اور اس سمیت سورہ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں اور علماء احناف اور علماء مالکیہ کے نزدیک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کا جز نہیں ہے۔ (۱) ان کے نزدیک صراط الذین انعمت علیھم ایک آیت ہے اور اول الذکر کے نزدیک صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین مل کر ایک آیت ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں اس پر مفصل گفتگو عنقریب آئے گی۔

سورہ فاتحہ کے مضامین

قرآن مجید کے حسب ذیل مضامین ہیں :

(۱) توحید : نزول قرآن کے وقت دنیا میں بالعموم بت پرستی کا دور دورہ تھا' اور کفار عرب توحید کے دعوئی دار ہونے کے باوجود اپنے زعم میں اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے بتوں کی عبادت کرتے تھے' اس لیے قرآن کا مطالبہ یہ ہے کہ صرف خالق اور رب ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کو واحد ماننا کافی نہیں ہے. بلکہ استحقاق عبادت کے اعتبار سے بھی اس کو واحد ماننا ضروری ہے' یعنی اس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

(۲) نبوت : عام انسان کی عقل اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کو جاننے کے لیے ناکافی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام حاصل کرنے سے عاجز ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہ نمائی کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور نبی چونکہ اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے اس کو ماننا اللہ کو ماننا اور اس کا انکار کرنا اللہ کا انکار کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن نے نبی کے ماننے کو ضروری قرار دیا۔

(۳) عبادت : بدن' مال اور ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق صرف کرنا عبادت ہے' قرآن نے یہ بتایا ہے کہ انسان خود اور اس کا مال اس کی ملکیت نہیں ہے' اللہ کی ملکیت ہے۔ اب وہ کس طرح اپنی جان اور مال کو اللہ کے حکم کے مطابق صرف کرے یہ قرآن نے تفصیل سے بتایا ہے۔

(۴) وعد اور وعید : اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بندہ پر انعام فرمائے گا جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اور بندہ کی نافرمانی کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اس کو عذاب سے ڈرایا ہے' اس وعد اور وعید کو اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے قرآن مجید میں بیان فرمایا ہے۔

(۵) قصص اور امثال : گزشتہ امتوں کے صالحین کے واقعات اور نافرمانوں پر عذاب کی عبرت انگیز مثالیں۔

(۶) معاد : مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور مومنین کے لیے جزاء اور کفار کے لیے سزا کا بیان۔

(۷) دعا : تمام عبادات کا خلاصہ اور حاصل اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں انسان کو ہدایت عطا فرمائے اور

(۱) علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی حوفی ۶۲۰ھ' المغنی ج ۱ ص ۲۸۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ

Marfat.com

اس پر تاحیات برقرار رکھے اور آخرت میں عذاب سے نجات‘ جنت نعیم‘ اپنی خوشنودی‘ رضا اور دیدار عطا فرمائے۔ سورہ فاتحہ میں ان تمام مضامین کو اجمال‘ اختصار اور اشارات سے بیان کر دیا گیا ہے۔

(۱) سورہ فاتحہ کے شروع میں فرمایا الحمد للہ رب العلمین "تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے" یعنی حمد کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے‘ کیونکہ وہی تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی اپنی پرورش سے ان کو باقی رکھے ہوئے ہے‘ آسمان‘ زمین‘ پہاڑ‘ سمندر‘ جمادات‘ نباتات‘ حیوانات‘ انسان اور جن یہ سب اپنے وجود میں کسی موجد کے اور اپنی بقا میں کسی رب کے محتاج ہیں‘ اور یہ سب ممکنات ہیں‘ اس لیے ان کو پیدا کرنے والا اور ان کو باقی رکھنے والا ممکن نہیں ہو سکتا کیونکہ ممکن تو پھر انہی کی طرح اپنے وجود اور بقاء میں محتاج ہو گا‘ اس لیے ضروری ہے کہ ان کا موجد اور ان کا رب واجب بالذات ہو‘ اور واجب بالذات صرف اللہ تعالیٰ ہے‘ وہی تمام جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ان کی پرورش کرنے والا ہے‘ اس کائنات رنگ و بو میں جو حسن اور کمال ہے وہ اسی کا دیا ہوا ہے‘ اور حمد حسن اور کمال پر ہوتی ہے تو تمام محامد کا وہی مستحق ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لائق ہیں اس آیت میں جہاں یہ بتایا ہے کہ تعریف کا مستحق صاحب کمال نہیں ہے خالق کمال ہے‘ وہاں یہ بھی بتا دیا ہے کہ تمام کائنات کا خالق اور مربی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ قرآن کا وہ پہلا مضمون ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

(۲) سورہ فاتحہ کی چھٹی آیت میں ہے صراط الذین انعمت علیہم "ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔"

اور جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ان کا بیان اس آیت میں ہے :

اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ (النساء : ۶۹) — جن پر اللہ نے انعام کیا وہ انبیاء‘ صدیقین‘ شہداء اور صالحین ہیں۔

نیز فرمایا :

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ مِنۡ ذُرِّیَّۃِ اٰدَمَ ٭ (مریم : ۵۸) — جن پر اللہ نے انعام کیا وہ نسل آدم سے انبیاء ہیں۔

قرآن مجید کا دوسرا اہم مضمون نبوت ہے اور اس کی طرف اشارہ صراط الذین انعمت علیہم میں ہے۔

(۳) قرآن مجید کا تیسرا اہم مضمون عبادت ہے‘ اور اس کا ذکر ایاک نعبد "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں" میں ہے۔

(۴) وعد اور وعید کی طرف اشارہ مالک یوم الدین میں ہے۔

(۵) گزشتہ امتوں کے واقعات اور مثالیں‘ نیکوں پر انعام اور بدکاروں پر غضب اور عذاب‘ اس کی طرف اشارہ چھٹی اور ساتویں آیت صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین میں ہے۔

(۶) مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے اور مومنین کے لیے جزاء اور کفار کے لیے سزا کی طرف اشارہ بھی مالک یوم الدین میں ہے۔

(۷) قرآن مجید کا بہت اہم مضمون اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا ہے‘ اور اس سورت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کس طرح دعا کی جائے‘ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی جائے‘ جس کا ذکر الحمد للہ رب العلمین الرحمن الرحیم میں ہے پھر خضوع اور خشوع کا اظہار کیا جائے جس کا ذکر ایاک نعبد وایاک نستعین میں

marfat.com
Marfat.com

ہے۔ پھر اپنے عجز اور احتیاج کو بیان کیا جائے جس کا بیان ایاک نعبد وایاک نستعین میں ہے۔ پھر حرف مدعا زبان پر لایا جائے اور اس سے مانگا جائے' نیز یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ سے کیا مانگا جائے اور کیا نہ مانگا جائے تو بتلایا اس سے صراط مستقیم پر برقرار رہنے کی ہدایت مانگو وہ راستہ جو اللہ تعالیٰ کے انعام یافتگان کا راستہ ہے نہ ان کا راستہ جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا اور نہ گمراہوں کا' پھر جیسے ہی ہدایت کی دعا ختم ہوتی ہے تو اس کے جواب میں فوراً" ہدایت آ جاتی ہے الم○ ذالک الکتاب لا ریب فیہ ھدی للمتقین یعنی تم نے ہم سے ہدایت مانگی تھی تو یہ پوری کتاب تمہارے لیے ہدایت ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ سے دعا کرو گے تو اس دعا کی استجابت یقینی ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

میں شیطان مردود (کے وسوسوں) سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں

اعوذ باللہ کے مفردات کے معانی

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (النحل : ۹۸)

پس جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔

استعاذہ کا معنی ہے کسی ناپسندیدہ چیز سے بچنے کے لیے کسی چیز کی پناہ میں آنا' شیطان کا لفظ شطن سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے خیر سے دور ہونا' شیطان کو شیطان اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت سے دور ہو گیا' ایک قول یہ ہے کہ شیطان شیط سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے ہلاک ہونا' اس بناء پر شیطان کو شیطان اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب میں ہلاک ہو گیا' رجیم کا لفظ رجم سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے سنگسار کرنا' قتل کرنا' لعنت کرنا اور دھتکارنا چونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان پر لعنت کی ہے' اس کو دھتکار کر راندہ بارگاہ کر دیا ہے اس وجہ سے اس کو رجیم کہتے ہیں۔

اعوذ باللہ کے صرف اور اعراب کا بیان

شیطان صفت مشبہ کا صیغہ ہے' اگر یہ شیط سے بنا ہے تو اس کا وزن فعلان ہے اور اگر یہ شطن سے بنا ہے تو اس کا وزن فیعل ہے رجیم فعیل کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور مفعول کے معنی میں ہے' اس کا معنی ہے راندہ ہوا' دھتکارا ہوا۔

"من" ابتداء کے لیے ہے اور جار مجرور اعوذ کے متعلق ہے اس کا معنی ہے میں شیطان رجیم سے پناہ مانگنے کی ابتدا اللہ سے کرتا ہوں' اور یہ من سببیہ بھی ہو سکتا ہے' اور اس کا معنی ہو گا شیطان رجیم کے سبب سے میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

نماز اور غیر نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں :

Marfat.com

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز میں قیام کرتے تو اللہ اکبر کہتے' پھر پڑھتے :

سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا الہ غیرک پھر تین مرتبہ لاالہ الا اللہ پڑھتے' پھر تین مرتبہ پڑھتے اللہ اکبر کبیرا اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم من همزہ و نفخہ و نفثہ (میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں جو بہت سننے والا' بہت جاننے والا ہے' شیطان رجیم کے مجنون کرنے' اس کے تکبر اور اس کے شر سے) اس کے بعد آپ قرات کرتے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۳' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان' لاہور ۱۴۰۵ھ)

اس حدیث کو امام عبدالرزاق (۱) اور امام بیہقی (۲) نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں :

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے تو فرماتے : اللھم انی اعوذبک من الشیطان الرجیم من همزہ ونفخہ ونفثہ (المصنف ج ۱ ص ۲۳۸' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں :

عطا نے کہا اعوذ باللہ پڑھنا ہر قرات میں واجب ہے خواہ وہ قرات نماز میں ہو یا غیر نماز میں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : "پس جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔" (النحل : ۹۸) ابن جریج نے کہا ہاں میں پڑھتا ہوں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اعوذ باللہ السمیع العلیم الرحمٰن الرحیم' من الشیطان الرجیم واعوذ بک رب ان یحضرون او یدخلوا بیتی الذی یووینی عطا نے کہا یہ پڑھنا بھی تمہیں کفایت کرے گا' لیکن تم اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم سے زیادہ نہ پڑھا کرو۔

(المصنف ج ۱ ص ۸۳' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

عثمان بن ابی العاص بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! میرے اور میری تلاوت قرآن کے درمیان شیطان حائل ہو جاتا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شیطان کا نام خنزب ہے' تم جب اس کو محسوس کرو تو اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھو' اور بائیں جانب تین بار تھوکو۔ (المصنف ج ۱ ص ۸۵' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھتے تھے۔ (المصنف ج ۱ ص ۸۶' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

ابراہیم نے کہا ہر چیز سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنا کافی ہے۔

(المصنف ج ۱ ص ۸۵' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں :

(۱) امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ' المصنف ج ۱ ص ۸۳' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ

(۲) امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ' سنن کبریٰ ج ۲ ص ۳۶-۳۵' مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

marfat.com
Marfat.com

امام مالک فرض نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں' اور تراویح میں پڑھنے کے قائل ہیں۔
(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۸۶' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں:
نفل نماز میں سورہ فاتحہ سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا (بلا کراہت) جائز ہے اور فرض نماز میں مکروہ ہے۔
(الشرح الکبیر علی حاشیۃ الدسوقی ج ۱ ص ۲۵۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:
نماز میں قرات سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت ہے' حسن' ابن سیرین' عطا' ثوری' اوزاعی' شافعی اور اصحاب رائے کا یہی نظریہ ہے' امام مالک نے کہا نماز میں قرات سے پہلے اعوذ باللہ نہ پڑھے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر' اور حضرت عمر نماز کو الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)
(المغنی ج ۱ ص ۳۴۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اعوذ باللہ اور بسم اللہ کو جہراً نہیں پڑھتے تھے۔ سراً پڑھتے تھے اور جہراً قرات الحمد للہ رب العلمین سے شروع کرتے تھے تاکہ اس روایت کا ان احادیث سے تعارض نہ ہو جس میں قرات قرآن سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنے کی تصریح ہے۔

نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:
دعاء استفتاح (سبحانک اللھم) کے بعد اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنا مستحب ہے' ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم پڑھے' اور ہر اس لفظ کا پڑھنا جائز ہے جس سے یہ معنی حاصل ہو' اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ نماز سری ہو یا جہری اس کو سراً پڑھے' ایک قول یہ ہے کہ جہری نماز میں جہراً پڑھے' ایک قول یہ ہے کہ پڑھنے والے کو اختیار ہے' ایک قول یہ ہے کہ مستحب یہ ہے کہ قطعاً آہستہ پڑھے' نیز مذہب یہ ہے کہ ہر رکعت میں اعوذ باللہ پڑھے اور پہلی رکعت میں پڑھنا زیادہ موکد ہے' امام شافعی نے اس کی تصریح کی ہے۔
(روضۃ الطالبین ج ۱ ص ۳۴۶' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۵ھ)

نماز میں اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کا مذہب

علامہ علاء الدین حصکفی حنفی لکھتے ہیں:
جب نماز میں قرات شروع کرے تو اعوذ باللہ پڑھے' اگر سورہ فاتحہ مکمل پڑھنے کے بعد اس کو اعوذ باللہ پڑھنا یاد آیا تو اب اس کو چھوڑ دے اور اگر سورہ فاتحہ کے دوران اس کو یاد آیا تو اعوذ باللہ پڑھے اور از سر نو سورہ فاتحہ پڑھے' اور جب شاگرد استاذ کو قرآن مجید سنائے تو اس وقت اعوذ باللہ نہ پڑھے۔ یعنی اس وقت پڑھنا سنت نہیں ہے' جب مسبوق اپنی بقیہ نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو تو قرات سے پہلے اعوذ باللہ پڑھے' امام عید کی نماز میں تکبیرات عید کے بعد اعوذ باللہ پڑھے کیونکہ تکبیرات عید کے بعد قرات شروع ہوتی ہے (در مختار علی ھامش رد المحتار ج ۱ ص ۳۲۹-۳۲۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

Marfat.com

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں :

اگر سورہ فاتحہ کے دوران اس کو اعوذ باللہ پڑھنا یاد آیا تو اب سورہ فاتحہ کو دوبارہ اعوذ باللہ کے ساتھ پڑھنا درست نہیں ہے' کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ سنت کی وجہ سے فرض (قرات) کو چھوڑ دیا جائے' نیز اس سے واجب کا ترک کرنا بھی لازم آئے گا کیونکہ سورہ فاتحہ یا اس کے اکثر حصہ کو دوبارہ پڑھنا سجدہ سہو کا موجب ہے' اور فقیہ ابو جعفر نے نوادر میں ذکر کیا ہے کہ نمازی نے اللہ اکبر پڑھنے کے بعد اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھی اور ثناء پڑھنا بھول گیا تو اب ثنا نہ پڑھے اس طرح اگر اس نے اللہ اکبر کے بعد قرات شروع کر دی اور ثناء' اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو اب ان کو دوبارہ نہ پڑھے کیونکہ ان کا محل فوت ہو گیا اور اس پر سجدہ سہو نہیں ہے' اس کو زاہدی نے ذکر کیا ہے۔ (خلاصہ یہ ہے کہ علامہ حصکفی کا یہ کہنا درست نہیں کہ اگر اعوذ پڑھنا بھول گیا اور سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کر دی تو اعوذ پڑھ کر از سر نو سورہ فاتحہ پڑھنا شروع کرے)

ذخیرہ میں یہ مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے اور اس سے اس کا مقصد قرآن مجید کی تلاوت ہو تو اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھے اور اگر حصول برکت کے لیے بسم اللہ پڑھتا ہے تو پھر اس سے پہلے اعوذ باللہ نہ پڑھے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب کوئی شخص شکر ادا کرنے کی نیت سے الحمدللہ رب العٰلمین پڑھتا ہے تو پھر اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے' اور اگر قرآن مجید کی تلاوت کا قصد کرتا ہے تو پھر اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا ضروری ہے۔ یہ قاعدہ پڑھنے کے اعتبار سے ہے افعال کے لیے یہ قاعدہ نہیں ہے اس لیے بیت الخلاء جانے سے پہلے اعوذ باللہ من الخبث والخبائث پڑھنا اس قاعدے کے منافی نہیں ہے۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۲۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ حلبی حنفی لکھتے ہیں :

نماز میں ثناء کے بعد اعوذ باللہ پڑھنا جمہور علماء کے نزدیک سنت ہے۔ ثوری اور عطاء نے یہ کہا ہے کہ یہ واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھنے کا حکم دیا ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا یہ قول اجماع کے خلاف ہے۔ اعوذ باللہ پڑھنے کے محل میں اختلاف ہے' امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا محل ثناء کے بعد ہے اور یہ قرات کے تابع نہیں ہے' لہٰذا جو شخص بھی ثنا پڑھے گا وہ اعوذ باللہ پڑھے گا' کیونکہ اعوذ باللہ پڑھنا دفع وسوسہ کے لیے ہے اور دفع وسوسہ کے سب محتاج ہیں' لہٰذا امام اور منفرد جس طرح ثناء کے بعد اعوذ باللہ پڑھیں اسی طرح مقتدی بھی پڑھے اور عید کی نماز میں بھی امام اس کو ثناء کے بعد پڑھے نہ کہ تکبیرات کے بعد' اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اعوذ باللہ پڑھنا قرات کے تابع ہے لہٰذا جو شخص تلاوت قرآن کرے گا وہی اعوذ باللہ پڑھے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : "جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔" اور مقتدی چونکہ قرات نہیں کرتا اس لیے وہ اعوذ باللہ نہیں پڑھے گا اور امام اور منفرد چونکہ قرات کرتے ہیں اس لیے وہ اعوذ باللہ پڑھیں گے اسی طرح عید کی نماز میں چونکہ قرات تکبیرات کے بعد' شروع ہوتی ہے اس لیے تکبیرات کے بعد اعوذ باللہ پڑھی جائے گی۔ فتاویٰ قاضی خان' ہدایہ اس کی شروح' کافی' اختیار اور اکثر کتابوں میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے قول کو ترجیح دی ہے کہ اعوذ باللہ پڑھنا قرات کے تابع ہے اور ہمارا بھی یہی مختار ہے۔ (غنیۃ المستملی ص ۳۰۴' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۱۲ھ)

نیز علامہ حلبی حنفی لکھتے ہیں :

دوسری رکعت میں ثناء پڑھے گا نہ اعوذ باللہ پڑھے گا کیونکہ ان کا محل اول صلوٰۃ اور اول قرات ہے' اگر یہ اعتراض کیا

marfat.com
Marfat.com

جائے کہ دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے اعوذ باللہ نہ پڑھنے سے امام ابو یوسف کی تائید ہوتی ہے کہ اعوذ باللہ پڑھنا ثنا کے تابع ہے اور جب دوسری رکعت میں ثناء نہیں پڑھی جائے گی تو اعوذ باللہ بھی نہیں پڑھی جائے گی' اگر یہ قرأت کے تابع ہوتی جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے تو دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے اعوذ باللہ کو بھی پڑھا جاتا' سو اس طریقہ میں امام ابو یوسف کے قول پر عمل ہے حالانکہ تمہارے نزدیک امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا قول مختار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب نمازی نے ایک مرتبہ قرأت سے پہلے اعوذ باللہ کو پڑھ لیا اور قرأت کے درمیان میں کسی اجنبی فعل کو داخل نہیں کیا تو اس کے لیے دوبارہ اعوذ باللہ پڑھنا سنت نہیں ہے اور افعال نماز' قرأت کے حق میں اجنبی نہیں ہیں کیونکہ نماز کے اعتبار سے تمام افعال واحد ہیں' لہٰذا اس کی قرأت کے دوران کوئی اجنبی فعل خلل انداز نہیں ہوا' اس لیے اب اعوذ باللہ کا تکرار مسنون نہیں ہے۔ (غنیۃ المستملی ص ۳۰۴' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۱۲ھ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

بائے بسم اللہ کا معنی

عربی زبان میں باء متعدد معانی کے لیے آتی ہے اور اس میں تفصیل ہے کہ بسم اللہ میں باء کس معنی میں ہے' علامہ زمخشری کی تحقیق یہ ہے کہ بسم اللہ میں با مصاحبت اور ملابست کے لیے ہے یعنی شروع کرنے کا فعل اللہ تعالیٰ کے نام سے ملابس ہے اور اس کے نام کے ساتھ شروع ہے' جیسے کہتے ہیں کتبت بالقلم میں نے قلم کے ساتھ لکھا' یا اس کا معنی ہے متبرکا بسم اللہ اقرء' اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے میں پڑھتا ہوں' یا شروع کرتا ہوں۔ (۱) اور علامہ بیضاوی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ باء استعانت کے لیے ہے' یعنی اللہ کے نام کی مدد سے میں شروع کرتا ہوں۔

(انوار التنزیل علی ھامش عنایۃ القاضی ج ۱ ص ۳۸' مطبوعہ بیروت)

بعض علماء نے یہاں فعل امر مقدر کیا ہے' یعنی اللہ کے نام سے ہی شروع کرو۔

فعل کو بسم اللہ کے بعد مقدر کرنے کی وجوہ

اس فعل کو بسم اللہ سے پہلے مقدر نہیں کیا بلکہ بسم اللہ کے بعد مقدر کیا ہے یعنی بسم اللہ اقرء یا اشرع اللہ کے نام سے ہی میں شروع کرتا ہوں یا پڑھتا ہوں' اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ فعل کو بسم اللہ کے بعد مقدر ماننے سے عربی قواعد کے مطابق حصر ہو جائے گا اور معنی ہو گا اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں' مشرکین کسی اہم کام کو بتوں کے نام سے شروع کرتے تھے اور جب ہم کہیں گے اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں تو اس سے ان مشرکین کا رد ہو گا' جیسے قرآن مجید میں ہے ایاک نعبد اس میں بھی فعل کو مؤخر ذکر کیا ہے تاکہ حصر مستفاد ہو اس کا معنی ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں' دوسری وجہ یہ ہے کہ مقدم اس کو کیا جاتا ہے جو اہم ہو اور اللہ تعالیٰ کے نام اور ہمارے فعل ان دونوں میں اہم اللہ تعالیٰ کا نام ہے' اس لیے فعل کو مؤخر اور اللہ تعالیٰ کے نام کو مقدم ماننا چاہیے' تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بندہ کے تذلل کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر ہو اور پھر ہمارے کلام کا ذکر ہو' چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ ترتیب

(۱) علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۲۸ھ' کشاف ج ۱ ص ۵-۳' مطبوعہ مطبعہ بہیہ مصریہ' ۱۳۴۳ھ

marfat.com

Marfat.com

نفس الامر اور واقع کے بھی مطابق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام پہلے ہے ہم اور ہمارا فعل بعد میں ہے' پانچویں وجہ یہ ہے کہ انبیاء سابقین نے بعض مواقع پر پہلے اپنا ذکر کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کا' اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے ہر موقع پر پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لیا' پھر اپنا نام لیا' مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : ان معی ربی (الشعراء : ۶۲) "بے شک میرے ساتھ ہے میرا رب" اور سیدنا محمد ﷺ نے فرمایا : ان اللہ معنا (التوبہ : ۴۰) "بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے"
اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کی طرف خط لکھا :

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (النمل : ۳۰) بے شک یہ (خط) سلیمان کی طرف سے ہے اور بے شک یہ اللہ کے نام سے ہے جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے۔

اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے ھرقل کی طرف خط لکھا :
"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (سیدنا) محمد عبد اللہ ورسولہ کی جانب سے روم کے بادشاہ ھرقل کے نام" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵)
اور صلحنامہ حدیبیہ میں لکھوایا :
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ وہ ہے جس کا (سیدنا) محمد رسول اللہ (ﷺ) نے فیصلہ کیا ہے۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۹)

سو اگر فعل کو بسم اللہ سے پہلے مقدر مانا گیا تو حضرت موسیٰ اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی اتباع ہو گی۔ اور اگر بسم اللہ کے بعد فعل کو مقدر مانا گیا تو سیدنا محمد ﷺ کی اتباع ہو گی اور چھٹی وجہ یہ ہے کہ بسم اللہ کے بعد فعل کو مقدر ماننا کلام اللہ کے مطابق ہے کیونکہ قرآن مجید میں فعل کا ذکر بسم اللہ کے بعد ہے :

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا (ھود : ۴۱) اللہ کے نام کی مدد سے ہے' اس کشتی کا چلنا اور اس کا ٹھیرنا۔

ہم نے بسم اللہ کا ترجمہ کیا ہے : اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) اس میں لفظ اللہ کو پہلے ذکر کر کے ان وجوہ کی طرف اور "ہی" سے حصر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بسم اللہ میں اسم کا الف حذف کرنے کی وجہ

مشہور نحوی فراء لکھتے ہیں :
تمام مصاحف کے لکھنے والوں اور قراء کا اس پر اجماع ہے کہ بسم اللہ میں اسم کا الف محذوف ہے اور فسبح باسم ربک العظیم (الواقعہ : ۷۴' الحاقہ : ۵۲) میں الف کو برقرار رکھا گیا ہے کیونکہ سورتوں اور دیگر کتابوں کی ابتداء میں بسم اللہ کی جگہ معروف ہے' اور پڑھنے والا اس کے معنی سے ناواقف نہیں ہے اور اس کے الف کو پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے اس کو حذف کر دیا' کیونکہ عرب کا طریقہ اختصار' اور کثیر الاستعمال لفظ کے حروف کو کم کرنا ہے بہ شرطیکہ اس کا معنی معروف ہو' اور فسبح باسم ربک میں الف کو برقرار رکھا گیا ہے کیونکہ بسم اللہ کی بہ نسبت باسم ربک کا استعمال بہت کم ہے' کیا تم نہیں دیکھتے کہ کھانے' پینے' ذبح کرنے بلکہ ہر نیک کام سے پہلے بسم اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔
(معانی القرآن مطبوعہ بیروت)

علامہ بیضاوی نے کہا ہے کہ اسم کا الف جو حذف کیا گیا ہے اس کے عوض میں بسم اللہ کو لمبا کر کے لکھا جاتا ہے۔

لفظ اللہ کا معنی اور اس کے وصف یا علم ہونے کی تحقیق

marfat.com
Marfat.com

علامہ مکی بن ابی طالب لکھتے ہیں :

لفظ اللہ اصل میں "لاہ" ہے پھر اس پر الف لام داخل کیا گیا تو "اللاہ" ہو گیا' پھر تخفیفاً الف کو حذف کیا اور اس کی حرکت پہلے لام پر داخل کر دی اور پہلے لام کا دوسرے لام میں ادغام کر دیا تو یہ لفظ اللہ ہو گیا ایک قول یہ ہے کہ یہ اصل میں "الاہ" ہے اس پر الف لام داخل کیا اور لام کا لام میں ادغام کیا تو یہ لفظ اللہ ہو گیا اور خلیل سے منقول ہے کہ اس کی اصل "ولاہ" ہے۔(مشکل اعراب القرآن' مطبوعہ انتشارات نور ایران' ۱۳۶۲ھ)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں :

الہ کا معنی ہے حیرت زدہ ہونا' کیونکہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال میں غور کرتا ہے تو حیرت زدہ ہو جاتا ہے' اور "لاہ" سریانی زبان کا لفظ ہے' جو چیز بلند اور محجوب ہو اس کو "لاہ" کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسانی آنکھوں سے محجوب ہے اور جو چیز اس کے لائق نہ ہو اس سے بلند ہے' اور "ولاہ" کا معنی ہے بچہ کا خوف زدہ ہو کر ماں کی طرف لپکنا' اور تمام مخلوق اپنے مصائب اور پریشانیوں میں گھبرا کر اللہ تعالیٰ کی طرف لپکتی ہے' ان وجوہ سے کہا جاتا ہے کہ لفظ اللہ "الہ" سے "لاہ" سے یا "ولاہ" سے بنا ہے۔ ابن اثیر نے کہا یہ "الہ" سے بنا ہے اور منذری نے کہا یہ "الالہ" سے بنا ہے۔

(لسان العرب ج ۱۳ ص ۴۶۹۔۴۶۷' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم ایران)

اور علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں :

سیبویہ نے کہا کہ لفظ اللہ کا "لاہ" سے بننا جائز ہے اس کا معنی بلندی اور ارتفاع ہے۔

(قاموس ج ۴ ص ۴۲۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں :

زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ لفظ اللہ ذات واجب الوجود کے لیے علم (شخصی نام) ہے جو کہ تمام صفات کمال کی جامع ہے اور یہ لفظ مشتق نہیں ہے' ابن العربی نے کہا یہ علم ہے اور الہ حق پر دلالت کرتا ہے اور یہ تمام اسماء حسنی الہیہ احدیہ کا جامع ہے۔(تاج العروس ج ۱ ص ۴۷۳' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر' ۱۳۰۶ھ)

ہمارے نزدیک تحقیق یہی ہے کہ لفظ اللہ کسی لفظ سے نہیں بنا' اور یہ اصل میں علم ہے وصف نہیں ہے کیونکہ لفظ اللہ موصوف ہوتا ہے اور کسی موصوف کی صفت نہیں بنتا نیز اللہ تعالیٰ کی متعدد صفات ہیں اور ان صفات کے عمل کے لیے کسی موصوف کی ضرورت ہے اور لفظ اللہ کے علاوہ اور کوئی لفظ اس کی صلاحیت نہیں رکھتا' اور اگر لفظ اللہ مشتق اور صفت ہو تو پھر لا الہ الا اللہ سے توحید ثابت نہیں ہو گی کیونکہ صفت کلی ہوتی ہے اور شرکت کثیرین سے مانع نہیں ہوتی اور علامہ بیضاوی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ لفظ اصل میں وصف تھا اور غلبہ استعمال کی وجہ سے بہ منزلہ علم ہو گیا کیونکہ پھر مرتبہ وضع میں توحید ثابت نہیں ہو گی' اور الہ' ولہ اور لاہ کے ساتھ لفظی مناسبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ لفظ ان میں سے کسی ایک لفظ سے بنا ہو اور حق یہ ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات کسی سے نہیں بنی اسی طرح اس کی ذات پر دلالت کرنے والا لفظ بھی کسی لفظ سے نہیں بنا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں :

علامہ سعد الدین تفتازانی اور علامہ حسام الدین نے کہا ہے کہ لفظ اللہ اس ذات کے لیے علم (شخصی نام) ہے جو

Marfat.com

واجب الوجود ہے' اور تمام صفات محمودہ کی جامع ہے' اور علامہ میر سید شریف نے کہا جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک کرنے سے انسان کی عقل حیران اور عاجز و درماندہ ہے اسی طرح اس کی ذات پر دلالت کرنے والے اسم کی حقیقت کو پانے سے بھی عقلیں حیران اور پریشان ہیں کسی نے کہا یہ لفظ سریانی ہے کسی نے کہا یہ عربی ہے' کسی نے کہا یہ وصف اور مشتق ہے کسی نے کہا علم ہے اور جمہور کا موقف یہ ہے کہ لفظ اللہ عربی ہے اور علم مرتجل ہے (کوئی اور لفظ اس کی اصل نہیں ہے) امام ابو حنیفہ' امام محمد بن الحسن' امام شافعی اور خلیل کا یہی نظریہ ہے' امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم یہی اسم ہے' امام طحاوی اور دیگر کثیر علماء اور عارفین کا یہی قول ہے۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۵' مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول' ۱۳۲۷ھ)

رحمٰن اور رحیم کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

رحمت اس رقت قلب کو کہتے ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ مرحوم پر احسان کیا جائے' کبھی یہ لفظ رقت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی صرف احسان کے معنی میں' اور جب رحمت اللہ تعالیٰ کی صفت ہو تو پھر اس کا معنی صرف احسان اور افضال ہے نہ کہ رقت قلب' اور جب رحمت آدمیوں کی صفت ہو تو پھر اس کا معنی رقت اور شفقت ہے۔

رحمان کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ رحمان کا معنی ہے وہ ذات جس کی رحمت ہر چیز کو محیط ہو اور اس معنی کا مصداق اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا' اور رحیم کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے غیر پر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ رحیم کا معنی ہے جو بہت رحم کرتا ہو' قرآن مجید میں رحیم کا اطلاق اللہ پر بھی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا :

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (الحج : ۶۵)

بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر نہایت مہربان اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا :

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ : ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آئے جن پر تمہارا مشقت میں مبتلا ہونا سخت دشوار ہے وہ تمہاری بھلائی بہت حریص ہیں اور مومنوں پر نہایت مہربان اور بہت رحم فرمانے والے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں رحمٰن ہے کیونکہ دنیا میں اس کا احسان مومنوں اور کافروں دونوں پر ہے اور آخرت میں رحیم ہے کیونکہ آخرت میں اس کا احسان صرف مومنوں پر ہو گا کافروں پر نہیں ہو گا۔

(المفردات ص ۱۹۱' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

رحمٰن کو رحیم پر مقدم کرنے کی وجوہ

خلاصہ یہ ہے کہ رحمان اور رحیم دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور رحمان میں رحیم کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے۔ اب یہاں ایک سوال یہ ہے کہ عرب کا طریقہ یہ ہے کہ صفات مدح میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں

marfat.com
Marfat.com

فلاں عالم نحریر (فلاں شخص عالم' ماہر ہے) اس لیے بہ ظاہر پہلے رحیم اور پھر رحمان کا ذکر ہونا چاہیے تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ رحمٰن کا اطلاق چونکہ اللہ تعالیٰ کے غیر پر نہیں ہوتا' اس لیے یہ لفظ اللہ کی طرح ہے اور بہ منزلہ علم ہے' اور رحیم وصف ہے اور علم وصف پر مقدم ہوتا ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ رحمٰن کا لفظ تمام عظیم اور جلیل نعمتوں کو شامل ہے جو بہ منزلہ اصول ہیں اور رحیم اس کا تتمہ ہے جو فروعی اور دقیق نعمتوں کو شامل ہے اور جو لفظ جلیل' عظیم اور اصل نعمتوں پر دلالت کرتا ہے وہ اس لفظ پر مقدم ہونا چاہیے جو دقیق اور فروعی نعمتوں پر دلالت کرتا ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ رحمٰن کا تعلق دنیا سے ہے اور رحیم کا تعلق آخرت سے ہے اور دنیا آخرت سے پہلے ہے اس لیے رحمٰن کا ذکر رحیم سے پہلے کیا ہے' چوتھا جواب یہ ہے کہ رحمان عام ہے کیونکہ اس کا تعلق مومن اور کافر دونوں سے ہے اور رحیم خاص ہے کیونکہ اس کا تعلق صرف مومن سے ہے اور عام خاص پر مقدم ہوتا ہے اس لیے رحمان کو رحیم پر مقدم کیا ہے' کیونکہ رحمٰن میں رحیم کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے اس لیے ہم نے رحمٰن کا معنی نہایت رحم فرمانے والا اور رحیم کا معنی بہت مہربان کیا ہے۔

بسم اللہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف رمز اور اشارہ

علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

الف بسیط اور مطلق ہے اور وہ اپنی بساطت اور اطلاق کی وجہ سے اللہ عزوجل کی ذات مطلقہ پر دلالت کرتا ہے اور الف کے بعد باء ہے اور یہ تمام تعینات پر مقدم ہے سو باء اپنے تعین اول کے لحاظ سے حقیقت محمدی پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح بسم اللہ کی باء میں ذات محمد (ﷺ) کی طرف اشارہ ہے' اور باء پر کسرہ (زیر) ہے اور اس سے آپ کی صفت رحمت کی طرف اشارہ ہے قرآن مجید میں ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (الانبیاء : ۱۰۷) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے صرف بہ طور رحمت بھیجا ہے۔

نیز فرمایا :

بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ (التوبہ : ۱۲۸) اور مومنوں پر نہایت مہربان اور بہت رحم فرمانے والے ہیں۔

اس میں یہ رمز ہے کہ جن پر یہ کتاب نازل ہوئی ہے اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں اگرچہ وہ صاحب خلق عظیم ہیں اور ان کا ہر وصف اعلیٰ ہے لیکن ان پر صفت رحمت کا غلبہ ہے وہ رؤف رحیم ہیں اور جس کی طرف وہ دعوت دے رہے ہیں وہ الرحمٰن الرحیم ہے' یہی وجہ ہے کہ قرآن کی ہر سورت سے پہلے بسم اللہ ہے اور اس میں آپ کی صفت رحمت کی طرف اشارہ ہے' سورہ توبہ کی ابتداء میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی وہ براءۃ سے شروع ہے اور باء سے آپ کی ذات اور باء کی فتح (زبر) سے آپ کی صفت جلال کی طرف اشارہ ہے' قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں' ایک سو تیرہ سورتوں میں بسم اللہ کے ذکر سے آپ کی رحمت کی طرف اشارہ ہے اور ایک سورت میں براءۃ کی نصب سے آپ کے غضب کی طرف اشارہ ہے' خلاصہ یہ ہے کہ ہر سورت کی لوح جبیں پر حقیقت محمدی کی طرف رمز ہے۔ ایک سو تیرہ سورتوں میں آپ کے جمال کی طرف اور ایک سورت میں آپ کے جلال کی طرف اشارہ ہے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۵۲-۵۱)

Marfat.com

مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

بعض محققین نے بیان کیا کہ بسم اللہ میں باء کے بعد اسم اللہ ہے اور اسم اللہ میں بھی حقیقت محمدی کی طرف رمز ہے کیونکہ اسم وہ ہے جو مسمی پر دلالت کرے اور یوں تو ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ذات پر دلالت کرتی ہے لیکن کامل دلالت کرنے والا وہ ہو گا جس کی دلالت سب کے لیے ہو جو نبیوں اور رسولوں کے لیے بھی اللہ کی دلیل ہو' انسانوں اور جنوں کے لیے بھی رہنما ہو' شجرو حجر' دشت و جبل' بحرو بر اور کائنات کی ہر حقیقت کے لیے اللہ کی دلیل ہو اور ایسی کامل دلیل بہ جز ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں ہے تو وہی اسم اللہ ہیں اور یوں اسم اللہ میں بھی حقیقت محمدی کی طرف رمز ہے۔ آپ اللہ کا اسم ہیں اور اسم مسند اور مسند الیہ ہوتا ہے اور آپ اللہ کی طرف مسند ہیں اور ساری کائنات کے لیے مسند الیہ ہیں' اسم کا خاصہ ہے حرف جر' اور جر کا معنی ہے کھینچنا اور آپ لوگوں کو جہنم کے کنارے سے کھینچ کھینچ کر جنت کی طرف لائے اور حروف جارہ میں من اور الی ہیں من ابتدا کے لیے اور الی انتہاء کے لیے ہے اور نبوت کی ابتداء بھی آپ سے ہے اور نبوت کی انتہا بھی آپ پر ہے اور حروف جارہ میں باء ہے' باء الصاق کے لیے آتی ہے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانے کے لیے' اور آپ نے بندوں کو خدا سے ملایا ہے' اور حروف جارہ میں علی ہے علی استعلاء اور بلندی کے لیے آتا ہے اور آپ ساری کائنات پر بلند ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ بسم اللہ کی باء' باء کی کسرہ اور اسم اللہ ان سب میں حقیقت محمدی کی طرف رمز ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے متعلق فقہی مباحث

ایک بحث یہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے شروع میں جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہے آیا وہ قرآن کریم کا جز ہے یا نہیں- دوسری بحث یہ ہے کہ آیا وہ سورہ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں' تیسری بحث یہ ہے کہ سورتوں کے اوائل میں جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہے وہ ان سورتوں کا جز ہے یا نہیں- چوتھی بحث یہ ہے کہ نماز میں بسم اللہ پڑھنے کا کیا حکم ہے' پانچویں بحث یہ ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت پڑھنے سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے یا نہیں' چھٹی بحث یہ ہے کہ بسم اللہ کو جہراً پڑھا جائے یا آہستہ' اور ساتویں بحث میں بسم اللہ کے احکام شرعیہ اور مسائل ہیں اور آٹھویں بحث میں بسم اللہ کے فوائد اور حکمتیں ہیں-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے آیت قرآن ہونے کی تحقیق

علامہ ابوبکر رازی لکھتے ہیں :

مسلمانوں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ سورہ نمل کی یہ آیت انہ من سلیمان وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم (النمل : ۳۰) قرآن کریم کا جز ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ اقرا باسم ربک الذی خلق ہے- مسعودی نے حارث عکلی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اپنے مکاتیب کی ابتداء میں باسمک اللھم لکھتے تھے' حتی کہ یہ آیت نازل ہوئی بسم اللہ مجرىھا و مرسھا (ھود : ۴۱) تو آپ بسم اللہ لکھنے لگے پھر یہ آیت نازل ہوئی قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمان (الاسراء : ۱۱۰) تو آپ بسم اللہ الرحمن لکھنے لگے- سنن ابوداؤد میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو اس وقت تک نہیں لکھا جب تک کہ سورہ نمل نازل نہیں ہوئی' اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ حدیبیہ لکھوایا تو آپ

marfat.com
Marfat.com

نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو سہیل نے کہا باسمک اللھم لکھو کیونکہ ہمارے نزدیک رحمٰن معروف نہیں ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پہلے قرآن مجید میں نہیں تھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سورہ نمل میں نازل کیا۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۸ ' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ' ۱۴۰۰ھ)

صحیح بخاری میں ہے ' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھوائی تو سہیل نے کہا بہ خدا میں نہیں جانتا کہ رحمٰن کیا چیز ہے لیکن آپ باسمک اللھم لکھیں جس طرح آپ پہلے لکھتے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۹ ' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ' ۱۳۸۱ھ)

ہر چند کہ سورہ نمل مکی سورت ہے لیکن اس سے پہلے متعدد سورتیں نازل ہو چکی تھیں اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورت کے اوائل کا جز ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء ہی سے باسمک اللھم کی بجائے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھتے لہٰذا سنن ابوداؤد کی مذکور الصدر حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سورہ نمل نازل ہونے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن مجید میں نہیں تھی اور نہ ہی اوائل سور قرآن کا جز تھی۔

بسم اللہ الرحمان الرحیم کے سورہ فاتحہ کے جز نہ ہونے کی تحقیق اور مذاہب اربعہ

علامہ ابوبکر رازی حنفی لکھتے ہیں :

اس میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کا جز ہے یا نہیں ' قراء کوفہ نے اس کو سورہ فاتحہ کی ایک آیت قرار دیا ہے اور قراء بصریہ نے اس کو سورہ فاتحہ کی آیات سے شمار نہیں کیا ' ہمارے اصحاب (فقہاء احناف) سے یہ تصریح منقول نہیں ہے کہ یہ سورہ فاتحہ کی آیت ہے ' البتہ ہمارے شیخ ابوالحسن کرخی نے فقہاء احناف کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ بسم اللہ کو نماز میں جہراً نہیں پڑھا جائے گا اس سے یہ معلوم ہوا کہ فقہاء احناف کے نزدیک بسم اللہ سورہ فاتحہ کی ایک آیت نہیں ہے ورنہ اس کو بھی جہراً پڑھا جاتا جیسے سورہ فاتحہ کی باقی آیات کو جہراً پڑھا جاتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بسم اللہ سورہ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ' اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے اور میرے بندے کے درمیان صلاۃ (سورہ فاتحہ) کو نصف ' نصف تقسیم کر دیا گیا ہے ' نصف میرے لیے ہے اور نصف میرے بندہ کے لیے ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے ' پس جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العلمین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بندہ نے میری حمد کی ' اور جب بندہ کہتا ہے الرحمٰن الرحیم تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بندہ نے میری تعظیم کی یا میری ثنا کی ' اور جب بندہ کہتا ہے کہ مالک یوم الدین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بندہ نے خود کو میرے سپرد کر دیا ' اور جب بندہ کہتا ہے ایاک نعبد وایاک نستعین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان ہے اور میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے پھر میرا بندہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم اخیر سورت تک ' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ کے لیے وہ ہے جس کا وہ سوال کرے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۹۔۸ ' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ' ۱۴۰۰ھ)

اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۰۔۱۶۹ ' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ' ۱۳۷۵ھ)

اگر بسم اللہ سورہ فاتحہ کا جز ہوتی تو سورہ فاتحہ کی آیات میں اس کا بھی ذکر اس حدیث میں ہوتا اور جب آپ نے سورہ

Marfat.com

فاتحہ کی آیات میں بسم اللہ کا ذکر نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ بسم اللہ' سورہ فاتحہ کی آیت اور جز نہیں ہے۔

شرح صحیح مسلم جلد اول میں ہم نے اس کے مزید دلائل ذکر کئے ہیں اور علماء شافعیہ نے ان دلائل کے جو جوابات دیئے ہیں ان پر بحث کی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کی جز نہیں ہے اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سورہ فاتحہ کی جز ہے۔

اوائل سور میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ان سورتوں کے جز نہ ہونے کی تحقیق اور مذاہب اربعہ

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں :

اوائل سور میں بسم اللہ قرآن کا جز ہے' کیونکہ امام مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سوئے ہوئے تھے' پھر آپ نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا ہم نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کس بات پر ہنس رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر آپ نے تلاوت کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○انا اعطیناک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ھو الابتر

(شرح مسلم' ج ۱ ص ۱۷۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ کوثر سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو تبرکاً پڑھا ہے سورہ کوثر کی آیت ہونے کے لحاظ سے نہیں پڑھا کیونکہ اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر سورت کی ابتداء میں اس کا جز ہوتی تو آپ پر سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوتی حالانکہ صحیح بخاری اور دیگر کتب صحاح میں یہ تصریح ہے کہ آپ پر سب سے پہلے اقرا باسم ربک الذی خلق نازل ہوئی ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے کہ آپ پر سب سے پہلے یہی آیت نازل ہوئی ہے۔

علامہ ابن العربی مالکی لکھتے ہیں :

اس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے کہ سورہ نمل میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کتاب اللہ کی آیت ہے اور ہر سورت کی ابتداء میں اس کے آیت ہونے میں اختلاف ہے' امام مالک اور امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ ہر سورت کی ابتداء میں یہ آیت نہیں ہے' اس کو اس لیے ذکر کیا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں سے سورت شروع ہوئی ہے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۵' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ ابو الحسن مرداوی حنبلی لکھتے ہیں :

اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ سورہ فاتحہ کے سوا ہر سورت کے اول میں بسم اللہ اس سورت کا جز نہیں ہے'

علامہ زرکشی نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔ (الانصاف ج ۲ ص ۴۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۷۴ھ)

غالباً علامہ مرداوی کو اس مسئلہ میں امام شافعی کے اختلاف کا علم نہیں ہے۔

علامہ ابو بکر رازی حنفی لکھتے ہیں :

اس میں اختلاف ہے کہ آیا اوائل سور میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ان سورتوں کی ایک آیت ہے یا نہیں؟ ہمارے نزدیک ہر سورت کے اول میں جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے وہ اس سورت کی آیت نہیں ہے' کیونکہ اس سورت کے ساتھ بسم اللہ کو جہراً نہیں پڑھا جاتا' نیز جب یہ سورہ فاتحہ کی جز نہیں ہے تو اسی طرح باقی سورتوں کی

marfat.com
Marfat.com

کی جز نہیں ہے کیونکہ یہ کسی کا قول نہیں ہے کہ یہ سورہ فاتحہ کی جز نہیں ہے اور باقی سورتوں کی جز ہے' اور امام شافعی کا یہ قول ہے کہ ہر سورت سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس سورت کی ایک آیت ہے اور ان سے پہلے یہ قول کسی نے نہیں کیا۔ اس سے پہلے صرف یہ اختلاف تھا کہ یہ سورہ فاتحہ کی جز ہے یا نہیں۔ لوائل سور سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے جز نہ ہونے کے یہ دلائل ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے پوچھا اس کا کیا سبب ہے کہ آپ نے سورہ توبہ اور سورہ انفال کو سات بڑی سورتوں میں رکھا ہے؟ اور آپ نے ان دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ الرحمان نہیں لکھی' حضرت عثمان نے کہا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی آیات نازل ہوتیں تو آپ کسی لکھنے والے کو بلاتے اور فرماتے اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو' اور جب آپ پر ایک یا دو آیتیں نازل ہوتیں تب بھی آپ اسی طرح فرماتے' سورہ انفال اس وقت نازل ہوئی جب آپ شروع شروع مدینہ میں آئے تھے اور سورہ توبہ قرآن کی آخری سورتوں میں سے ہے اور سورہ انفال کا مضمون سورہ توبہ کے مضمون کے مشابہ تھا تو میں نے یہ گمان کیا کہ یہ اس کے ساتھ لاحق ہے' اس لیے میں نے ان دونوں کو سات بڑی سورتوں میں رکھا' اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سطر نہیں لکھی۔ اس حدیث میں حضرت عثمان نے یہ تصریح کی ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کسی سورت کا جز نہیں ہے اور وہ سورت سے پہلے بسم اللہ کو صرف دو سورتوں کے درمیان فصل کے لیے لکھتے تھے' نیز اگر ہر سورت سے پہلے بسم اللہ اس سورت کا جز ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے ہر شخص کو اس کا علم ہوتا' جیسا کہ دوسری آیات کا سب کو بغیر کسی نزاع کے علم ہے۔ دوسری دلیل یہ حدیث ہے :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : قرآن میں ایک سورت کی تیس آیتیں ہیں جو اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرتی رہے گی حتی کہ اس کی مغفرت کر دی جائے گی (وہ سورت ہے) تبارک الذی بیدہ الملک اور تمام قراء وغیرہ کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ تبارک الذی میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے علاوہ تیس آیتیں ہیں' اگر بسم اللہ اس سورت کا جز ہو تو اس سورت کی اکتیس آیتیں بن جائیں گی اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے خلاف ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ تمام قراء اور فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ سورہ کوثر کی تین اور سورہ اخلاص کی چار آیتیں ہیں اگر بسم اللہ کو ان سورتوں کا جز مانا جائے تو پھر ان کی آیتوں کی تعداد چار اور پانچ ہو جائے گی اور یہ ان کے اتفاق کے خلاف ہے (احکام القرآن ج ۱ ص ۸-۱۰ ملخصا' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

نماز میں بسم اللہ پڑھنے کے متعلق مذاہب اربعہ

علامہ ابوبکر رازی حنفی لکھتے ہیں :

امام ابوحنیفہ' امام محمد' امام زفر اور امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ نماز میں اعوذ باللہ کے بعد سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے' اور اس میں اختلاف ہے کہ آیا ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھی جائے یا نہیں؟ اسی طرح سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے یا نہیں۔ امام ابویوسف نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک (ضم) سورت سے پہلے دوبارہ بسم اللہ نہ پڑھے' اور امام محمد اور حسن

Marfat.com

بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے یہ روایت کیا ہے کہ جب پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے بسم اللہ پڑھ لی ہے تو اب اس نماز میں سلام پھیرنے تک اس پر بسم اللہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے' اور اگر اس نے ہر سورت کے ساتھ بسم اللہ پڑھ لی تو مستحسن ہے۔ حسن بن زیاد نے کہا اگر وہ مسبوق ہے تو اس کی پہلی رکعت میں اس پر بسم اللہ پڑھنا ضروری نہیں ہے' کیونکہ امام پہلی رکعت میں بسم اللہ پڑھ چکا ہے اور امام کی قرات اس کی قرات ہے۔

امام مالک بن انس نے یہ کہا ہے کہ فرض نماز میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھے نہ بلند آواز سے اور نفل میں اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو پڑھے اور اگر چاہے تو ترک کردے اور ہمارے نزدیک تمام نمازوں میں بسم اللہ پڑھے کیونکہ حضرت ام سلمہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پڑھتے تھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العلمین اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں' وہ پست آواز سے بسم اللہ پڑھتے تھے اور بعض روایات میں ہے کہ وہ جہراً بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۲۔۱۳' ملخصاً' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

امام شافعی کے نزدیک چونکہ ہر سورت کے اول میں بسم اللہ اس سورت کا جز ہے اس لیے ان کے نزدیک ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے گی اور امام احمد کے نزدیک بسم اللہ صرف سورہ فاتحہ کا جز ہے اس لیے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے گی اور سورت سے پہلے نہیں پڑھی جائے گی۔

نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو آہستہ سے پڑھنے کی تحقیق اور مذاہب اربعہ

علامہ ابوبکر رازی حنفی لکھتے ہیں :

ہمارے اصحاب (احناف) اور ثوری نے یہ کہا ہے کہ نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو آہستہ پڑھا جائے' اور امام شافعی نے کہا ہے کہ بسم اللہ کو نماز میں جہراً پڑھے' یہ اختلاف اس وقت ہے جب امام نماز میں جہراً قرات کرے' اس مسئلہ میں صحابہ کرام کا بہت اختلاف ہے' عمر بن ذر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی' حماد نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بسم اللہ کو آہستہ پڑھتے تھے پھر سورہ فاتحہ جہر سے پڑھتے تھے' حضرت انس سے بھی اسی طرح مروی ہے' ابراہیم نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھتے تھے' جہر سے نہیں پڑھتے تھے' اور حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھتے تھے' اسی طرح حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' اور مغیرہ نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ نماز میں بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا بدعت ہے' امام ابوحنیفہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نماز میں بسم اللہ کو جہر سے پڑھنا اعرابیوں (بدوؤں) کا طریقہ ہے' اسی طرح عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے' ابووائل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہر سے پڑھتے تھے نہ اعوذ باللہ کو نہ آمین کو' اور حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان نماز میں بسم اللہ کو آہستہ سے پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مغفل جہر سے بسم اللہ پڑھنے کو بدعت کہتے تھے۔ (جامع ترمذی ص ۶۲)' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو اللہ اکبر اور الحمد للہ رب العلمین

marfat.com
Marfat.com

کی قرأت سے شروع کرتے تھے اور سلام سے ختم کرتے تھے' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی فرض نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہراً نہیں پڑھا نہ حضرت ابوبکر نے نہ حضرت عمر نے
(احکام القرآن ج ۱ ص ۱۶ــ۱۷' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور- ۱۴۰۰ھ)

علامہ ابوالحسن مرداوی حنبلی لکھتے ہیں :

بسم اللہ کو نماز میں جہراً نہ پڑھا جائے' خواہ ہم اس کو سورہ فاتحہ کا جز کہیں یا نہ کہیں' یہی صحیح قول ہے' مجد نے اپنی شرح میں اس کی تصحیح کی ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ ترک جہر کی روایت میں کوئی اختلاف نہیں ہے' خواہ ہمارے نزدیک یہ سورہ فاتحہ کا جز ہے' ابن حمدان' ابن تمیم' ابن جوزی اور زرکشی وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے اور اس قول کو مقدم رکھا ہے اور یہی جمہور کا موقف ہے۔

ابن حامد اور ابوالخطاب نے ایک روایت جہر کی بیان کی ہے' بہ شرطیکہ بسم اللہ کو سورہ فاتحہ کا جز کہا جائے' ابن عقیل نے بھی اس کا ذکر کیا ہے' ایک قول یہ ہے کہ مدینہ میں جہر کیا جائے اور ایک قول یہ ہے کہ نفل میں جہر کیا جائے' اور شیخ تقی الدین کا مختار یہ ہے کہ بسم اللہ' اعوذ باللہ اور سورہ فاتحہ کو نماز جنازہ وغیرہ میں کبھی کبھی جہر سے پڑھا جائے۔
(انصاف ج ۲ ص ۴۸ــ۴۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۶ھ)

علامہ نووی شافعی لکھتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ جہری نماز میں سورہ فاتحہ اور اس کے بعد کی سورت سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو جہراً پڑھا جائے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۱۷۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابن رشد مالکی لکھتے ہیں :

امام مالک نے فرض نماز میں بسم اللہ پڑھنے سے منع کیا ہے خواہ جہری نماز ہو یا سری' سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھے نہ اس کے بعد والی سورت سے پہلے اور نفل نماز میں جائز کہا ہے۔ (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۸۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک جہری نماز میں سورہ فاتحہ اور بعد کی سورت سے پہلے بسم اللہ کو جہراً پڑھے اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے نزدیک جہری نماز میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ کو آہستہ پڑھے اور امام مالک کے نزدیک فرض نماز میں مطلقاً بسم اللہ نہ پڑھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے احکام شرعیہ اور مسائل

علامہ سید احمد طحطاوی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے احکام شرعیہ کے بیان میں لکھتے ہیں :

(۱) ذبح کرتے وقت' شکار کی طرف تیر پھینکتے وقت اور شکاری کتا چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔ البحر الرائق میں لکھا ہے کہ بسم اللہ کہنا ضروری نہیں ہے صرف اللہ کا نام لینا شرط ہے' اور بعض کتابوں میں ہے الرحمٰن الرحیم نہ کہے (صرف بسم اللہ کہے) کیونکہ ذبح کے وقت رحمت کا ذکر مناسب نہیں ہے۔

(۲) قنیہ میں لکھا ہے کہ ہر رکعت میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا واجب ہے' اور اس کے ترک سے سجدہ سہو کرنا لازم ہے' لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔

(۳) وضو کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا سنت ہے' استنجاء سے پہلے اور بعد بھی' لیکن حالت استنجاء

marfat.com
Marfat.com

اور محل نجاست میں نہ پڑھے۔ اگر وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تو دوران وضو جب بھی یاد آئے بسم اللہ پڑھ لے' وضو کے اول میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا سنت ہے اور درمیان میں پڑھنا مستحب ہے۔

(۴) کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا سنت ہے' اگر بھول گیا تو درمیان میں پڑھنا بھی سنت ہے اور درمیان میں یوں پڑھے : بسم اللہ اولہ واخرہ۔

(۵) سورہ فاتحہ کے بعد دوسری سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری۔

(۶) کسی کتاب کے شروع میں اور ہر نیک اور اہم کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔

(۷) قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ کے بعد بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔

(۸) مشتبہ چیز کھاتے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا مکروہ ہے' جمہور کے نزدیک تمباکو نوشی کے وقت بھی بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے۔

(۹) سورہ انفال کے بعد سورہ توبہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے' اگر سورہ توبہ سے ہی پڑھنا شروع کیا ہے تو پھر بعض مشائخ کے نزدیک بسم اللہ مکروہ نہیں ہے۔

(۱۰) اٹھنے' بیٹھنے' چلنے پھرنے اور دیگر کاموں کے وقت بسم اللہ پڑھنا مباح ہے۔

(۱۱) خلاصۃ الفتاوی میں مذکور ہے اگر کسی شخص نے شراب پیتے وقت یا حرام کھاتے وقت یا زنا کرتے وقت بسم اللہ پڑھی تو وہ کافر ہو جائے گا یہاں حرام سے مراد حرام قطعی ہے' کیونکہ کسی کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ سے استعانت اور برکت حاصل کرنے کے لیے بسم اللہ پڑھی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ سے مدد اسی کام میں حاصل کی جائے گی جس کام کو اس نے جائز کیا ہو اور اس پر وہ راضی ہو' اس لیے کسی حرام کام پر بسم اللہ پڑھنا اس کو حلال قرار دینے کے مترادف ہے اور حرام کو حلال قرار دینا کفر ہے۔

(۱۲) جنبی اور حائض کے لیے بہ طور قرآن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا حرام ہے' البتہ بطور ذکر اور برکت حاصل کرنے کے لیے پڑھنا جائز ہے۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص ۶ـ۵' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۳۹۵ھ)

اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسماء لکھنے اور پڑھنے کے آداب

علامہ سید احمد طحطاوی لکھتے ہیں :

فصول میں مذکور ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام سنے اس پر اللہ کی تعظیم کرنا واجب ہے مثلاً عز و جل' جل مجدہ یا تبارک و تعالیٰ کہے اور بعض کتابوں میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا نام لکھے تو اس کے ساتھ کوئی تعظیمی کلمہ مثلاً عز و جل لکھے' اسی طرح نبی ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کی حفاظت کرے اور بار بار پڑھنے سے نہ اکتائے' اگر اصل کتاب میں صلوٰۃ و سلام نہ ہو تو خود زبان سے پڑھے' اسی طرح صحابہ کرام کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہ اور علماء کے اسماء کے ساتھ رحمہ اللہ لکھے اور پڑھے' اور صرف صلوٰۃ یا سلام پر اختصار کرنا مکروہ ہے' ملا مسکین نے لکھا ہے یہ مکروہ نہیں ہے' لیکن ان کی مراد یہ ہے کہ یہ مکروہ تحریمی نہیں ہے مکروہ تنزیہی بہرحال ہے' اسی طرح لکھتے وقت رمز اور اشارہ سے صلوٰۃ و سلام اور رضی اللہ عنہ لکھنا (مثلاً ص یا صلعم' یا رضؓ لکھنا) مکروہ ہے مکمل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور رضی اللہ عنہ لکھے' تاتار خانیہ کے بعض مقامات پر لکھا ہے کہ جس نے علیہ السلام کو ہمزہ اور میم کے ساتھ لکھا وہ کافر ہو

marfat.com
Marfat.com

ہے کیونکہ یہ تخفیف ہے اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی تخفیف کفر ہے' تاہم یہ کفر اس وقت ہو گا جب کوئی شخص تخفیف کے قصد سے ایسا کرے گا' بہر حال اس سے احتیاط لازم ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ا ص ٦' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۳۹۵ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے فوائد اور حکمتیں

(۱) علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء حسنیٰ کو مقدم کر کے ہمیں یہ ادب سکھایا ہے کہ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے تمام اقوال' افعال اور مہمات کو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سے شروع کیا کریں۔

(جامع البیان ج ا ص ۳۸' مطبوعہ مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر' ۱۳۲۳ھ)

(۲) علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ کھانے' پینے' ذبح کرنے' جماع کرنے' وضو کرنے' کشتی میں سوار ہونے' غرض ہر (صحیح) کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (الانعام : ۱۱۸) — تو اس (ذبیحہ) سے کھاؤ' جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا (هود : ۴۱) — اور نوح نے کہا اس کشتی میں سوار ہو جاؤ اس کا چلنا اور رکنا اللہ کے نام سے ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دروازہ بند کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھو' چراغ گل کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھو' برتن ڈھانکتے ہوئے بسم اللہ پڑھو' اور مشک کا منہ بند کرتے ہوئے بسم اللہ پڑھو اور فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص عمل تزویج کے وقت کہے بسم اللہ' اے اللہ ہم کو شیطان سے محفوظ رکھ اور جو (اولاد) ہم کو عطا کرے اس کو بھی شیطان سے محفوظ رکھ' تو اگر اس عمل میں ان کے لیے اولاد مقدر کی جائے گی تو اس کو شیطان کبھی ضرر نہیں پہنچا سکے گا' اور آپ نے عمر بن ابی سلمہ سے فرمایا اے بیٹے بسم اللہ پڑھو' اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ' اور اپنے سامنے سے کھاؤ' اور آپ نے فرمایا شیطان ہر کھانے کو حلال کر لیتا ہے ماسوا اس کھانے کے جس پر بسم اللہ پڑھی گئی ہو' حضرت عثمان بن ابی العاص نے آپ سے شکایت کی کہ جب سے وہ اسلام لائے ہیں ان کے جسم میں درد رہتا ہے' آپ نے فرمایا تین بار بسم اللہ پڑھو' اور سات بار یہ پڑھو "اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ من شر ما اجد احاذر" یہ تمام احادیث صحیح ہیں' اور امام ابن ماجہ اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جب تم بیت الخلاء میں داخل ہوں تو ان کی شرم گاہوں اور شیاطین کے درمیان بسم اللہ حجاب ہے' اور امام دار قطنی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وضو کرتے تو پہلے بسم اللہ پڑھتے پھر اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالتے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ا ص ۹۸ ـ ۹۷' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

(۳) ہر نیک اور صحیح کام سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کی انسان کو عادت پڑ جائے تو پھر اس کا برے کاموں سے باز رہنا زیادہ متوقع ہو گا' کیونکہ اگر وہ کسی وقت خواہش نفس سے مغلوب ہو کر برائی میں ہاتھ ڈالے گا تو عادۃً اس کے منہ سے بسم اللہ نکلے گی' اور پھر اس کا ضمیر اس کو سرزنش کرے گا۔

(۴) انسان اسی کا نام بار بار لیتا ہے جس سے اس کو محبت ہوتی ہے' اس لیے جو انسان ہر صحیح کام کے وقت بسم اللہ پڑھتا ہے یہ اس کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی دلیل ہے۔

Marfat.com

(۵) علامہ قرطبی لکھتے ہیں : سعید بن ابی سکینہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علی نے ایک شخص کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھتے دیکھا تو فرمایا اس کو خوبصورت لکھو' کیونکہ ایک شخص نے بسم اللہ کو خوبصورت لکھا تو اس کو بخش دیا گیا۔

(۶) سعید بن ابی سکینہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے ایک کاغذ کو دیکھا اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوئی تھی' اس نے اس کو اٹھا کر بوسہ دیا اور اس کو اپنی آنکھوں پر رکھا تو اس کو بخش دیا گیا۔

(۷) بشر حافی پہلے ایک ڈاکو تھے انہوں نے راستہ میں ایک کاغذ دیکھا جو لوگوں کے پیروں تلے آ رہا تھا' انہوں نے اس کاغذ کو اٹھایا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہوا تھا انہوں نے بہت قیمتی خوشبو خریدی اور اس کاغذ پر وہ خوشبو لگائی اور اس کو حفاظت کے ساتھ رکھ دیا' رات کو خواب میں انہوں نے سنا کوئی کہنے والا کہہ رہا تھا اے بشر! تم نے میرے نام کو خوشبو میں رکھا ہے' میں تم کو دنیا اور آخرت میں خوشبودار رکھوں گا۔ اس کے بعد انہوں نے توبہ کی اور ولی کامل بن گئے۔

(۸) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے انیس فرشتوں سے نجات دے وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے تاکہ اللہ تعالیٰ بسم اللہ کے ہر حرف کے بدلہ اس کو جہنم کے ایک فرشتہ سے محفوظ رکھے کیونکہ بسم اللہ کے انیس حرف ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ا ص ۹۲۔ ۹۱' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

(۹) امام رازی لکھتے ہیں : روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی انگوٹھی دی' اور فرمایا : اس میں لا الٰہ الا اللہ لکھواؤ' حضرت ابوبکر نے نقاش سے کہا اس میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ دو' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ انگوٹھی پیش کی تو اس میں لکھا ہوا تھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابوبکر صدیق' آپ نے پوچھا: اے ابوبکر یہ زائد (کیسے لکھا ہوا ہے؟) حضرت ابوبکر نے کہا : یا رسول اللہ! میں نے آپ کے نام کو اللہ تعالیٰ کے نام سے جدا کرنا پسند نہیں کیا اور باقی میں نے نہیں لکھوایا' اور حضرت ابوبکر اس پر شرمندہ تھے۔ تب جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا یا رسول اللہ ابوبکر کا نام میں نے لکھا ہے کیونکہ جب ابوبکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو اللہ عزوجل کے نام سے جدا کرنے پر راضی نہ تھے تو اللہ تعالیٰ' ابوبکر کے نام کو آپ کے نام سے جدا کرنے پر راضی نہ تھا' اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی وجہ سے آپ کے نام کے فراق کو گوارا نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کی عنایات کا مرکز بن جاتا ہے تو جو اللہ تعالیٰ سے محبت کی وجہ سے اس کے نام سے فراق گوارا نہ کرے اور ہر کام کے ساتھ اللہ کا نام لے تو وہ کب اللہ تعالیٰ کی عنایات سے محروم ہو گا!

(۱۰) حضرت نوح علیہ السلام نے بسم اللہ مجرھا ومرسھا کہا تو طوفان سے نجات پالی' حالانکہ بسم اللہ' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا نصف ہے تو جب ایک بار نصف بسم اللہ کے پڑھنے سے طوفان سے نجات مل گئی تو جو شخص ساری عمر پوری بسم اللہ پڑھتا رہے وہ نجات سے کیسے محروم ہو گا!

(۱۱) قیصر روم نے حضرت عمر کی طرف لکھا کہ اس کے سر میں درد رہتا ہے جس سے افاقہ نہیں ہوتا' میرے لیے کوئی دوا بھیج دیجئے' حضرت عمر نے اس کے پاس ایک ٹوپی بھیجی' وہ اس ٹوپی کو پہن لیتا تو آرام آ جاتا اور اس ٹوپی کو اتار دیتا تو پھر سر میں درد شروع ہو جاتا' وہ حیران ہوا' اور ایک دن اس نے ٹوپی کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک کاغذ تھا جس میں لکھا ہوا تھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

(۱۲) بعض کفار نے حضرت خالد بن ولید سے کہا آپ ہمیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں' آپ ہمیں اسلام کی صداقت پر کوئی نشان دکھائیے تاکہ ہم بھی اسلام لے آئیں' حضرت خالد نے زہر منگایا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھا لیا اور

marfat.com
Marfat.com

اللہ تعالیٰ کے لشکر سے صحیح سالم کھڑے رہے' مجوس نے کہا واقعی یہ دین حق ہے۔

(۱۳) حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ایک قبر کے پاس سے گزرے تو دیکھا عذاب کے فرشتے ایک مردہ کو عذاب دے رہے ہیں' جب اپنے کام سے واپس لوٹے تو اس قبر میں رحمت کے فرشتوں کو دیکھا جن کے پاس نور کے طباق تھے' حضرت عیسیٰ کو اس سے تعجب ہوا' انہوں نے نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ! یہ شخص گنہ گار تھا اور جب یہ مرا تو عذاب میں مبتلا ہو گیا مرتے وقت اس کی بیوی حاملہ تھی' اس کے بچہ ہوا' اس نے اس کو پالا حتی کہ وہ بڑا ہو گیا' اس نے اس کو مکتب میں داخل کیا' وہاں اس کو معلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (ان کی زبان میں) پڑھائی تو مجھے حیا آئی کہ جو بچہ زمین کے اوپر میرا نام لے رہا ہے' اس کے باپ کو میں زمین کے نیچے عذاب میں مبتلا رکھوں!

(۱۴) سورہ توبہ میں قتال کا ذکر ہے لہٰذا اس سے پہلے بسم اللہ نہیں لکھی گئی' اور ذبح سے پہلے بسم اللہ' اللہ اکبر کہا جاتا ہے' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں کہا جاتا کیونکہ ذبح کے وقت رحمت کا ذکر مناسب نہیں ہے' تو جو شخص ہر روز سترہ مرتبہ فرض نمازوں میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے گا وہ کب عذاب میں مبتلا ہو گا۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۸۹-۸۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ ①

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے ○

حمد کے لغوی اور اصطلاحی معانی

علامہ جوہری لکھتے ہیں:

حمد' ذم کی نقیض ہے' تحمید' حمد سے زیادہ بلیغ ہے اور حمد شکر سے زیادہ عام ہے' جس شخص میں بہ کثرت خصال محمودہ ہوں اس کو محمد کہتے ہیں۔ (الصحاح ج ۲ ص ۴۴۱' مطبوعہ دار العلم بیروت' ۱۴۰۴ھ)

علامہ فیروز آبادی لکھتے ہیں:

حمد کا معنی ہے' شکر' رضا' جزاء اور حق کو ادا کرنا' تحمید کے معنی ہیں اللہ کی بار بار حمد کرنا' اور محمد کے معنی ہیں جس کی بار بار حمد کی گئی ہو۔ (قاموس ج ۱ ص ۵۳-۵۲' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

حمد مذمت کی نقیض ہے' ثعلب نے کہا حمد کا تعلق نعمت اور غیر نعمت دونوں سے ہے اور شکر کا تعلق صرف نعمت سے ہے۔

لیثانی نے کہا حمد شکر ہے اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے' اخفش نے کہا الحمد للہ کا معنی ہے الشکر للہ اور کہا الحمد للہ اللہ کی ثناء اور اس کی تعریف ہے' ازہری نے کہا شکر صرف اس ثناء کو کہتے ہیں جو نعمت پر کی جاتی ہے' اور حمد بعض اوقات کسی کام کے شکر کو کہتے ہیں اور کبھی ابتداءً نعمت کے بغیر کسی شخص کی ثناء کو حمد کہتے ہیں' سو اللہ کی حمد اس کی ثناء ہے اور اس کی ان نعمتوں کا شکر ہے جو سب کو محیط ہیں' اور حمد شکر سے عام ہے۔

marfat.com
Marfat.com

(لسان العرب ج ۳ ص ۱۵۵' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ قم' ایران' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں :

حمد اور شکر متقارب ہیں اور ان میں حمد زیادہ عام ہے' کیونکہ تم انسان کی صفات ذاتیہ اور اس کی عطاء پر اس کی حمد (تعریف) کرتے ہو اور اس کی صفات ذاتیہ پر اس کا شکر نہیں ادا کرتے (مثلاً کسی کی سخاوت کی تعریف کرنا شکر ہے اور اس کے حسن کی تعریف کرنا شکر نہیں حمد ہے) حدیث میں ہے' حمد رئیس شکر ہے' جس شخص نے اللہ کی حمد نہیں کی اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا' حمد شکر کی رئیس اس لیے ہے کہ اس میں نعمت کا اظہار اور اس کو مشہور کرنا ہے اور حمد شکر سے عام ہے۔ (نہایہ ج ۱ ص ۴۳۷-۴۳۶' مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعاتی ایران' ۱۳۶۴ھ)

علامہ میر سید شریف حمد پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

حمد : کسی خوبی کی بطور تعظیم ثنا کرنا خواہ کسی نعمت کی وجہ سے ہو یا اس کے بغیر۔

حمد قولی : زبان سے اللہ تعالیٰ کی وہ تعریف کرنا جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی زبانوں کے ذریعہ خود اپنی تعریف فرمائی ہے۔

حمد فعلی : اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے بدن سے نیک اعمال کرنا۔

حمد حالی : روح اور قلب کے اعتبار سے ثنا کرنا' مثلاً علمی اور عملی کمالات سے متصف ہونا' اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق ہونا۔

حمد عرفی : منعم کے انعام کی وجہ سے کوئی ایسا فعل کرنا جس سے اس کی تعظیم ظاہر ہو' عام ازیں کہ زبان سے ہو یا دیگر اعضاء سے۔ (کتاب التعریفات ص ۴۲-۴۱' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کی غیر اختیاری خوبی پر اس کی تعریف کرنا مدح ہے' مثلاً یاقوت اور موتی کی خوبصورتی پر تعریف کرنا' اور کسی شخص کے انعام اور احسان پر اس کی تعظیماً ثنا کرنا شکر ہے اور کسی کی اختیاری خوبی پر اس کی تعظیماً تعریف کرنا خواہ اس نے کوئی نعمت دی ہو یا نہ دی ہو' یہ حمد ہے۔ کائنات کی کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے کہ جس کو اللہ نے کوئی نہ کوئی نعمت نہ دی ہو اس لیے اللہ تعالیٰ کی ہر ثنا اور ہر تعریف اس کا شکر ہے اور اس کی ہر حمد شکر کے ضمن میں ہے۔

تمام تعریفوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے استحقاق پر دلیل

الحمد للہ میں الف لام یا استغراق کے لیے ہے یا جنس کے لیے ہے' اگر یہ لام استغراق ہو تو اس کا معنی یہ ہے کہ ہر حامد کی ہر زمانہ میں ہر حمد اللہ کا حق ہے اور اس کے ساتھ خاص ہے' اور اگر لام جنس کا ہو تو معنی یہ ہے کہ حمد کی ماہیت اور حقیقت اللہ کا حق اور اس کی ملک ہے' اور یہ اس کے منافی ہے کہ حمد کا کوئی فرد اللہ کے غیر کے لیے ثابت ہو' تو ہر دو طریقوں سے یہ معلوم ہوا کہ حمد صرف اللہ کا حق ہے کسی اور کا حق نہیں ہے' کیونکہ تعریف کسی حسن اور کمال کی ہوتی ہے اور تمام محاسن اور کمالات کا مبدا اللہ تعالیٰ ہے تو ثابت ہوا کہ تمام تعریفات کا مستحق بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ للہ میں لام' یا اختصاص لائق کے لیے ہے یا ملک کے لیے ہے' پہلی صورت میں معنی یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لائق ہیں' کیونکہ ہر چیز کو اس نے پیدا کیا ہے اور ہر چیز اس کے فضل اور احسان سے معمور ہے' دوسری صورت میں معنی یہ ہے کہ تمام تعریفوں کا اللہ ہی مالک ہے کیونکہ ہر چیز ہر حال میں اللہ کی مملوک ہے تو جس حال میں وہ حمد کرتے ہیں اس حال میں بھی وہ

marfat.com
Marfat.com

اللہ کی مملوک ہیں لہٰذا وہ حمد بھی اللہ کی مملوک ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بہ ظاہر کسی پھول کی خوشبو کی تعریف کر رہا ہے' یا کسی عالم کے علم کی تعریف کر رہا ہے تو وہ درحقیقت اللہ ہی کی تعریف کر رہا ہے کیونکہ اس پھول میں خوشبو اور عالم میں علم کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے' اس لیے یہ تعریف درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے اور اسی ایک جملہ سے مخلوق پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے کیونکہ جو شخص سورج کی کسی نبی کی یا کسی دیوی اور دیوتا کی پرستش کرتا ہے وہ ان میں کسی خوبی اور کمال کو دیکھ کر ان کی پرستش کرتا ہے حالانکہ وہ کمال اور حسن ان کا اپنا ذاتی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا اور اس کا عطا کردہ ہے اس لیے پرستش کا حق دار صاحب کمال نہیں ہے خالق کمال ہے۔

مخلوق کا شکر ادا کرنے سے پہلے خالق کا شکر ادا کیا جائے

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا محسن شکریہ ادا کیے جانے کا مستحق نہیں ہے' امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۶' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر محسن اور ہر منعم کا شکر ادا کرنا چاہئے اور ہم اس سے منع نہیں کرتے' بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر نعمت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ملتی ہے' اس لیے کسی منعم کے انعام اور کسی محسن کے احسان پر اس کی تعریف کرنے اور اس کا شکر ادا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کی جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے کیونکہ ہر نعمت اور ہر احسان درحقیقت اللہ کی دی ہوئی نعمت اور اس کا احسان ہے' مثلاً کسی بھوکے شخص کو بھوک سے بلبلاتے دیکھ کر کوئی شخص اس کو کھانا کھلا دیتا ہے' بہ ظاہر اس شخص کا احسان ہے' لیکن غور کیجئے اگر اللہ کھانا ہی پیدا نہ کرتا تو وہ شخص بھوکے کو کیسے کھلاتا' یا کھانا تو پیدا کیا تھا لیکن اس شخص کے پاس کھانا خریدنے کے لیے پیسے نہ ہوتے تو کہاں سے کھلاتا' کھانا بھی ہوتا' اس کے حصول کے لیے پیسے بھی ہوتے لیکن اس کے دل میں بھوکے کو دیکھ کر رحم نہ پیدا ہوتا تو بھوکے کو کب کھلا سکتا تھا' یہ سب کچھ ہوتا لیکن بھوکے آدمی میں کھانے کی صلاحیت نہ ہوتی مثلاً اس کے منہ میں ناسور ہوتا' یا اوپر کا جبڑا نچلے جبڑے پر بیٹھ جانے کی وجہ سے اس کا منہ بند ہو گیا ہوتا تو وہ بھوکے کو کب کھلا سکتا تھا؟ تو نعمت بھی اس نے پیدا کی' نعمت کے حصول پر منعم کو قدرت بھی اس نے دی' نعمت دینے کے لیے منعم میں رحم کا جذبہ بھی اس نے پیدا کیا اور نعمت سے فائدہ اٹھانے کی منعم علیہ میں صلاحیت بھی اس نے پیدا کی' تو پھر حمد اور شکر کا کون مستحق ہو گا؟ اس لیے اولاً اسی کی حمد کی جائے اور اسی کا شکر ادا کیا جائے' اب یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے ظاہری وسائل اور اسباب کو بھی نظرانداز نہیں کیا اور اس ظاہری منعم اور محسن کا بھی شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کماحقہ حمد و ثنا سے مخلوق کا عاجز ہونا

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں لامحدود ہیں' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا — اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں گن نہ سکو گے۔

(النحل : ۱۸)

تو جب ہم اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کو گن نہیں سکتے تو ان کا شکر کیسے ادا کر سکتے ہیں؟ نیز اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق اور قدرت کے بغیر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں ہو سکتا' اس لیے جب انسان کسی نعمت پر شکر ادا کرے تو اس شکر ادا کرنے کی توفیق اور

Marfat.com

قدرت پر بھی شکر ادا کرے ' پھر اس دوسرے شکر کی توفیق پر شکر ادا کرے اور یوں ساری عمر ختم ہونے کے باوجود اس کی کسی ایک نعمت کا شکر ادا نہیں ہو سکتا ' تفسیر کبیر میں منقول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہی عرض کیا کہ خدایا میں تو تیری ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا کجا غیر متناہی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے ' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد! جب تم نے یہ جان لیا کہ تم ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے عاجز ہو تو ہمارا شکر ادا ہو گیا ' بس تم اپنی قدرت اور طاقت کے مطابق ہمارا شکر ادا کرتے رہو!

ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ بندے اس کی حمد کرنے سے عاجز ہیں اور اس کی استطاعت نہیں رکھتے ' اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی حمد کی اور فرمایا : الحمد للہ رب العلمین ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کی نعمتوں کا عارف ' اور اس کی حمد و ثناء میں رطب اللسان رہنے والا کون ہو سکتا ہے! اس کے باوجود آپ فرماتے ہیں : لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک

میں تیری ایسی ثنا نہیں کر سکا جیسی ثنا تو خود اپنی کرتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۲ ' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ' ۷۵ ۱۳ھ)

اللہ کی حمد کرنے کے احوال اور اوقات

امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس کلام کی ابتدا الحمد للہ سے نہیں کی جائے گی وہ ناتمام رہے گا۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۰۹ ' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس مہتم بالشان کام کی ابتداء الحمد للہ سے نہیں کی گئی وہ ناتمام رہے گا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۳۶ ' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مجھے تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کا کیسا نصیب رکھا ہے! اس کو اگر بھلائی پہنچتی ہے تو اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس کو مصیبت پہنچتی ہے تو اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور صبر کرتا ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۲ ' ۱۷۷ ' ۱۷۳ ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ' ۹۸ ۱۳ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ایک بندہ کا بچہ فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے تم نے میرے بندہ کا بچہ اٹھالیا؟ وہ کہتے ہیں ہاں ' اللہ فرماتا ہے تم نے اس کے دل کا ٹکڑا اٹھالیا ' وہ کہتے ہیں ہاں! اللہ فرماتا ہے میرے بندہ نے کیا کیا؟ وہ کہتے ہیں تیری حمد کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا ' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد رکھ دو۔

(جامع ترمذی ص ۱۴۶ ' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۵ ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ' ۹۸ ۱۳ھ)

marfat.com
Marfat.com

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کھاتے یا پیتے تو فرماتے : تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم کو کھلایا اور پلایا اور مسلمان بنایا۔ (جامع ترمذی ص ۴۹۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کھانا کھا کر کہا : تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں' جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور مجھ کو بغیر کوشش اور طاقت کے یہ رزق دیا' تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (جامع ترمذی ص ۴۹۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی شخص اپنا پسندیدہ خواب دیکھے تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس پر الحمد للہ کہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے تو وہ الحمد للہ کہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع۔ کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ کرتے تو فرماتے اے اللہ میں تیرے نام سے مرتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے : تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میرے نفس پر موت وارد کرنے کے بعد اس کو زندہ کیا' اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

(جامع ترمذی ص ۴۹۲' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی ٹیلے یا کسی بلندی پر چڑھتے تو فرماتے اے اللہ ہر بلندی سے زیادہ بلندی تیرے لیے ہے' اور ہر حمد سے بالا حمد تیرے لیے ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۲۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ کی حمد کی فضیلت اور اجر و ثواب

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : پاکیزگی نصف ایمان ہے الحمد للہ میزان کو بھر دیتا ہے اور سبحان اللہ اور الحمد للہ آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دیتے ہیں :

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

یعنی الحمد للہ یا اس کے اجر کو اگر مجسم کیا جائے تو اس سے میزان بھر جائے گی' سبحان اللہ سے مراد اللہ کی تنزیہ ہے اور الحمد للہ سے مراد اس کی ثناء ہے گویا آسمان اور زمین کے درمیان ہر چیز اللہ تعالیٰ کے نقص سے بری ہونے اور اس کی تعریف اور ثناء پر دلالت کرتی ہے۔

امام احمد روایت کرتے ہیں :

Marfat.com

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن کے بعد چار کلام افضل ہیں اور وہ بھی قرآن سے ہیں' تم ان میں جس سے بھی ابتدا کرو کوئی مضائقہ نہیں ہے سبحان اللہ' الحمدللہ' لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر (مسند احمد ج ۵ ص ۲۰' ج ۴ ص ۳۶' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام کو سبحان اللہ کہا اس نے گویا سو حج کئے اور جس نے سو مرتبہ صبح اور سو مرتبہ شام کو الحمدللہ کہا اس نے گویا جہاد فی سبیل اللہ کے لیے سو گھوڑے مہیا کئے۔ (جامع ترمذی ص ۵۰۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابو ہریرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہا اس کے گناہ مٹا دیئے جائیں گے' خواہ وہ گناہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہوں' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۵۰۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس نے کہا الحمدللہ' شکر ہے' اللہ کی فرمانبرداری کرنا ہے اور اس کی نعمت اور ہدایت کا اقرار کرنا ہے۔ (جامع البیان' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کہتے ہو الحمدللہ رب العلمین تو تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہو اور وہ تم کو زیادہ نعمت دے گا۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۴۶' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اسود بن سریع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو حمد سے زیادہ کوئی چیز پسند نہیں ہے اسی لیے اس نے اپنی حمد کی اور فرمایا : الحمدللہ (جامع البیان ج ۱ ص ۴۶' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ قرطبی بیان کرتے ہیں :

امام مسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ بندہ کی اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ وہ کچھ کھائے تو اللہ کی حمد کرے اور کچھ پیے تو اللہ کی حمد کرے۔

حسن بصری نے کہا ہر نعمت کی بہ نسبت الحمدللہ کہنا افضل ہے۔

امام ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ کی دی ہوئی کسی نعمت پر الحمدللہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے افضل نعمت عطا فرماتا ہے۔

نوادر الاصول میں حضرت انس بن مالک کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے : اگر کسی کو تمام دنیا دے دی جائے پھر اس کو الحمدللہ کہنے کی توفیق دی جائے تو الحمدللہ کہنے کی نعمت تمام دنیا سے افضل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۳۱' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو' ایران')

خود اپنی حمد و ثنا کرنے کی شرعی نوعیت

جس طرح کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کو زیبا ہے اور انسان کے لیے تکبر کرنا حرام ہے' اسی طرح انسان کا عیوب سے اپنی تنزیہہ اور محاسن سے خود اپنی حمد و ثناء کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے' کیونکہ تسبیح اور تنزیہہ اور حمد و ثنا اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے'

marfat.com
Marfat.com

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے خود ستائی سے منع فرمایا ہے اور اس کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (النجم : ۳۲) خود ستائی نہ کرو' پرہیزگاروں کو وہی زیادہ جانتا ہے۔

تزکیہ کا معنی ہے' عیوب اور قبائح سے منزہ کرنا یعنی نہ عیوب سے اپنی برات بیان کرو نہ اپنے محاسن بیان کرو۔

علامہ آلوسی اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں :

یہ آیت ان مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو نیک اعمال کرتے پھر اپنی نمازوں' اور حج کا ذکر کرتے تھے۔

(روح المعانی ج ۲۷ ص ۶۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ جب یہود و نصاریٰ نے اپنی تعریف کی اور یہ کہا نحن ابناء اللہ واحباءہ "ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں" اور بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں نے کہا ہم بچوں کی طرح گناہوں سے پاک ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی : (الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۴۶' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ (النساء : ۴۹) کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی کا دعویٰ کرتے ہیں بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے پاکیزہ بنا دیتا ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

ابن عطا کہتے ہیں میں نے اپنی بیٹی کا نام برہ (نیکوکارہ) رکھا' مجھ سے حضرت زینب بنت ابی سلمہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس نام سے منع فرمایا ہے' میرا نام پہلے برہ تھا' (یعنی نیکی کرنے والی) تو میرا نام زینب رکھا گیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم خود ستائی نہ کرو' اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ تم میں سے نیکی کرنے والا کون ہے' صحابہ نے پوچھا پھر ہم اس کا کیا نام رکھیں آپ نے فرمایا اس کا نام زینب رکھو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

قرآن مجید کی ان آیات اور اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ انسان کا خود اپنی تعریف اور حمد و ثنا کرنا اور اپنے آپ کو عیوب اور قبائح سے بری اور پاک دامن کہنا' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے تسبیح اور تنزیہ اور حمد و ثنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کو زیبا ہے وہی ہر عیب اور نقص سے پاک ہے اور وہی تمام خوبیوں اور کمالات کا جامع ہے اور وہی تمام تعریفوں اور حمد و ثنا کا مستحق ہے۔

تاہم اگر کسی غرض صحیح کی وجہ سے انسان اپنی تعریف کرے تو یہ جائز ہے جیسے حضرت عثمان نے باغیوں کے سامنے اپنی تعریف و توصیف کی تاکہ وہ باغی بغاوت سے باز آجائیں اور ان پر اللہ کی حجت تمام ہو جائے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

ابو عبدالرحمان سلمی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان کا محاصرہ کر لیا گیا تو انہوں نے اپنے گھر کی چھت سے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر یاد دلاتا ہوں کہ جب جبل حراء ہلنے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے حراء پر سکون ہو جا کیونکہ تجھ پر صرف نبی ہے یا صدیق ہے یا شہید ہے' باغیوں نے کہا ہاں! آپ نے کہا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر یاد دلاتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک کے لیے فرمایا تھا' اس کے لیے کون متمول خرچ مہیا کرتا ہے؟ اس وقت

Marfat.com

مسلمان سخت مشکل اور تنگ دستی میں تھے تو میں نے اس لشکر کے لیے زادراہ مہیا کیا' باغیوں نے کہا ہاں! پھر آپ نے کہا میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر یاد دلاتا ہوں کیا تمہیں علم ہے کہ چاہ رومہ (ایک کنواں) سے صرف قیمت دے کر پینے کے لیے پانی حاصل کیا جاتا تھا' میں نے اس کنویں کو خرید کر امیروں' غریبوں اور مسافروں کے لیے وقف کر دیا' باغیوں نے کہا ہاں! اس کے علاوہ اور بہت سی نیکیاں حضرت عثمان نے گنوائیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۵۳۱۔ ۵۳۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

نیز امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

ثمامہ بن حزن قشیری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان نے باغیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا : میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں آئے تو چاہ رومہ کے سوا اور کوئی میٹھے پانی کا کنواں نہیں تھا' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : کوئی ہے جو چاہ رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دے؟ اور اس نیکی کے عوض میں جنت لے لے! میں نے اس کنویں کو خالص اپنے مال سے خریدا اور آج تم مجھ کو اس کنویں کا پانی پینے نہیں دیتے! حتی کہ میں سمندر کا کھارا پانی پی رہا ہوں! باغیوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ مسجد نبوی میں جگہ کم تھی تو نبی ﷺ نے فرمایا کوئی ہے جو فلاں شخص سے زمین خرید کر اس مسجد کو وسیع کرے؟ اور اس نیکی کے عوض جنت لے لے! پھر اس جگہ کو میں نے اپنے خالص مال سے خریدا تھا اور آج تم مجھے اس میں دو رکعت نماز پڑھنے نہیں دیتے! باغیوں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ غزوہ تبوک کے لیے میں نے اپنے مال سے خرچ مہیا کیا تھا' انہوں نے کہا ہاں! آپ نے پھر فرمایا میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں جبل ثبیر پر کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر' حضرت عمر تھے اور میں تھا' اس وقت پہاڑ ہلنے لگا' حتی کہ اس کے پتھر نیچے گرنے لگے' تو آپ نے اس پر اپنا پیر مارا اور فرمایا اے ثبیر ساکن ہو جا! تجھ پر نبی ہے' صدیق ہے اور دو شہید ہیں' باغیوں نے کہا ہاں! آپ نے تین بار فرمایا اللہ اکبر! خدا کی قسم ان باغیوں نے میرے حق میں گواہی دے دی اور میں شہید ہوں۔ (جامع ترمذی ص ۵۳۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عثمان نے باغیوں کے سامنے اپنی حمد و ثنا اس لیے کی تھی' کہ یہ باغی اسلام کے لیے حضرت عثمان کی خدمات اور بارگاہ رسالت میں ان کے مقام کو پہچان کر بغاوت سے باز آجائیں' تو ایسی کوئی غرض صحیح ہو مثلاً غاصبوں کے سامنے اپنا استحقاق ثابت کرنے کے لیے یا محض اللہ تعالیٰ کے انعامات بیان کرنے کے لیے اپنی تعریف کی جائے اور اس سے اپنی بڑائی کا اظہار کرنا مقصود نہ ہو تو پھر اپنی تعریف کرنا جائز ہے اور اگر حمد و ثنا سے اپنی بڑائی کا اظہار کرنا مقصود ہو تو اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں' حمد و ثناء اور کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اسی کو زیبا ہے۔

کسی دوسرے شخص کے سامنے اس کی حمد و ثنا کرنے کی شرعی نوعیت

جس طرح بغیر کسی غرض صحیح کے خود اپنی تعریف کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے اسی طرح کسی غرض صحیح کے بغیر کسی دوسرے شخص کے سامنے اس کی تعریف کرنا بھی مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے سامنے ایک شخص نے کسی کی تعریف کی' آپ نے فرمایا : تم پر

Marfat.com

افسوس ہے تم نے تو اپنے صاحب کی گردن کاٹ دی' یہ جملہ آپ نے کئی بار فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص نے اپنے صاحب کی لامحالہ تعریف کرنی ہو' تو یوں کہو کہ میرا فلاں کے متعلق یہ گمان ہے اور اس کو حقیقت میں اللہ ہی جاننے والا ہے' اور میں کسی کو اللہ کے نزدیک سراہا ہوا نہیں کہتا' خواہ وہ اس کے متعلق اسی طرح جانتا ہو۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا' ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص فلاں فلاں چیز میں اس سے افضل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر افسوس ہے! تم نے اپنے صاحب کی گردن کاٹ دی۔ یہ جملہ آپ نے کئی بار فرمایا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم میں سے کسی شخص نے خواہ مخواہ اپنے بھائی کی تعریف کرنی ہو' تو یہ کہے میرا فلاں کے متعلق یہ گمان ہے خواہ وہ اس کو اسی طرح سمجھتا ہو اور وہ یہ نہ کہے کہ وہ اللہ کے نزدیک ایسا ہی ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

ان احادیث میں کسی شخص کے سامنے اس کی تعریف سے منع کیا گیا ہے اور بعض احادیث سے اس کا جواز بھی ثابت ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا کہ اللہ سبحانہ نے ایک بندے کو دنیا اور جو اس کے پاس ہے' اس کے درمیان اختیار دیا تو اس نے اس چیز کو اختیار کر لیا جو اللہ کے پاس ہے' حضرت ابوبکر یہ سن کر رونے لگے' حضرت ابو سعید کہتے ہیں میں نے دل میں سوچا: اگر اللہ نے ایک بندے کو دنیا اور جو اس کے پاس ہے اس کے درمیان اختیار دے دیا ہے اور اس نے جو اللہ کے پاس ہے اس کو پسند کر لیا تو اس بوڑھے کو کیا چیز رلاتی ہے؟ لیکن آپ کے اس ارشاد میں بندے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور حضرت ابوبکر ہم سب سے زیادہ عالم تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! مت روؤ! بے شک اپنی صحبت اور مال سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر ہیں' اور اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلام کی اخوت اور محبت قائم رہے گی' اور ابوبکر کے دروازے کے سوا مسجد میں (کھلنے والا) ہر دروازہ بند کر دیا جائے' باقی نہ رکھا جائے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱۶' ۶۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۵۲۶۔۵۲۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان کے سامنے بھی ان کی تعریف کی ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر' حضرت عمر اور حضرت عثمان احد (پہاڑ) پر چڑھے' وہ ہلنے لگا' آپ نے فرمایا: اے احد ساکن ہو جا تجھ پر صرف نبی' صدیق اور دو شہید ہیں۔

(جامع ترمذی ص ۵۳۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اور آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی ان کی تعریف کی ہے' امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: تم میرے لیے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ کے لیے ہارون تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

(جامع ترمذی ص ۵۳۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

Marfat.com

منہ پر تعریف کرنے کے جواز اور عدم جواز کا محمل

امام مسلم نے ایسی احادیث ذکر کی ہیں جن میں کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنے سے منع کیا گیا ہے' جبکہ معجم طبرانی میں ایسی روایات ہیں جن میں کسی کے سامنے تعریف کرنے کی اجازت ہے اور صحاح ستہ میں بکثرت ایسی روایات ہیں جن میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کے سامنے ان کی تعریف کی ہے' اس لیے علماء کرام نے ان احادیث میں یہ تطبیق دی ہے کہ اگر کسی کے سامنے اس کی تعریف کرنے سے اس کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہو تو پھر اس کے سامنے اس کی تعریف نہ کی جائے اور اگر یہ خدشہ نہ ہو تو پھر اس کے سامنے اس کی تعریف جائز ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں :

امام مسلم نے وہ احادیث ذکر کی ہیں جن میں کسی کے منہ پر تعریف کرنے سے منع کیا گیا ہے' صحیح بخاری' صحیح مسلم اور بکثرت کتب حدیث میں ایسی روایات بھی ہیں جن میں منہ پر تعریف کی گئی ہے' ان احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ کسی کی بے جا تعریف کرنا یا تعریف میں مبالغہ کرنا' یا دنیاوی طمع کی وجہ سے تعریف کرنا یا جس شخص کے متعلق یہ اندیشہ ہے کہ وہ تعریف سن کر اکڑ جائے گا یا تکبر میں مبتلاء ہو جائے گا' اس کے منہ پر تعریف کرنا منع ہے' اور جس شخص کے کمال تقویٰ اور عقل میں پختگی کی وجہ سے یہ خدشہ نہ ہو اس کے منہ پر تعریف کرنا منع نہیں ہے' بہ شرطیکہ وہ بے جا تعریف نہ ہو اور دنیاوی طمع کی وجہ سے نہ ہو' بلکہ اگر کسی دینی مصلحت کی وجہ سے تعریف کی جائے یا کسی شخص میں کسی نیک خصلت کے حصول یا اس کی زیادتی کے لیے یا اس کو اس نیک خصلت پر برقرار رکھنے کے لیے یا اس نیک خصلت کی اقتداء کے لیے اس کے منہ پر تعریف کی جائے تو یہ تعریف کرنا مستحب ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۴۱۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ ممانعت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص کسی کی ان اوصاف کے ساتھ تعریف کرے گا جو اس میں نہ ہوں تو ہو سکتا ہے کہ وہ شخص اپنے متعلق ان اوصاف کا یقین کرلے اور ان اوصاف پر اعتماد کر کے وہ شخص اپنے اعمال ضائع کر دے اور نیکی کی جدوجہد کرنا چھوڑ دے (مثلاً ایک شخص کسی سے کہے میں نے تم کو خواب میں بارگاہ رسالت میں دیکھا ہے' اور تمہارے جنتی ہونے کی بشارت سنی ہے یا کہے کہ میں نے حضور سے یہ سنا ہے کہ جو تمہارے ہاتھ پر بیعت کرے گا وہ جنتی ہو گا' یا جو تمہارے وعظ میں شریک ہو گا وہ جنتی ہو گا۔ العیاذ باللہ) اس لیے جس "حدیث میں یہ ہے کہ تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دو۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ جھوٹی تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دو اور جس شخص نے ان اوصاف کے ساتھ تعریف کی جو موصوف میں موجود ہوں تو وہ اس حکم میں داخل نہیں ہے' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بعض صحابہ نے اپنے اشعار اور خطاب میں آپ کی تعریف کی اور آپ نے ان کے منہ میں مٹی نہیں ڈالی' علامہ ابن بطال کا کلام ختم ہوا۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ کسی شخص نے حضرت عثمان کے سامنے ان کی تعریف کی تو حضرت مقداد نے اس کے منہ پر کنکریاں پھینکیں اور مذکور الصدر حدیث سے استدلال کیا' اس حدیث کا دوسرا محمل یہ ہے کہ منہ پر مٹی ڈالنے کا مطلب ہے اس کو ناکام اور نامراد کرنا یعنی جھوٹی تعریف کرنے والے کی غرض اور مقصد کو پورا نہ کرو' تیسری توجیہ یہ ہے کہ اس سے کہو تمہارے منہ میں مٹی' چوتھی توجیہ یہ ہے کہ ممدوح اور موصوف اس جھوٹی تعریف سے دھوکا نہ کھائے اور

marfat.com
Marfat.com

تعریف کرنے والے سے کہے تم غلط کہہ رہے ہو میں ایسا نہیں ہوں' اور یہ اس کے منہ میں مٹی ڈالنا ہے' پانچویں توجیہ یہ ہے کہ وہ شخص جس مقصد اور غرض سے تعریف کر رہا ہے اس کا وہ مقصد پورا کر کے اس کا منہ بند کر دیا جائے اور اس کو روانہ کر دیا جائے' مثلاً کوئی شخص کسی سے کچھ رقم مانگنے کے لیے اس کی بے جا تعریف کر رہا ہے تو وہ اس کو وہ رقم دے کر کہے یہ رقم لو اور جاؤ! اور یہ اس کے منہ کو بند کرنا ہے جو اس کے منہ میں مٹی ڈالنے کے مترادف ہے' علامہ بیضاوی اور علامہ طیبی نے اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ مدح کی آفت یہ ہے کہ مدح کرنے والا کبھی جھوٹ بولتا ہے اور کبھی اپنی مدح سے ممدوح کو مزید برائی میں مبتلا کرتا ہے' خصوصاً" جب وہ فاسق یا ظالم کی مدح کرے' امام ابو یعلی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ جب فاسق کی مدح کی جائے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے' اور کبھی وہ ایسی تعریف کرتا ہے جو اس کے نزدیک متحقق نہیں ہوتی' اور جس شخص کی مدح کی جائے وہ اس خطرہ سے خالی نہیں ہے کہ وہ اترانے لگے یا تکبر کرے یا تعریف کی شہرت پر اعتماد کر کے عمل میں کمی کر دے' اگر تعریف ان قباحتوں سے خالی ہو تو پھر اس میں حرج نہیں ہے بلکہ بعض اوقات تعریف مستحب ہوتی ہے' ابن عیینہ نے کہا جو شخص اپنے نفس کو پہچانتا ہو اس کو کسی کی تعریف سے ضرر نہیں ہوتا اور بعض سلف نے کہا جب کسی کے منہ پر تعریف کی جائے تو وہ یہ دعا کرے : اے اللہ! میرے ان کاموں کو بخش دے جن کو یہ لوگ نہیں جانتے اور ان کی تعریف کی وجہ سے میری پکڑ نہ کر اور مجھے ان کے گمان سے بہتر بنا دے۔

(فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۷۸-۴۷۷' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ لاہور)

رب کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں :

الرب اللہ عزوجل ہے' اور وہ ہر چیز کا رب ہے' یعنی ہر چیز کا مالک ہے' اور تمام مخلوق اس کی ملک میں ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور وہ رب الارباب اور مالک الملوک ہے' ابو منصور نے کہا لغت میں مالک' سید' مدبر اور منعم پر رب کا اطلاق ہوتا ہے اور جب اس پر الف لام ہو (الرب) تو پھر اس کا اللہ عزوجل کے غیر پر اطلاق نہیں ہوتا' اور جب اللہ تعالیٰ کے غیر پر رب کا اطلاق کیا جائے تو پھر اس کی کسی چیز کی طرف اضافت کی جاتی ہے جیسے رب الدار (مکان کا مالک) حدیث میں علامات قیامت کے ذکر میں ہے : ان تلد الامۃ ربتہا "باندی اپنی مالکہ کو جنم دے گی۔" یعنی بہت زیادہ باندیاں ہوں گی' اور اذان کی دعا میں ہے اللھم رب ھذہ الدعوۃ "اے اس نداء کے صاحب" اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "کوئی مملوک اپنے مالک کو میرا رب نہ کہے' آپ نے اس کو ناپسند کیا کہ مالک کو رب قرار دے کر اس کو ربوبیت میں اللہ کے ساتھ شریک کیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے اذکرنی عند ربک حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدی سے کہا تم اپنے رب کے سامنے میرا ذکر کرنا اور یہاں عزیز مصر پر رب کا اطلاق کیا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ کلام اس زمانہ اور ان لوگوں کے عرف کے مطابق تھا' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گم شدہ اونٹ کے متعلق فرمایا : حتی یلقاھا ربھا "اونٹ چرتا پھرے گا حتی کہ اپنے رب (مالک) سے مل جائے گا' کیونکہ جانور عبادت کرتے ہیں نہ احکام کے مخاطب ہوتے ہیں' بلکہ جانور مال و متاع کے حکم میں ہیں اور جس طرح رب الدار وغیرہ کی اضافت جائز ہے اسی طرح ان کی طرف اضافت بھی جائز ہے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام نے جو فرمایا تھا انہ ربی احسن مثوای "بے

Marfat.com

شک وہ عزیز مصر میرا صاحب ہے اس نے مجھے اچھی رہائش دی ہے۔" یہاں بھی صاحب پر رب کا اطلاق ان کے عرف کے مطابق ہے' یا اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اچھی رہائش دی ہے۔ رب کی جمع ارباب اور ربوب ہے' اور راسخ عالم' یا عالم باعمل' یا بہت بڑے عالم کو ربانی کہتے ہیں' جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فوت ہوئے تو محمد بن حنفیہ نے کہا آج اس امت کے ربانی فوت ہو گئے۔ (تاج العروس ج ۱ ص ۳۴۰' مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ مصر' ۱۳۰۶ھ)

العلمین کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں :

عالم' خاتم' طابق اور دانق کے وزن پر ہے اس کا معنی ہے کل مخلوق' اسی طرح صحاح میں ہے' یا آسمان اور اس کے نیچے جو جواہر اور اعراض ہیں وہ عالم ہیں' جس طرح خاتم مہر لگانے کا آلہ ہے اسی طرح عالم اسم آلہ ہے اس کا معنی ہے موجد کو جاننے کا آلہ' حضرت جعفر صادق نے کہا عالم کی دو قسمیں ہیں' عالم کبیر اور عالم صغیر۔ آسمان اور جو کچھ اس کے اندر ہے وہ عالم کبیر ہے اور انسان عالم صغیر ہے اور انسان میں وہ سب کچھ ہے جو عالم کبیر میں ہے۔ ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ مخلوق کو عالم اس لیے کہتے ہیں کہ وہ صانع پر علامت ہے' بعض مفسرین نے کہا عالم اس کو کہتے ہیں جس سے خالق کا علم حاصل ہو پھر بہ طور تغلیب جن اور انس میں سے عقلاء پر اس کا اطلاق کیا گیا' یا جن اور انس پر' یا انسان اور فرشتوں پر اور سید شریف کا مختار یہ ہے کہ اس کا اطلاق ہر جنس پر کیا جاتا ہے' اور تمام اجناس کے مجموعہ پر بھی کیا جاتا ہے۔

زجاج نے کہا عالم کا اس لفظ سے کوئی واحد نہیں ہے اور اس کے علاوہ اور کسی لفظ کی جمع واؤ اور نون (عالمون یا عالمین) کے ساتھ نہیں آتی' بصائر میں مذکور ہے کہ اس کی جمع اس لیے آتی ہے کہ موجودات کی ہر نوع ایک عالم ہے مثلاً عالم انسان' عالم نار' وغیرہ اور روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دس ہزار سے زیادہ عالم پیدا کئے ہیں اور اس کی جمع سالم اس لیے آتی ہے کہ انسان بھی عالم کا ایک فرد ہے (ورنہ غیرذوی العقول کی جمع' جمع مکسر ہوتی ہے) ایک قول یہ ہے کہ اس کی جمع سالم اس لیے آتی ہے کہ اس سے مراد مخلوق کی اصناف میں سے صرف ملائکہ' جن اور انس ہیں اور دوسرے غیرذوی العقول یا غیرذوی العلوم اس سے مراد نہیں ہیں' یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے' جعفر صادق نے کہا اس سے صرف انسان مراد ہے اور ہر انسان ایک عالم ہے' میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس نے رب العلمین کی تفسیر میں کہا رب الجن والانس' اور قتادہ نے اس کی تفسیر میں کہا تمام مخلوق کے رب' ازہری نے کہا حضرت ابن عباس کے قول کی دلیل یہ آیت ہے:

لِيَكُونَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان : ۱) تاکہ آپ عالمین کے لیے نذیر ہو جائیں۔

اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جانوروں اور فرشتوں کے لیے نذیر نہیں ہیں حالانکہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں' آپ صرف جن اور انس کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اور وھب بن منبہ سے مروی ہے کہ کل اٹھارہ ہزار عالم ہیں اور یہ دنیا ان میں سے ایک عالم ہے۔ (تاج العروس ج ۸ ص ۴۰۷' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' ۱۳۰۶ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

حضرت ابوسعید خدری نے کہا اللہ تعالیٰ نے چالیس ہزار عالم پیدا کئے اور یہ دنیا شرق سے غرب تک ایک عالم ہے' مقاتل نے کہا اسی ہزار عالم ہیں' چالیس ہزار خشکی میں ہیں اور چالیس ہزار سمندر میں' ابوالعالیہ سے مروی ہے کہ جن ایک

marfat.com
Marfat.com

عالم ہے' انس ایک عالم ہے' ان کے سوا زمین کے چار زاویے ہیں اور ہر زاویہ میں پندرہ سو عالم ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۳۸' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

العلمین کے متعلق اقوال میں مصنف کا مختار

میں کہتا ہوں کہ ان تمام اقوال میں صحیح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر موجود عالم ہے اور ہر مخلوق عالم میں شامل ہے' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے :

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ (الشعراء : ۲۳-۲۴)

فرعون نے کہا رب العلمین کیا ہے؟ (موسیٰ نے) کہا وہ آسمانوں' زمین اور ان کے درمیان ہر چیز کا رب ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ تمام آسمان' زمینیں اور ان کے درمیان ہر چیز عالم ہیں' اور اس کی جمع عالم کی انواع اور اصناف کے اعتبار سے لائی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تربیت میں غور و فکر

ایک بیج زمین میں گرا دیا جاتا ہے' پھر زمین میں وہ پھول جاتا ہے' پھولنے کے بعد وہ ہر طرف سے پھٹ سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کی وجہ سے وہ صرف اوپر اور نیچے سے پھٹتا ہے اوپر سے پھٹ کر اس میں سے ایک جز زمین کو پھاڑ کر نکلتا ہے اور درخت بن جاتا ہے' اس میں شاخیں پھوٹتی ہیں' پھر ان شاخوں میں پھول کھلتے ہیں اور پھل بنتے ہیں اور پھلوں میں چھلکا بنتا ہے' مغز بنتا ہے اور مغز میں روغن ہوتا ہے' اور بیج کے نیچے سے جو جز زمین کو پھاڑ کر نکلتا ہے وہ جڑ بنتی ہے اور زمین کی گہرائی میں راستہ بناتی ہوئی وہ جڑیں نکل جاتی ہیں اور مٹی اور پانی سے اپنی طبعی غذا حاصل کر کے پورے درخت کو پہنچاتی ہیں اور اس کو سرسبز اور شاداب رکھتی ہیں۔

باپ کی پشت سے ایک قطرہ نکل کر ماں کے رحم میں پہنچتا ہے' پھر وہ قطرہ پہلے جما ہوا خون بن جاتا ہے' پھر گوشت کا ٹکڑا پھر اس میں ہڈیاں' رگیں اور مختلف اعضاء بنتے ہیں' پھر ان میں الگ الگ اثرات کی قوتیں رکھی جاتی ہیں۔ آنکھ میں دیکھنے کی' کان میں سننے کی اور زبان میں گویائی کی قوت رکھی جاتی ہے تو سبحان ہے وہ جس نے ہڈی میں سماعت' چربی میں بصارت اور گوشت کے ایک ٹکڑے میں گویائی رکھی!

ماں باپ کے دل میں ایسا جذبہ رکھا کہ انہوں نے اپنے سکھ اور آرام کو چھوڑ کر اس کی پرورش کی' ماں کے سینے میں اس کے لیے دودھ اتارا اور باپ کے دل میں شفقت رکھی اور یوں تدریجاً اس کو پالتا رہا' تربیت کرتا رہا' بڑھاتا رہا اور جب وہ اپنی نشوونما کے کمال طبعی کو پہنچ کر بالغ ہو گیا' اس کا شعور پختہ اور عقل کامل ہو گئی تب کہا اب ہماری ان نعمتوں کا شکر ادا کرو ہمارے ان کمالات کی حمد و ثناء کرو جن کے نتیجہ میں تم اس کمال طبعی تک پہنچے ہو' دیکھو اس نے تمہارے چلنے کے لیے زمین بنائی ہے' تمہارے سانس لینے کے لیے ہواؤں کے سمندر رواں دواں کئے ہوئے ہیں' تمہارے پینے کے لیے آسمان سے پانی اتارا اور زمین کی تہوں میں چشمے جاری کئے' تمہیں روشنی پہنچانے کے لیے دن بنایا' تمہارے آرام کے لیے رات بنائی' سورج کی حرارت سے تمہاری کھیتیاں پکتی ہیں اور چاند کی کرنوں سے ان میں ذائقہ پیدا ہوتا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے ان تمام احسانوں اور نعمتوں کو دیکھنے اور غور کرنے کے بعد تمہارے دلوں میں اس کی حمد و ثنا کرنے اور اس کا شکر بجالانے کا کوئی

Marfat.com

جذبہ پیدا نہیں ہوتا!

کمال ذات' گذشتہ احسان' رجا اور خوف سے حمد و ثناء کا تقاضا

دنیا میں انسان کسی شخص کی چار وجوہ سے تعریف کرتا ہے یا اس لیے کہ وہ شخص اپنی ذات و صفات میں کامل ہے اور عیوب اور نقائص سے بری ہے' خواہ اس نے اس انسان پر کوئی احسان کیا ہے یا نہیں وہ محض کمال ذات کی وجہ سے اس کی تعریف کرتا ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ اس نے اس پر ماضی میں احسانات کیے ہیں اور انعامات دیے ہیں' تو وہ ان گذشتہ احسانوں کی وجہ سے اس کی تعریف کرتا ہے' تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ مستقبل میں اس سے انعامات کی توقع رکھتا ہے' چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کے غیظ و غضب اور اس کے قہر اور قدرت سے ڈر کر اس کی تعریف کرتا ہے' تو گویا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر تم کمال ذات کی وجہ سے کسی کی حمد و ثناء کرتے ہو تو میری ذات کامل ہے سو میری حمد کرو اور اس کی طرف الحمدللہ سے اشارہ ہے اور اگر گذشتہ نعمتوں کی وجہ سے حمد و ثنا کرتے ہو تو ساری نعمتیں میں نے دی ہیں میری تعریف کرو میں ہی رب العلمین ہوں' اور اگر مستقبل میں نعمتیں حاصل کرنے کے لیے تعریف کرتے ہو تو میں الرحمٰن الرحیم ہوں سو میری حمد کرو اور اگر ڈر اور خوف کی وجہ سے حمد و ثنا کرتے ہو تب بھی میری حمد و ثنا کرو میں ہی مالک یوم الدین ہوں۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲

نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے ○

بعض مفسرین کی فروگذاشت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر میں ہم الرحمٰن الرحیم کی تفسیر کو بیان کر چکے ہیں' یہاں پر ہم بعض مفسرین کی ایک فروگذاشت پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں :

انسان کا خاصہ ہے کہ جب کوئی چیز اس کی نگاہ میں بہت زیادہ ہوتی ہے تو وہ مبالغہ کے صیغوں میں اس کو بیان کرتا ہے' اور اگر ایک مبالغہ بول کر وہ محسوس کرتا ہے کہ اس شے کی فراوانی کا حق ادا نہیں ہوا' تو پھر وہ اسی معنی کا ایک اور لفظ بولتا ہے تاکہ وہ کمی پوری ہو جائے جو اس کے نزدیک مبالغہ میں رہ گئی ہے۔ اللہ کی تعریف میں رحمٰن کا لفظ استعمال کرنے کے بعد پھر رحیم کا اضافہ کرنے میں بھی یہی نکتہ پوشیدہ ہے۔ رحمان عربی زبان میں بڑے مبالغہ کا صیغہ ہے لیکن خدا کی رحمت اور مہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے' اس قدر وسیع ہے' ایسی بے حد و حساب ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغہ لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا۔ اس لیے اس کی فراوانی کا حق ادا کرنے کے لیے پھر رحیم کا لفظ مزید استعمال کیا گیا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کسی شخص کی فیاضی کے بیان میں "سخی" کا لفظ بول کر جب تشنگی محسوس کرتے ہیں تو اس پر "داتا" کا اضافہ کرتے ہیں۔ رنگ کی تعریف میں جب "گورے" کو کافی نہیں پاتے تو اس پر "چٹے" کا لفظ اور بڑھا دیتے ہیں۔ درازی قد کے ذکر میں جب "لمبا" کہنے سے تسلی نہیں ہوتی تو اس کے بعد "تڑنگا" بھی کہتے ہیں۔

(تفہیم القرآن ج ۱ ص ۴۴' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور' ۱۹۸۳ء)

ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز نے اس پر دو اعتراض کئے ہیں' اول یہ کہ اگر کسی اہم چیز کا بیان

marfat.com
Marfat.com

مبالغہ کے صیغوں سے کرنا انسان کا خاصہ ہے تو اس کو اللہ کے کلام پر منطبق کرنا درست نہیں ہے کیونکہ خاصہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ جس چیز کا خاصہ ہو اسی میں پایا جاتا ہے' دوسرے میں نہیں پایا جاتا' دوسرا اعتراض یہ ہے کہ الرحمٰن الرحیم کی مثال گورے چٹے اور لمبے تڑنگے سے دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ الرحمٰن الرحیم دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور گورے چٹے اور لمبے تڑنگے میں سے کوئی لفظ بھی مبالغہ کا صیغہ نہیں ہے۔ (التبیان ص ۳۰۔۲۹' کاظمی پبلیکیشنز ملتان' ۱۹۹۳ء)

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳

روز جزاء کا مالک ہے ۝

مالک اور مَلِک کی دو قرأتیں

مالک اور مَلِک اس آیت میں دونوں متواتر قرأتیں ہیں' امام عاصم' امام کسائی اور امام یعقوب کی قرأت میں مالک ہے اور باقی پانچ ائمہ کی قرأت میں مَلِک ہے۔

مالک اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی مملوکہ چیزوں میں جس طرح چاہے تصرف کرنے پر قادر ہو۔ اور مَلِک اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی رعایا میں احکام (امر و نہی) نافذ کرتا ہو۔

قرآن مجید کی بعض آیات مالک کی موافقت میں ہیں اور بعض مَلِک کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط (آل عمران : ۲۶)

کہیے اے اللہ! ملک کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت میں مبتلا کرتا ہے اور تمام بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (الانفطار : ۱۹)

یہ وہ دن ہے جس میں کوئی شخص کسی شخص کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوگا' اور اس دن اللہ ہی کا حکم ہوگا۔

ان دونوں آیتوں سے مالک کی تائید ہوتی ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ (الناس : ۲-۱)

آپ کہیے میں تمام لوگوں کے رب' تمام لوگوں کے بادشاہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ط لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المؤمن : ۱۶)

آج کس کی بادشاہی ہے؟ اللہ کی جو واحد ہے اور سب پر غالب ہے۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ط يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ط (الحج : ۵۶)

اس دن صرف اللہ ہی کی بادشاہی ہوگی' وہی ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

اور ان دو آیتوں سے مَلِک کی تائید ہوتی ہے۔

یوم کا عرفی اور شرعی معنی

Marfat.com

علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

عرف میں طلوع شمس سے لے کر غروب شمس تک کے زمانہ کو یوم کہتے ہیں' اور اعمش کے سوا اہل سنت کے نزدیک شریعت میں طلوع فجر ثانی سے لے کر غروب شمس تک کے وقت کو یوم کہتے ہیں اور یوم قیامت اپنے معروف معنی میں حقیقت شرعیہ ہے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۸۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یوم قیامت کی مقدار

قیامت کے دن کے متعلق قرآن مجید میں ہے :

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (المعارج : ۴)

جبرئیل اور فرشتے اس کی طرف عروج کرتے ہیں (جس دن عذاب ہو گا) اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔

امام ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں' عرض کیا گیا یا رسول اللہ! قرآن مجید میں اس دن کے متعلق ہے کہ وہ پچاس ہزار برس کا ہو گا! یہ کتنا لمبا دن ہو گا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ وقدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے' مومن پر اس دن میں تخفیف کی جائے گی' حتی کہ وہ جتنی دیر میں دنیا میں فرض نماز پڑھتا تھا اس پر وہ دن اس سے بھی کم وقت میں گزرے گا۔ (مسند ابو یعلیٰ ج ۲ ص ۳۲۴' مطبوعہ دار المامون' تراث بیروت' ۱۴۰۴ھ)

اس حدیث کو حافظ ابن جریر (جامع البیان ج ۲۹ ص ۴۵) اور حافظ ابن کثیر (تفسیر ابن کثیر ج ۷ ص ۱۳) نے بھی اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ابن حبان نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

(موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان' ص ۶۳۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

علامہ سیوطی نے بھی اس کو امام احمد' امام ابو یعلیٰ' امام ابن جریر' امام ابن حبان اور امام بیہقی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۲۶۵۔۲۶۴' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

علامہ آلوسی نے بھی اس کو مذکور الصدر حوالہ جات کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(روح المعانی ج ۲۹ ص ۵۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابو سعید خدری کی حدیث مذکور کے متعلق حافظ الہیثمی لکھتے ہیں :

اس حدیث کو امام احمد اور امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اس کا ایک راوی ضعیف ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۷' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

نیز حافظ الہیثمی لکھتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ رب العلمین کے سامنے آدھے دن تک کھڑے رہیں گے جو دن پچاس ہزار برس کا ہو گا اور مومن پر آسانی کردی جائے گی' جیسے سورج کے مائل بہ غروب ہونے سے اس کے غروب ہونے تک' اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۳۷' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

marfat.com
Marfat.com

امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کافر کے لیے قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا مقرر کیا جائے گا کیونکہ اس نے دنیا میں نیک عمل نہیں کئے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۷۵ 'مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

عدل و انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ جو لوگ دنیا میں اس طرح نماز پڑھتے ہیں کہ گویا وہ نماز میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں پھر وہ اس میں اس طرح محو ہو جاتے ہیں کہ انہیں گردو پیش کا ہوش نہیں رہتا۔ امام ابو حنیفہ نماز پڑھ رہے تھے کہ مسجد کی چھت سے سانپ گر پڑا' افراتفری مچ گئی مگر وہ اسی محویت سے نماز پڑھتے رہے' ایک انصاری صحابی کو نماز کے دوران تیر لگا خون بہتا رہا اور وہ اسی انہماک سے نماز پڑھتے رہے' امام بخاری کو نماز میں تتیہ نے سترہ ڈنک مارے اور انہیں احساس تک نہ ہوا' سو ایسے ہی کاملین کی یہ جزاء ہو گی کہ قیامت کے دن ان کو فی الواقع دیدار الٰہی عطا کیا جائے اور جب ان کو دیدار الٰہی عطا کیا جائے گا تو وہ اس کی دید میں ایسے مستغرق ہوں گے کہ قیامت کے ہنگامہ خیز پچاس ہزار برس گزر جائیں گے اور ان کو یوں معلوم ہو گا جیسے ایک فرض نماز پڑھنے کا وقت گزرا ہو' لیکن اللہ تعالیٰ ہم پر عدل نہیں کرم فرماتا ہے' عدل کے لحاظ سے تو ہم دنیا میں بھی کسی نعمت کے مستحق نہیں ہیں' اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ہم کو نیکوں کے صدقہ میں نعمتیں دیتا ہے' سو آخرت میں بھی ان نیکوں کے طفیل ہم پر قیامت کا دن بہ قدر فرض نماز گزارے گا اور اپنے دیدار سے معمور فرمائے گا۔

وقوع قیامت پر عقلی دلیل

ہم اس دنیا میں دیکھتے رہتے ہیں کہ بعض لوگ ظلم کرتے کرتے مرجاتے ہیں اور ان کو ان کے ظلم پر کوئی سزا نہیں ملتی اور بعض لوگ ظلم سہتے سہتے مرجاتے ہیں اور ان کی مظلومیت پر کوئی جزا نہیں ملتی اگر اس جہان کے بعد کوئی اور جہان نہ ہو تو ظالم سزا کے بغیر اور مظلوم جزا کے بغیر رہ جائے گا اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس عالم کے بعد کوئی اور عالم ہو جس میں ظالم کو سزا دی جائے اور مظلوم کو جزا۔

اور جزاء اور سزاء کے نظام کے برپا کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس عالم کو بالکلیہ ختم کر دیا جائے' کیونکہ جزاء اور سزا اس وقت جاری ہو سکتی ہے جب بندوں کے اعمال ختم ہو جائیں' اور جب تک تمام انسان اور یہ کائنات ختم نہیں ہو جاتی لوگوں کے اعمال کا سلسلہ ختم نہیں ہو گا۔ مثلاً قابیل نے قتل کرنے کا طریقہ ایجاد کیا اب اس کے بعد جتنے قتل ہوں گے ان کے قتل کے جرم سے قابیل کے نامہ اعمال میں گناہ لکھا جاتا رہے گا' اس لیے جب تک قتل کا سلسلہ ختم نہیں ہو جاتا قابیل کا نامہ اعمال مکمل نہیں ہو گا' اسی طرح ہابیل نے ظالم سے بدلہ نہ لینے کی رسم ایجاد کی' اب اس کے بعد جو شخص بھی یہ نیکی کرے گا اس کی نیکی میں سے ہابیل کے نامہ اعمال میں نیکی لکھی جاتی رہے گی اس لیے جب تک اس نیکی کا سلسلہ ختم نہیں ہو جاتا ہابیل کا نامہ اعمال مکمل نہیں ہو گا' اسی طرح ایک شخص مسجد یا کنواں بنا کر مرجاتا ہے تو جب تک اس مسجد میں نماز پڑھی جاتی رہے گی جب تک اس کنوئیں سے پانی پیا جاتا رہے گا' اس شخص کے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی اور کوئی شخص بت خانہ یا شراب خانہ بنا کر مرگیا تو جب تک وہاں بت پرستی یا شراب نوشی ہوتی رہے گی اس کے نامہ اعمال میں برائیاں لکھی جاتی رہیں گی۔

اس لیے جب تک یہ دنیا اور اس دنیا میں انسان موجود ہیں اس وقت تک لوگوں کا نامہ اعمال مکمل نہیں ہو سکتا اور لوگوں کے نامہ اعمال کو مکمل کرنے کے لیے دنیا اور دنیا والوں کو مکمل ختم کرنا ضروری ہے اور اسی کا نام قیامت ہے خلاصہ یہ

Marfat.com

ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کی متقاضی ہے کہ جزا اور سزا کا نظام قائم کیا جائے اور جزا اور سزا کو نافذ کرنے سے پہلے قیامت کا قائم کرنا ضروری ہے۔

وقوع قیامت پر شرعی دلائل

یہ دنیا دار الامتحان ہے اور اس میں انسان کی آزمائش کی جاتی ہے اور اس امتحان کا نتیجہ اس دنیا میں ظاہر نہیں ہوتا لیکن نیک اور بد' اطاعت گزار اور نافرمان' موافق اور مخالف اور مومن اور کافر میں فرق کرنا ضروری ہے اور یہ فرق صرف قیامت کے دن ظاہر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ اَسَآءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ اَحْسَنُوا بِالْحُسْنٰى (النجم : ٣١)

تاکہ برے کام کرنے والوں کو ان کی سزا دے اور نیکی کرنے والوں کو اچھی جزا دے۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ (ص : ٢٨)

کیا ہم ایمان والوں اور نیکی کرنے والوں کو زمین میں فساد کرنے والوں کی طرح کر دیں گے؟ یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں گے؟

اَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُونَ (الجاثیہ : ٢١)

کیا برے کام کرنے والوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ ہم ان کو ان لوگوں کی طرح کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے' کہ (ان سب کی) زندگی اور موت برابر ہو جائے؟ وہ کیا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ (القلم : ٣٦-٣٥)

کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں جیسا کر دیں گے! تمہیں کیا ہوا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟

دنیا میں راحت اور مصیبت کا آنا مکمل جزاء اور سزا نہیں ہے

ہرچند کہ بعض لوگوں کو دنیا میں ہی ان کی بداعمالیوں کی سزا مل جاتی ہے مثلاً ان کا مالی نقصان ہو جاتا ہے' یا وہ ہولناک بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا ان پر دشمنوں کا خوف طاری ہو جاتا ہے' لیکن یہ ان کی بداعمالیوں کی پوری پوری سزا نہیں ہوتی' اور ہم کتنے ہی لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ساری عمر عیش پرستی' ہوسناکیوں اور ظلم و ستم کرنے میں گزار دیتے ہیں پھر اچانک ان پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے اور ان کی دولت اور طاقت کا نشہ کافور ہو جاتا ہے لیکن ان کے جرائم کے مقابلہ میں یہ بہت کم سزا ہوتی ہے اس لیے ان کی مکمل سزا کے لیے ایک اور جہان کی ضرورت ہے جہاں قیامت کے بعد ان کو پوری پوری سزا ملے گی۔

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُونَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ (السجدہ : ٢١)

ہم ان کو بڑے عذاب سے پہلے (دنیا میں) ہلکا عذاب ضرور چکھائیں گے تاکہ وہ باز آ جائیں۔

اس طرح بہت سے نیک بندے ساری عمر ظلم و ستم سہتے رہتے ہیں اور مصائب برداشت کرتے رہتے ہیں اور انہیں اپنی زندگی میں آرام اور راحت کا بہت کم موقعہ ملتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ قیامت کو قائم کرے گا اور ہر شخص کو اس کی نیکی اور بدی کی پوری پوری جزا اور سزا دے گا!

marfat.com
Marfat.com

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال : ۸-۷)

سو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کی (جزا) پائے گا اور جو ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کی (سزا) پائے گا۔

دین کا لغوی معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں :

دین کا معنی ہے جزا اور مکافات' قرآن مجید میں مالک یوم الدین کا معنی ہے یوم جزا کا مالک' دین کا معنی عادت بھی ہے کہا جاتا ہے مازال ذالک دینی میری ہمیشہ سے یہ عادت ہے' اور دین کا معنی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے' اور دین کا معنی طاعت ہے' حدیث میں ہے :

یمرقون من الدین مروق السھم من الرمیۃ (۱)

وہ امام کی اطاعت سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

دین' شریعت اور مذہب وغیرہ کی تعریفات

میر سید شریف لکھتے ہیں :

دین ایک الٰہی دستور ہے جو رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتا ہے جو عقل والوں کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے' دین اور ملت متحد بالذات ہیں اور مختلف بالاعتبار ہیں کیونکہ شریعت بہ حیثیت اطاعت دین ہے اور بہ حیثیت ضبط اور تحریر ملت ہے' اور جس حیثیت سے اس کی طرف رجوع کیا جائے مذہب ہے' ایک قول یہ ہے کہ دین اللہ کی طرف منسوب ہے اور ملت رسول ﷺ کی طرف منسوب ہے اور مذہب مجتہد کی طرف منسوب ہے۔

(کتاب التعریفات ص ۴۷' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر ۱۳۰۶ھ)

عبودیت کا التزام کر کے حکم ماننا شریعت ہے ایک قول یہ ہے کہ شریعت دین کا ایک راستہ ہے۔

(کتاب التعریفات ص ۵۵' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں :

"شرعۃ و منہاجا" کی تفسیر میں قتادہ نے کہا دین ایک ہے اور شریعت مختلف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۷' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے اہل تورات کے لیے تورات مقرر کی اور اہل انجیل کے لیے انجیل اور اہل قرآن کے لیے قرآن مقرر کیا اور یہ تقرر شریعتوں اور عبادتوں میں ہے اور اصل توحید ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۲۱۱' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

امام بخاری مجاہد سے روایت کرتے ہیں :

اے محمد (ﷺ) ہم نے آپ کو اور حضرت نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۶'

(۱) علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی حنفی ۱۲۰۵ھ' تاج العروس ج ۹ ص ۲۰۸-۲۰۷' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' ۱۳۰۶ھ

Marfat.com

مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

قرآن مجید میں ہے :

"اللہ نے تمہارے لیے اسی دین کا راستہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جس دین کی ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی ہے اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور وہ اسلام ہے۔

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط (المائدۃ : ۴۸) ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت اور واضح راہ عمل بنائی ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نبی کی شریعت الگ ہے۔

قرآن مجید کی ان آیات' احادیث اور عبارات علماء کا حاصل یہ ہے کہ جو عقائد اور اصول تمام انبیاء میں مشترک ہیں مثلاً توحید' رسالت' قیامت' جزاء' سزا' اللہ کی تعظیم اور اس کے شکر کا واجب ہونا' قتل اور زنا کا حرام ہونا' ان کا نام دین ہے اور ہر نبی نے اپنے زمانہ کے مخصوص حالات کے اعتبار سے عبادات اور نظام حیات کے جو مخصوص احکام بتائے وہ شریعت ہے' ان کو مدون اور منضبط کرنا ملت ہے اور امام اور مجتہد نے کتاب اور سنت سے جو احکام مستنبط کیے ان کا نام مذہب ہے اور مشائخ طریقت نے جو اوراد اور وظائف کے مخصوص طریقے بتائے ان کا نام مسلک اور مشرب ہے اور کسی مخصوص درسگاہ کے نظریات کا نام مکتب فکر ہے۔ مثلاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم دین کے اعتبار سے مسلمان ہیں' شریعت کے اعتبار سے محمدی ہیں' مذہب کے اعتبار سے ماتریدی اور حنفی ہیں اور مسلک اور مشرب کے اعتبار سے قادری ہیں اور مکتب فکر کے لحاظ سے بریلوی ہیں۔

اللہ' رب' رحمٰن' رحیم اور مالک یوم الدین میں وجہ ارتباط

سورہ فاتحہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پانچ اسماء ذکر کیے ہیں۔ اللہ' رب' رحمٰن' رحیم اور مالک یوم الدین اور ان میں ارتباط اس طرح ہے کہ اللّٰہ کے تقاضے سے اس نے انسان کو پیدا کیا' "رب" کے تقاضے سے اس نے غیر متناہی نعمتوں سے انسان کی پرورش کی' "رحمٰن" کے تقاضے سے انسان کے گناہوں پر پردہ رکھا' "رحیم" کے تقاضے سے انسان کی توبہ قبول کر کے اس کو معاف فرمایا اور "مالک یوم الدین" کے تقاضے سے انسان کو اس کے اعمال صالحہ کی جزاء عطا فرمائی۔

اگر یہ سوال ہو کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں بھی اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن و رحیم کا ذکر ہے اور سورہ فاتحہ کی ابتداء میں پھر ان صفات کا ذکر ہے' اس کی کیا وجہ ہے کہ رحمٰن اور رحیم کو دو مرتبہ ذکر کیا ہے اور باقی اسماء کا دو مرتبہ ذکر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس میں یہ اشارہ ہو کہ اللہ تعالیٰ پر رحمت کا غلبہ ہے اس لیے بندہ کو اس سے مایوس نہیں ہونا چاہئے اور ہر وقت اس کی رحمت پر نظر رکھنی چاہئے' اس کے بعد مالک یوم الدین فرمایا کہ کہیں اس کی رحمت سے دھوکا کھا کر انسان گناہوں پر دلیر نہ ہو جائے کیونکہ وہ مالک یوم الدین بھی ہے۔

جس طرح اس آیت میں فرمایا ہے :

marfat.com
Marfat.com

غَافِرِ الذَّنۡبِ وَقَابِلِ التَّوۡبِ شَدِيۡدِ الۡعِقَابِ ۙ ذِى الطَّوۡلِ ؕ (المؤمن : ۴۰) وہ گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا' بہت سخت عذاب دینے والا' قدرت والا ہے۔

الحمدللہ میں مسند الیہ مقدم ہے اور خبر معرفہ ہے اور عربی قواعد کے مطابق ایسی ترکیب مفید حصر ہوتی ہے نیز اللہ تعالیٰ کی صفات رب' رحمٰن' رحیم اور مالک یوم الدین بہ منزلہ علت ہیں' اس اعتبار سے معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی حمد کا مستحق نہیں ہے کیونکہ وہی رب ہے' وہی رحمان' رحیم اور مالک روز جزاء ہے' اور اس میں یہ رمز ہے کہ جس میں یہ صفات نہ ہوں وہ تو ستائش کے لائق بھی نہیں ہے چہ جائیکہ وہ پرستش کا مستحق ہو اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ ہی حمد و ثنا کے لائق ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے تو ہم سے یہ کہلوایا : اے پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔

اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ؕ ۴

(اے پروردگار) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں ○

عبادت کا لغوی معنی

علامہ جوہری لکھتے ہیں :

عبودیت کی اصل خضوع اور ذلت ہے' عبادت کا معنی ہے اطاعت کرنا اور تعبد کا معنی ہے تنسک (فرمانبرداری کرنا) (الصحاح ج ۲ ص ۵۰۳ ' مطبوعہ دار العلم بیروت' ۱۴۰۴ھ)

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں :

لغت میں عبادت کا معنی ہے خضوع (تواضع اور عاجزی) کے ساتھ اطاعت کرنا۔

(لسان العرب ج ۳ ص ۲۷۳' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم' ایران' ۱۴۰۵ھ)

علامہ سید زبیدی لکھتے ہیں :

عبادت کا معنی ہے طاعت' بعض ائمہ نے کہا عبودیت کی اصل ذلت اور خشوع ہے' دوسرے ائمہ نے کہا عبودت کا معنی ہے رب کے فعل پر راضی ہونا' اور عبادت کا معنی ہے ایسا فعل کرنا جس سے رب راضی ہو' اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ آخرت میں عبادت ساقط ہو جائے گی عبودت ساقط نہیں ہو گی' کیونکہ عبودت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے حقیقت میں متصرف ہونے کا عقیدہ نہ رکھے' ہمارے شیخ نے کہا یہ صوفیہ کی اصطلاح ہے' اس میں لغت کا دخل نہیں ہے' ازہری نے کہا غلام جو اپنے مولیٰ کی خدمت کرتا ہے اس کو عبادت نہیں کہتے اور مسلمان جو اپنے رب کی اطاعت کرتا ہے اس کو عبادت کہتے ہیں' اللہ عزوجل نے فرمایا ہے اعبدوا ربکم اس کا معنی ہے اپنے رب کی اطاعت کرو' اور ایاک نعبد کا معنی ہے ہم خضوع اور عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ ابن الاثیر نے کہا عبادت کا لغت میں معنی ہے عاجزی کے ساتھ اطاعت کرنا۔ (تاج العروس شرح القاموس ج ۲ ص ۴۱۰' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

عبادت کا اصطلاحی معنی

علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں :

Marfat.com

نفس کی خواہش کے خلاف' اپنے رب کی تعظیم کے لیے مکلف کا کوئی کام کرنا عبادت ہے۔
عہد کو پورا کرنا' اللہ کی حدود کی حفاظت کرنا جو مل جائے اس پر راضی رہنا اور جو نہ ملے اس پر صبر کرنا' عبودیت ہے۔
(کتاب التعریفات ص ۱۳۳' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

قرآن مجید میں عبادت کا لفظ توحید اور اطاعت کے لیے استعمال ہوا ہے :

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا (النساء : ۳۶) — اللہ کو واحد مانو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ (یٰسین : ۶۰) — اے اولاد آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی اطاعت نہ کرنا۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عبادت کا اصطلاحی معنی ہے : اعتقاد الوہیت کے ساتھ کسی کی تعظیم اور اطاعت کرنا اور یا یھا الناس اعبدوا ربکم کا معنی ہے : اے لوگو! اپنے رب کو الہ مان کر اس کی تعظیم اور اطاعت کرو۔ اور ایاک نعبد کا معنی ہے : ہم اعتقاد الوہیت کے ساتھ تیری تعظیم اور اطاعت کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں عبد کے اطلاقات

قرآن مجید میں پانچ قسم کے لوگوں پر عبد کا اطلاق کیا گیا ہے۔

غلام اور مملوک پر عبد کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اَلْعَبْدُ بِالْعَبْدِ (البقرہ : ۱۷۸) — غلام کے بدلہ میں غلام (کو قتل کیا جائے۔)

ضرب اللہ مثلاً عبدًا مملوکًا لا یقدر علی شئی اللہ مثال بیان فرماتا ہے ایک مملوک (غلام) کی جس کو کسی چیز پر قدرت نہیں ہے۔ (النحل : ۷۵)

(۲) جو اللہ کی تسخیر سے عبد ہیں

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم : ۹۳) — آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہیں وہ اللہ کی بارگاہ میں بطور عبد حاضر ہوں گے۔

(۳) جو اپنے اختیار سے اللہ کے عبد ہیں اور عبدیت میں کامل ہیں۔

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا (بنی اسرائیل : ۳) — ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی پر) سوار کیا تھا۔ بے شک وہ (نوح) عبد شاکر تھے۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى (بنی اسرائیل : ۱) — سبحان ہے وہ جو اپنے (مقدس) عبد کو رات کے ایک قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔

(۴) جو اپنے اختیار سے اللہ کے عبد ہیں اور عبدیت میں ناقص ہیں۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (المائدہ : ۱۱۸) — اگر تو انہیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی بہت غالب ہے بڑی

marfat.com
Marfat.com

حکمت والا ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر : ۵۳)

کہیے اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے' اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

(۵) جو اپنے اختیار سے غیر اللہ کے عبد ہیں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ (الفرقان : ۱۷)

اور جس دن اللہ انہیں جمع کرے گا اور جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے پھر اللہ ان (معبودوں) سے فرمائے گا : کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود ہی گمراہ ہو گئے تھے۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (یٰسٓ : ۳۰)

ہائے افسوس ان بندوں پر! ان کے پاس جو رسول بھی آیا یہ ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو مملوک اور غلام ہیں' جو تسخیراً "عبد ہیں' جو اپنے اختیار سے اللہ کے عبد ہیں اور عبد کامل ہیں اور جو اپنے اختیار سے اللہ کے عبد ہیں اور عبد ناقص ہیں اور جو اپنے اختیار سے غیر اللہ کے عبد ہیں ان سب پر قرآن مجید میں عبد کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اپنے غلام کو "میرا عبد" کہنے کی کراہت اور عبدالنبی وغیرہ نام رکھنے کی تحقیق

غلام کے لیے اپنے مالک کو میرا رب کہنا مکروہ تنزیہی ہے اسی طرح مالک کا غلام کو میرا عبد کہنا مکروہ تنزیہی ہے۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ اپنے رب کو کھلاؤ' اپنے رب کو پلاؤ' بلکہ میرا سید اور میرا مولا کہے' اور تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے میرا عبد اور میری بندی' اسے یہ کہنا چاہئے' میرا نوکر' میری نوکرانی اور میرا غلام۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۴۷-۳۴۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم میں سے کوئی شخص اپنے مملوک کے لیے میرا عبد نہ کہے' لیکن میرا خادم کہے' اور نہ مملوک اپنے مالک کو میرا رب کہے لیکن میرا سید کہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۴' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کوئی شخص اپنے مملوک کو میرا عبد نہ کہے بلکہ میرا نوکر یا خادم کہے' یہ ممانعت اس لیے کی گئی ہے تاکہ مالک سے تکبر اور بڑائی کی نفی کی جائے اور مالک کی طرف غلام کی عبودیت کی نسبت کی نفی کی جائے کیونکہ اس کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی تمام بندوں کا رب ہے۔

(نہایہ ج ۳ ص ۱۷۰' مطبوعہ مؤسسہ مطبوعاتی ایران' ۱۳۶۴ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں :

Marfat.com

کسی شخص کا اپنے مملوک کو میرا عبد کہنا مکروہ تنزیہی ہے حرام نہیں ہے' کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس کا مملوک اللہ کا عبد ہے اور اس کی عبادت کرتا ہے' اب اگر اس کا مالک بھی اس کو اپنا عبد کہے تو یہ شرک اور مشابہت کو واجب کرتا ہے' لہٰذا اس سے احتراز کے لیے مستحب ہے کہ وہ اس کو میرا نوکر اور میرا غلام کہے' اور یہ حرام اس لیے نہیں ہے کہ قرآن مجید میں مالک کی طرف عبد کی اضافت کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ (النور : ۳۲) اور تم اپنے بے نکاح (آزاد) مردوں اور عورتوں کا اپنے نیک عباد (غلاموں) اور باندیوں سے نکاح کردو۔

علامہ ابن بطال نے کہا نے کہ اس آیت کی رو سے کسی شخص کا اپنے غلام کو میرا عبد کہنا جائز ہے اور احادیث میں ممانعت تغلیظ کے لیے ہے تحریم کے لیے نہیں' اور یہ مکروہ اس لیے ہے کہ یہ لفظ مشترک ہے کیونکہ اس کا غلام بہرحال اللہ کا عبد ہے اب اگر وہ اسے میرا عبد کہے گا تو اس سے اس غلام کا مشترک ہونا لازم آگیا۔

(عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۱۱۰' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۴۸ھ۔)

بعض لوگوں کا نام عبدالنبی اور عبدالرسول رکھا جاتا ہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی نے کفر اور شرک کی باتوں کا بیان اس عنوان کے تحت لکھا ہے:

علی بخش' حسین بخش' عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا۔ (بہشتی زیور ج ۱' ص ۳۵ مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور)

ظاہر ہے کہ یہ دین میں غلو اور زیادتی ہے' عبدالنبی اور عبدالرسول نام رکھنا' سورہ نور کی اس آیت کے تحت جائز ہے اور احادیث میں جو ممانعت وارد ہے اس کی وجہ سے مکروہ تنزیہی ہے۔ ہمارے نزدیک مختار یہی ہے کہ عبدالنبی' عبدالرسول اور عبدالمصطفیٰ نام رکھنا' ہرچند کہ جائز ہے لیکن چونکہ احادیث میں اس کی ممانعت ہے اس لیے مکروہ تنزیہی ہے' اس لیے افضل اور اولیٰ یہی ہے کہ ان کے بجائے غلام نبی' غلام رسول اور غلام مصطفیٰ نام رکھے جائیں۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

فقہاء نے عبد فلاں نام رکھنے سے منع کیا ہے' اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالنبی نام رکھنا ممنوع ہے' علامہ مناوی نے علامہ دمیری (شافعی) سے نقل کیا ہے کہ ایک قول جواز کا ہے جب کہ اس نسبت سے مشرف ہونا مقصود ہو' اور اکثر فقہاء نے اس خدشہ سے منع کیا ہے کہ کوئی حقیقت عبودیت کا اعتقاد کرے' جیسے عبدالدار نام رکھنا جائز نہیں ہے۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۲۶۹' مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول' ۱۳۲۷ھ)

عباد ت کا اللہ تعالیٰ میں منحصر ہونا

"(اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔" اس آیت میں عبادت کا اللہ تعالیٰ میں حصر کردیا ہے' بعض علماء نے اس پر بھی بحث کی ہے' کہ اس حصر کی وجہ کیا ہے' اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ اللہ کے سوا اور کوئی الٰہ (مستحق عبادت) نہیں ہے' اس لیے ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں اور کسی کی عبادت نہیں کرتے' اور اس کی یہ توجیہ بھی کی گئی ہے کہ عبادت نہایت تعظیم کو کہتے ہیں اور نہایت تعظیم اسی کی کی جائے گی جس نے بے شمار نعمتیں دی ہوں اور چونکہ تمام نعمتیں اسی کی دی ہوئی ہیں' اس لیے عبادت بھی اسی کی کی جاتی ہے دیکھئے اللہ تعالیٰ ہم کو عدم سے وجود میں لایا' جہل سے نکال کر علم عطا

marfat.com
Marfat.com

فرمایا' پھر تمام زمین آسمان' سیارگان' جمادات' نباتات اور حیوانات کو ہمارے نفع کے لیے مسخر کر دیا!

وَقَدْ خَلَقْتُكُمْ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا (مریم ۹) اور بے شک میں نے تم کو اس سے پہلے پیدا کیا' حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (النحل : ۷۸) اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا' حالانکہ تمہیں کسی چیز کا علم نہ تھا اور تمہارے کان' آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر بجالاؤ۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ (الجاثیہ : ۱۳) اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے' سب کو اس نے اپنی طرف سے تمہارے نفع کے لیے مسخر کر دیا۔

اس سے بڑا اور کیا انعام ہو گا! تو اس کے سوا اور کون عبادت کا مستحق ہو گا۔

ایاک نعبد میں حرف خطاب کو مقدم کرنے کے اسرار اور نکات

اس آیت میں یوں نہیں فرمایا: نعبدک ہم تیری عبادت کرتے ہیں' بلکہ فرمایا ہے ایاک نعبد تیری ہی عبادت کرتے ہیں ہم' اللہ تعالیٰ کا ذکر پہلے ہے اور ہماری عبادت کرنے کا ذکر بعد میں ہے' اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہے' اور ہم اور ہماری عبادات بعد میں ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے جس شخص کی نظر نعمت کے وقت نعمت کی بجائے منعم پر ہو' تو مصیبت کے وقت اس کی نظر مصیبت کی بجائے مصیبت میں مبتلا کرنے والے پر ہوتی ہے پھر مصیبت' مصیبت نہیں رہتی اور نعمت آنے کے بعد اگر وہ نعمت زائل ہو جائے تو اس کو ملال نہیں ہوتا' اور جس کی نظر نعمت پر ہوتی ہے تو حصول نعمت کے وقت بھی وہ پریشان رہتا ہے کہ کہیں وہ نعمت زائل نہ ہو جائے اور مصیبت کے وقت بھی وہ رنج اور افسوس میں مبتلا رہتا ہے' اور جس کی نظر ہر حال میں اللہ پر ہو وہ ہمیشہ خوش رہتا ہے' لہٰذا ان کے مقام کا کیا کہنا جن کی توجہ ہر حال میں صفات کی بجائے ذات کی طرف رہتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا واذکروا نعمتی میری نعمت کو یاد کرو اور حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے فرمایا فاذکرونی اذکرکم تم مجھے (میری ذات کو) یاد کرو' میں تمہیں یاد کروں گا' ان کی رسائی صفت تک تھی ہماری رسائی ذات تک کر دی ہے اور جب اس تصور سے انسان کہے گا تیری ہی عبادت کرتے ہیں ہم' اور اس کی ذات کا اس لیے مقدم ذکر کرے گا کہ وہ ہر حال میں پہلے اس کو دیکھتا ہے بعد میں اور کو دیکھتا ہے تو پھر ایاک نعبد پڑھنے کا کچھ اور لطف ہو گا!

نیز اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ کامل عبادت یہ ہے کہ تم اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اس سے بالمشافہ خطاب کر رہے ہو' اور اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ عبادت میں صعوبت اور مشقت تو بہت ہے لیکن جب عابد کی نظر معبود کے جمال پر ہو اور وہ محو نظارہ ذات ہو تو پھر کسی مشقت اور صعوبت کا پتا نہیں چلتا جس طرح مصر کی عورتوں کی نظر جب حسن یوسف پر پڑی تو انہوں نے پھل کی جگہ انگلیاں کاٹ ڈالیں اور ان کو کچھ درد نہیں ہوا' یہی وجہ ہے کہ ایک صحابی کو نماز کے دوران تیر لگتے رہے' خون بہتا رہا اور وہ اسی انہماک سے نماز پڑھتے رہے۔(۱) مسجد کی چھت سے سانپ گر پڑا بھگدڑ مچ گئی اور امام ابوحنیفہ اسی محویت سے نماز پڑھتے رہے۔(۲) امام بخاری کو نماز میں تتیہ نے سترہ ڈنک مارے اور

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹' (۲) تفسیر کبیر ج ۱ ص ۳۹

marfat.com
Marfat.com

ان کو کچھ پتا نہیں چلا (۱) عروہ بن زبیر کے کسی عضو میں زخم ہو گیا اس عضو کو کاٹنا ضروری تھا جب انہوں نے نماز شروع کی تو لوگوں نے وہ عضو کاٹ دیا اور ان کو ذرا احساس نہیں ہوا۔ (۲)

ایاک نعبد میں جمع کا صیغہ لانے کے اسرار اور نکات

اس آیت میں فرمایا ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں' یہاں پر لفظ جمع لایا گیا ہے' کیونکہ اگر بندہ یوں کہتا کہ میں تیری عبادت کرتا ہوں تو اس سے تکبر اور عجب کا وہم ہوتا اور جب کہا ہم (سب) تیری ہی عبادت کرتے ہیں تو اس کا حاصل یہ ہے کہ میں تیرے عبادت گزار بندوں میں سے ایک عبادت گزار بندہ ہوں اور اس میں تواضع اور انکسار ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بندہ اپنی عبادت کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ اس کا اللہ تعالیٰ کے سامنے ذکر کرے اس میں بہت سے نقائص اور تقصیرات ہیں اس لیے وہ اپنی عبادت کو تمام عبادت گزاروں کی عبادت میں درج کرکے ذکر کرتا ہے کہ ان عبادت گزاروں میں صالحین اور مقبولین بھی ہیں' جن کی عبادتوں کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا' اور یہ اس کے کرم سے بعید ہے کہ وہ بعض کی عبادتیں قبول کرے اور بعض کو مسترد کردے۔

علامہ محی الدین درویش لکھتے ہیں

ایک شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جو آدمی مختلف جنس کی چیزوں کو بیع واحد کے ساتھ فروخت کرے' پھر خریدار بعض چیزوں کے کسی عیب پر مطلع ہو تو اس کو تمام چیزیں واپس کرنے کا اختیار ہے' یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ بعض چیزوں کو رکھ لے اور بعض کو واپس کردے' کیونکہ تمام چیزیں بیع واحد کے ساتھ فروخت کی گئی ہیں وہ ان میں تفریق نہیں کرسکتا (مثلاً کوئی شخص سیبوں کا ایک کریٹ خریدے اور کوئی ایک سیب داغدار ہو تو وہ صرف اس سیب کو واپس نہیں کرسکتا یا سب کو واپس کرے گا یا سب کو رکھے گا) علی ھذا القیاس جب عبادت گزار نے اپنی عبادت کو ناقص اور معیوب جانا تو اس نے اپنی عبادت کو الگ نہیں پیش کیا بلکہ تمام عابدوں کی عبادت میں درج کردیا' اس امید سے کہ تمام عبادات مسترد نہیں ہوں گی' کیونکہ ان میں بعض مقبولین کی عبادات بھی ہیں اور جب باقی مقربین کی عبادات مقبول ہوں گی تو اس کی عبادت بھی مقبول ہو جائے گی اور یہی اس کے کرم عظیم کے مناسب اور فضل عمیم کے لائق ہے۔

(اعراب القرآن الکریم و بیانہ ج ۱ ص ۱۸' دار ابن کثیر بیروت' الطبعۃ الثالثہ' ۱۴۱۲ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھر میں نماز پڑھنے پر ایک نماز کا اجر ہے اور قبائل کی مسجد (محلہ کی مسجد) میں نماز پڑھنے پر پچیس نمازوں کا اجر ہے (بعض روایات کے مطابق ستائیس نمازوں کا اجر ہے) اور جامع مسجد میں نماز پڑھنے پر پانچ سو نمازوں کا اجر ہے' اور مسجد اقصیٰ میں پچاس ہزار نمازوں کا اجر ہے' اور میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھنے کا (بھی) پچاس ہزار نمازوں کا اجر ہے' اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے کا اجر ایک لاکھ نمازوں کا اجر ہے۔ (مشکوۃ ص ۷۲' مطبوعہ اصح المطابع دہلی۔)

اجر میں اس اضافہ کی وجہ ایک تو ان مساجد کی عظمت اور خصوصیت ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ محلہ کی مسجد کی نسبت جامع مسجد میں زیادہ نمازی ہوتے ہیں' اور جہاں زیادہ نمازی ہوں گے وہاں اللہ کے نیک بندے بھی زیادہ ہوں گے' اللہ تعالیٰ اپنے مقرب اور نیک بندوں کو زیادہ اجر عطا فرمائے گا اور ان کے واسطے سے سب نمازیوں کو زیادہ اجر و ثواب عطا فرمادے گا'

(۱) فتح الباری ج ۱۴ ص ۴۸۱۔ ۴۸۰۔ (۲) تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۲۹

marfat.com
Marfat.com

علی هذا القیاس جیسے جیسے نمازیوں کی تعداد بڑھتی جائے گی اجر و ثواب بڑھتا جائے گا' اس لیے بندہ اپنی عبادت کا علیحدہ ذکر نہیں کرتا بلکہ تمام عابدوں کی عبادت میں اپنی عبادت ضم کر کے ذکر کرتا ہے تاکہ اسے بھی وہ برکتیں مل جائیں جو مقربین بارگاہ ناز کے طفیل سب عابدوں کو ملیں گی۔

غیوبت سے خطاب کی طرف التفات کے اسرار اور نکات

بلاغت کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ کلام کے پیرائے کو مثلاً صیغہ غائب سے صیغہ خطاب کی طرف منتقل کیا جائے اس کو اصطلاح میں التفات کہتے ہیں' کیونکہ مسلسل ایک طرز سے سننے والا اکتا جاتا ہے اور جب کلام کا پیرایہ تبدیل کیا جاتا ہے تو سننے والے کا ذہن حاضر اور بیدار رہتا ہے اور اس کا شوق برقرار رہتا ہے اور تجسس بڑھتا رہتا ہے۔

سورہ فاتحہ کے شروع کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کا صیغہ غائب کے ساتھ ذکر کیا گیا اور اس کی حمد و ثنا کی گئی پھر ایاک نعبد "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں" میں اس سے بالمشافہ خطاب کیا گیا' اس میں صنعت التفات کے علاوہ حسب ذیل اسرار ہیں:

(۱) جب بندہ نے اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت' رحمت اور اس کے مالک ہونے کا ذکر کیا تو اس کو حریم ناز میں داخل ہونے کی اجازت ملی اور اس سے کہا گیا کہ اب جو کہنا ہے بالمشافہ کہو تو بندہ نے کہا "ایاک نعبد وایاک نستعین"

(۲) دعا اور سوال میں اصل یہ ہے کہ بالمشافہ خطاب کر کے سوال کیا جائے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل رب زدنی علما (طٰہٰ: ۱۱۴) "آپ کہئے کہ اے رب میرے علم کو زیادہ کر' سو اسی نہج پر یہاں بہ صورت خطاب دعا کی گئی ہے۔

(۳) الحمد سے مالک یوم الدین تک اللہ کی حمد و ثناء ہے' اور تعریف میں اصل یہ ہے کہ غیاب میں کی جائے اور ایاک نعبد میں عبادت کا ذکر ہے اور عبادت میں اصل یہ ہے کہ حضور میں اور بالمشافہ ہو' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان تعبداللّٰہ کانک تراہ(۱) — تم اس طرح عبادت کرو گویا کہ اللہ کو دیکھ رہے ہو۔

استعانت کے معنی

استعانت کا لفظ عون سے ماخوذ ہے' علامہ زبیدی عون کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کسی کام پر مدد کرنے والے کو عون کہتے ہیں' عرب کہتے ہیں: جب قحط آتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے اعوان بھی آتے ہیں' یعنی ٹڈیاں' کھیاں اور بیماریاں' لیث نے کہا ہر وہ چیز جو تمہاری مدد کرے وہ تمہاری عون ہے' جیسے روزہ عبادت کے لیے عون ہے' اس کی جمع اعوان ہے' اور عرب کہتے ہیں: استعنتہ فاعاننی میں نے اس سے مدد طلب کی تو اس نے میری مدد کی۔ (تاج العروس ج ۹ ص ۲۸۵' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

ایاک نستعین کی تفسیر

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں:

ایاک نستعین کا معنی یہ ہے: اے ہمارے رب! ہم اپنی عبادات' اپنی طاعات اور اپنے تمام معاملات میں صرف

(۱) امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ

Marfat.com

تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں' تیرے سوا اور کوئی مددگار نہیں ہے' کفار اپنے معاملات میں اپنے باطل معبودوں سے مدد طلب کرتے ہیں اور ہم اخلاص کے ساتھ تیری عبادت کرتے ہیں اور اپنے تمام امور میں تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔
حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ہم اپنی اطاعت اور تمام امور میں تجھ سے ہی مدد طلب کرتے ہیں۔
(جامع البیان ج ۱ ص ۵۳' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی وجوہ

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عبادت بھی اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ پھر یہ ظاہر یہ چاہئے تھا کہ پہلے ایاک نستعین ہوتا پھر ایاک نعبد ہوتا' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ واو ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

یَا مَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ مَعَ الرّٰکِعِیْنَ (آل عمران : ۴۳)
اے مریم! اپنے رب کی عبادت کر' سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔

اس آیت میں پہلے سجدہ اور پھر رکوع کا ذکر ہے حالانکہ ترتیب کے اعتبار سے پہلے رکوع اور پھر سجدہ ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ وسیلہ مقصود پر مقدم ہوتا ہے' بندہ کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب تم نے دعا اور سوال کرنا ہو تو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' تاکہ تمہاری دعا قبول ہو' اس لیے مدد طلب کرنے سے پہلے عبادت کرنے کا ذکر کیا گیا' تیسرا جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے الحمد للہ رب العلمین اور مالک یوم الدین فرمایا تھا تو اسی وزن پر ایاک نعبد وایاک نستعین فرمایا' اگر ایاک نستعین وایاک نعبد ہوتا تو ان آیات کے آخری الفاظ کا اختتام ایک فصل اور ایک وزن پر نہ ہوتا۔

اولیاء اللہ سے استعانت کی تحقیق

علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

استعانت میں عموم مراد ہے' ہر چیز میں ہم صرف تجھ سے ہی استعانت کرتے ہیں کیونکہ حدیث صحیح میں نبی ﷺ نے حضرت ابن عباس سے فرمایا:

اذا استعنت فاستعن باللہ (جامع ترمذی ص ۳۶۱)
جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو۔

اسی حدیث کی وجہ سے حضرت ابن عباس نے استعانت میں عموم کا قول اختیار کیا ہے' سو جس شخص نے اپنے اہم معاملات بلکہ دوسرے غیر اہم معاملات میں بھی غیر اللہ سے مدد چاہی ہو تو اس نے ایک عبث عمل کیا' اللہ تعالیٰ سے کیوں نہیں مدد طلب کی جاتی حالانکہ وہ غنی کبیر ہے اور دوسروں سے کیسے مدد طلب کی جائے گی جب کہ سب اس کے محتاج ہیں' اور محتاج کا محتاج سے مدد طلب کرنا ناپختہ رائے ہے اور عقل کی کج روی' اور میں نے کتنے لوگوں کو دیکھا جنہوں نے غیر اللہ سے عزت اور دولت طلب کی اور وہ ذلیل اور فقیر ہوئے' سو اللہ کے سوا اور کوئی اس لائق نہیں کہ اس سے مدد طلب کی جائے۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۹۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ مراغی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں' اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی ایسی تعظیم کریں جیسی معبود کی تعظیم کی جاتی ہے اور اللہ کے سوا

marfat.com
Marfat.com

کسی سے مدد نہ طلب کریں اور کسی کام کو پورا کرنے کے لیے جو طاقت درکار ہوتی ہے وہ کسی اور سے نہ مانگیں ماسوا ان اسباب کے جن کا کسب کرنا اور جن کو حاصل کرنا ہمارے لیے عام اسباب میں مشروع اور میسر ہے۔

اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اسباب کو مسببات کے ساتھ مربوط کیا ہے' اسی طرح ارتفاع موانع پر بھی ان کو موقوف کیا ہے اور ان اسباب کے حصول کے لیے انسان کو علم اور معرفت سے نوازا ہے اور موانع اور رکاوٹوں کے دور کرنے پر انسان کو قدرت عطا کی ہے اور اسی اعتبار سے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم ایک دوسرے کی مدد کریں اور تعاون کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدۃ : ۲)

اور تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ (الکہف : ۹۵)

ذوالقرنین نے کہا میرے رب نے جس پر مجھے قدرت دی ہے وہ (تمہارے مال سے) بہتر ہے تو تم (محنت کے کام میں) طاقت سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان نہایت مضبوط دیوار بنا دوں گا۔

اسی اعتبار سے ہم بیماروں کی شفا کے لیے اطباء سے دوائیں طلب کرتے ہیں اور دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ہتھیاروں اور سپاہیوں سے مدد طلب کرتے ہیں اور اپنی فصلوں کی فراوانی کے لیے حشرات الارض اور مضر کیڑوں مکوڑوں کو دور کرتے ہیں اور ان کو ہلاک کرتے ہیں۔ اور ان اسباب کے بغیر اگر ہم بیماروں کے لیے شفاء اور دشمن پر غلبہ چاہتے ہوں تو اس کے لیے صرف اللہ تعالیٰ سے استعانت کی جائے گی اور زمین و آسمان کی تمام حاجات کے لیے صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے دست سوال دراز کیا جائے گا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہمارے لیے اسوہ اور نمونہ ہے آپ نے مختلف غزوات میں کفار کے خلاف غلبہ اور فتح کے لیے صرف اللہ کے آگے ہاتھ پھیلائے ہیں' اسی سے فتح اور نصرت کی دعائیں کی ہیں اور اسی سے بیماری میں حصول شفا کے لیے دعا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو تو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا اور فرمایا ہے کہ میں تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ تم سے قریب ہوں۔

سو جو شخص اپنی حاجات پوری کرانے کے لیے' کسی بیمار کی شفا کے لیے' دشمن پر غلبہ کے لیے یا اولاد کی طلب کے لیے اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر ان سے مدد مانگتا ہے وہ شخص سیدھے راستہ سے گمراہ ہو گیا' اس نے اللہ کی شریعت سے اعراض کیا اور اس نے زمانہ جاہلیت کے بت پرستوں کا سا کام کیا۔

(تفسیر المراغی ج ۱ ص ۳۴-۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ہمارے نزدیک علامہ مراغی کا یہ فتویٰ علی الاطلاق صحیح نہیں ہے' زمانہ جاہلیت میں کفار بتوں کو مستحق عبادت قرار دیتے تھے اور اسی عقیدہ کے ساتھ ان سے استعانت کرتے تھے' لیکن جو مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مستحق عبادت قرار نہ دیتا ہو' اور نہ اولیاء اللہ کو متصرف بالذات سمجھتا ہو' نہ ان کو تصرف میں مستقل سمجھتا ہو بلکہ یہ سمجھتا ہو کہ اولیاء اللہ' اللہ

Marfat.com

کی دی ہوئی قدرت اور اس کے اذن سے اس کائنات میں تصرف کرتے ہیں اور اسی عقیدہ کے ساتھ ان سے استعانت کرے تو اس مسلمان کا یہ فعل شرک ہے نہ زمانہ جاہلیت کے بت پرستوں کا سا کام ہے۔ تاہم ہمارے نزدیک شریعت کا اصل تقاضا یہی ہے کہ ان تمام امور میں صرف اللہ تعالیٰ سے استعانت کرنی چاہئے' اولیاء اللہ بھی اللہ کے محتاج ہیں اور ہم بھی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں' تو سلامت روی اسی میں ہے کہ ہر حاجت اللہ سے طلب کی جائے اور ہر ضرورت میں اس کے آگے دست سوال دراز کیا جائے۔

ہم نے ان پڑھ عوام اور جہلاء کو اولیاء اللہ کے مزارات پر بارہا سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے' جو منع کرنے کے باوجود باز نہیں آتے اسی طرح ان کو مزارات پر صاحب مزار کی نذر اور منت مانتے ہوئے دیکھا ہے حالانکہ سجدہ عبادت ہو یا سجدہ تعظیم' اللہ کے غیر کے لیے سجدہ کرنا جائز نہیں ہے اور نذر بھی عبادت ہے اور غیر اللہ کی نذر ماننا جائز نہیں۔

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ لَىِٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ

(یونس : ۲۳-۲۲)

وہی ہے جو تم کو خشک زمین اور سمندر میں چلاتا ہے' حتی کہ جب تم کو کشتیاں موافق ہوا کے ساتھ لے کر چلتی ہیں اور وہ اس پر خوش ہوتے ہیں' تو (اچانک) کشتیوں پر تند و تیز آندھیاں آئیں اور سمندر کی موجوں نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا اور (مسافروں نے) سمجھ لیا کہ وہ طوفان میں گھر گئے' تب سب نے اپنے دین کو خالص اللہ کے لیے کر کے دعائیں مانگیں کہ اگر تو نے ہمیں اس (طوفان) سے بچا لیا تو ہم ضرور تیرے شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے' پھر جب اللہ نے ان کو بچا لیا تو وہ ناگہاں زمین میں ناحق زیادتی کرنے لگے۔

جب انسان مصائب کے گرداب اور پریشانیوں کے طوفان میں گھر جائے تو کٹر سے کٹر مشرک بھی صرف اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے' سو مسلم اور موحد اس بات کے زیادہ لائق اور مستحق ہے کہ وہ اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں میں صرف اللہ تعالیٰ سے التجاء کرے' اسی سے مدد مانگے اور اس کے آگے ہاتھ پھیلائے۔

امام رازی سورہ یونس آیت: ۱۰ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ان کافروں نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی صورتوں کے بت بنا لیے تھے اور ان کا یہ زعم تھا کہ جب وہ ان بتوں کی عبادت کریں گے تو وہ بت اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے' اور اس زمانہ میں اس کی نظیر یہ ہے کہ بہت لوگ اولیاء اللہ کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں اور ان کا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ جب وہ ان قبروں کی تعظیم کریں گے تو وہ اللہ کے پاس ان کی شفاعت کریں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۵۵۶' مطبوعہ دارا لفکر بیروت- ۱۳۹۸ھ)

قبر کو سجدہ کرنا' قبر کا طواف کرنا اور حصول منفعت کے لیے صاحب قبر کی نذر ماننا' قبر کے سامنے جھکنا' یہ تمام امور ناجائز اور حرام ہیں۔

اولیاء اللہ سے استعانت کا صحیح طریقہ

ہونا یہ چاہئے کہ اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کی جائے کیونکہ زیارت قبور سنت ہے' ان کے مزارات پر ایصال

marfat.com
Marfat.com

ثواب کیا جائے یہ بھی احادیث سے ثابت ہے' ان کی مغفرت اور ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کی جائے' کیونکہ قرآن مجید میں وفات یافتہ مسلمانوں کے لیے دعا کرنے کی تعلیم ہے' اور ان کے وسیلہ سے اپنی حاجات کی قبولیت کی دعا کی جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت اسد کی مغفرت کے لیے اپنے اور انبیاء سابقین کے وسیلہ سے دعا فرمائی ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ ہماری حاجت روائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیں اور اس کی اصل بلیغا کی حدیث ہے جس کو انشاء اللہ ہم عنقریب تفصیل سے بیان کریں گے' اب ہم وسیلہ اور غیر اللہ سے استمداد کے موضوع پر تفصیل سے لکھ رہے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

وسیلہ کا لغوی معنی

علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:

هی فی الاصل ماینوصل به الی الشئی وینقرب به(۱)

جس چیز سے کسی شے تک رسائی حاصل کی جائے اور اس شے کا تقرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

الجوهری : الوسیلة ماینقرب به الی الغیر (۲)

امام لغت علامہ جوہری نے کہا ہے کہ جس چیز سے غیر کا تقرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔

علامہ زبیدی نے ابن اثیر اور علامہ جوہری کے حوالوں سے وسیلہ کی تعریف میں مذکور الصدر عبارات نقل کی ہیں۔ (تاج العروس ج ۸ ص ۱۵۴' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابن منظور افریقی اور علامہ زبیدی نے علامہ جوہری کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے!

جس چیز سے غیر کا تقرب کیا جائے وہ وسیلہ ہے۔ (الصحاح ج ۵ ص ۱۸۴۱' مطبوعہ دار العلم بیروت' ۱۴۰۴ھ)

ائمہ لغت کی ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ جس چیز سے غیر کا تقرب حاصل کیا جائے وہ وسیلہ ہے' اللہ تعالیٰ کا تقرب اعمال صالحہ اور عبادات سے حاصل ہوتا ہے' تاہم انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو عزت اور وجاہت حاصل ہے' اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت دعا کے لیے اس عزت اور وجاہت کو پیش کرنا اور ان سے دعا کی درخواست کرنا بھی جائز ہے' زندگی میں اور وفات کے بعد بھی۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی ذوات سے توسل کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات

امام محمد بن جزری آداب دعا میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء علیہم السلام اور صالحین کا وسیلہ پیش کرے۔

(حصن حصین مع تحفۃ الذاکرین ص ۳۴' مطبوعہ مطبع مصطفے البابی مصر' ۱۳۵۰ھ)

ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

مصنف نے کہا دعا میں انبیاء اور صالحین کا وسیلہ پیش کرنا امور مستحبہ میں سے ہے کیونکہ صحیح بخاری کی کتاب

(۱) علامہ محمد بن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ' نہایہ ج ۵ ص ۱۸۵' مطبوعہ موسسہ مطبوعاتی ایران' ۱۳۶۳ھ

(۲) سید جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ' لسان العرب ج ۱۱ ص ۷۲۵۔۷۲۴' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم ایران' ۱۴۰۵ھ

Marfat.com

الاستسقاء میں ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پہلے ہم اپنے نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے تو (اے اللہ) تو بارش نازل فرماتا تھا۔ اب ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں تو ہم پر بارش نازل فرما' پھر ان پر بارش ہو جاتی' اور جیسا کہ نابینا کی حدیث میں حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا کا ذکر ہے جس کو امام حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا اور یہ کہا کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے' اور امام ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح' غریب ہے اور ہم نے اس کو حصن میں ذکر کیا ہے اور حدیث ابو امامہ کی بناء پر جس کو ہم نے صبح کی دعاؤں میں ذکر کیا ہے' اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر اور کتاب الدعاء میں ذکر کیا ہے۔

(الحرز الثمین ص ۱۷۶' مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ' ۱۳۰۴ھ)

امام جزری نے حضرت ابوامامہ کی جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

اسئلک بنور وجھک الذی اشرقت له السموت والارض وبکل حق ھو لک وبحق السائلین علیک (۱)

اے اللہ میں تجھ سے تیری ذات کے اس نور کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں جس سے آسمان اور زمین روشن ہیں اور تیرے ہر حق کے وسیلہ سے اور جو سوال کرنے والوں کا تجھ پر حق ہے اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں۔

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سوال کرنے والوں کا اللہ پر اس لیے حق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (اپنے کرم سے) ان کی دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے' گویا کہ بندے نے اللہ تعالیٰ سے بندوں پر اس کے حق کے وسیلہ سے' اور سائلین کا اللہ پر جو حق ہے اس کے وسیلہ سے سوال کیا' اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ بندے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں' اس کی حمد و ثناء کریں' اس کے احکام پر عمل کریں' اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے رکیں' اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ اپنے وعدہ کے مطابق ان کو ثواب عطا کرے' کیونکہ اس کے وعدہ کا پورا ہونا واجب ہے' کہ اس کا وعدہ حق ہے اور اس کی خبر صادق ہے۔

(الحرز الثمین ص ۱۷۶' مطبوعہ امیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۴ھ)

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

ہم یہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے والا یہ کہتا ہے کہ میں تجھ سے فلاں کے حق اور فلاں فرشتے اور انبیاء اور صالحین وغیرہم کے حق سے سوال کرتا ہوں یا فلاں کی حرمت اور فلاں کی وجاہت کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں' اس دعا کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک ان مقربین کی وجاہت ہو' اور یہ دعا صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان مقربین کی وجاہت اور حرمت ہے' جس کا یہ تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور ان کی قدر افزائی کرے اور جب یہ شفاعت کریں تو ان کی شفاعت قبول کرے' حالانکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کون اس سے شفاعت کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۱۱' مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز۔)

غیر مقلد عالم قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

(۱) امام محمد بن محمد جزری متوفی ۸۳۳ھ' حصن حصین معہ تحفۃ الذاکرین ص ۶۸' مطبوعہ مطبع مصطفےٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۵۰ھ

marfat.com
Marfat.com

یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سائلین کے حق سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو مسترد نہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ وعدہ فرمایا ہے: "مجھ سے دعا کرو' میں تمہاری دعا کو قبول کروں گا۔"

(تحفۃ الذاکرین ۶۹' مطبوعہ مطبع مصطفے البابی و اولادہ مصر' ۱۳۵۰ھ)

نیز قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کے وسیلہ کے جواز پر وہ حدیث دلیل ہے جس کو امام ترمذی نے روایت کرکے کہا یہ حدیث حسن' صحیح اور غریب ہے' امام نسائی' امام ابن ماجہ' اور امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور امام حاکم نے اس کو روایت کرکے کہا یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے' حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری بصارت بحال کر دے' آپ نے فرمایا: یا میں رہنے دوں؟ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھ پر نابینائی بہت دشوار ہے' آپ نے فرمایا: جاؤ وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھو' پھر کہو اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں' اور محمد نبی رحمت کے وسیلہ سے میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں' الحدیث۔ حصن حصین کے باب صلوۃ الحاجۃ میں اس حدیث کا ذکر آئے گا' اور صالحین کے توسل کے جواز پر وہ حدیث دلیل ہے جو صحیح (بخاری) میں ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے عم محترم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کے لیے دعا کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ! ہم تیرے نبی کے عم محترم کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں۔ (تحفۃ الذاکرین ص ۳۷' مطبوعہ مطبع مصطفے البابی و اولادہ مصر' ۱۳۵۰ھ)

حضرت آدم علیہ السلام کا رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنا

نبی ﷺ کی ولادت سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگی جس کو خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب حضرت آدم سے (اجتہادی) خطاء ہو گئی تو انہوں نے کہا: اے رب میں تجھ سے بہ حق (سیدنا) محمد (ﷺ) سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے' اللہ عزوجل نے فرمایا: اے آدم! تم نے محمد (ﷺ) کو کیسے جانا حالانکہ میں نے ابھی ان کو پیدا نہیں کیا' حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کیونکہ اے رب! جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور تو نے مجھ میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے پایوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا' سو میں نے جان لیا کہ تو نے جس کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے وہ تجھ کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہو گا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے آدم تم نے سچ کہا وہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور کیونکہ تم نے ان کے وسیلہ سے سوال کیا ہے اس لیے میں نے تم کو بخش دیا اور اگر محمد (ﷺ) کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ (دلائل النبوۃ ج ۵ ص ۴۸۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث کی سند میں عبد الرحمن بن زید بن اسلم ایک ضعیف راوی ہے لیکن فضائل میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے۔

امام طبرانی نے بھی اس حدیث کو اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر سے روایت کیا ہے (معجم صغیر ج ۲ ص ۸۳-۸۲'

Marfat.com

مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ ۱۳۸۸ھ)

امام ابن جوزی نے بھی اس حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' اور حضرت میسرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس مضمون کی حدیث کو روایت کیا ہے۔ (الوفاء ص ۳۳' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

شیخ ابن تیمیہ نے بھی ان دونوں حدیثوں کو روایت کیا ہے' لیکن انہوں نے لکھا ہے کہ ابو نعیم حافظ نے اس حدیث کو دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے' اس نسبت میں شیخ ابن تیمیہ کو خطا لاحق ہوئی' یہ حدیث حافظ ابو نعیم کی دلائل النبوۃ میں نہیں ہے بلکہ حافظ بیہقی کی دلائل النبوۃ میں ہے' ان دونوں حدیثوں کے متعلق شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

یہ دونوں حدیثیں احادیث صحیحہ کی تفسیر کے درجہ میں ہیں۔ (مجموع الفتاوی ج ۲ ص ۹۶' مطبوعہ دار الجیل ریاض' ۱۴۱۸ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو حافظ الہیثمی نے بھی ذکر کیا ہے وہ اس روایت کو درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم صغیر اور معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے ایک راوی کو میں نہیں پہچانتا۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۳' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

شیخ ناصر الدین البانی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (توسل ص ۱۰۶' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امام حاکم نیشاپوری نے بھی اس حدیث کو حضرت عمر سے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح الاسناد لکھا ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۶۱۵' مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ)

امام حاکم نیشاپوری نے ایک اور حدیث اس کے مقارب روایت کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف یہ وحی کی اے عیسیٰ' محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاؤ' اور جو تمہاری امت میں سے ان کا زمانہ پائے اس کو بھی ان پر ایمان لانے کا حکم دو۔ کیونکہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا نہ کرتا' اور اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتے تو میں جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کرتا اور میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ ہلنے لگا پھر میں نے اس پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا تو وہ ساکن ہو گیا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۲ ص ۶۱۵' مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ)

علامہ ذہبی نے ان دونوں حدیثوں کے راویوں کی صحت سے اختلاف کیا ہے' لیکن شیخ ابن تیمیہ کی تصحیح مقدم ہے۔

علامہ سیوطی نے امام حاکم' امام بیہقی' امام طبرانی' امام ابو نعیم اور امام ابن عساکر کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے۔ (خصائص کبری ج ۱ ص ۶' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

علامہ قسطلانی نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو امام حاکم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(المواہب اللدنیہ مع الزرقانی ج ۱ ص ۴۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ)

علامہ زرقانی نے اس کی شرح میں امام حاکم اور ابو الشیخ کے حوالے سے حضرت ابن عباس کی مذکور الصدر روایت بیان کی ہے اور لکھتے ہیں کہ امام حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور علامہ سبکی نے شفاء السقام میں اور علامہ بلقینی نے اپنے فتاوی میں اس تصحیح کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ اس قسم کی بات رائے سے نہیں کہی جا سکتی اس لیے یہ حدیث حکماً" مرفوع ہے' علامہ ذہبی نے کہا اس کی سند میں عمرو بن اوس ہے' پتا نہیں وہ کون ہے؟ اور امام دیلمی نے حضرت ابن عباس سے مرفوعاً" روایت کیا ہے کہ میرے پاس حضرت جبرائیل آئے اور انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر آپ نہ

marfat.com
Marfat.com

ہوتے تو میں جنت کو پیدا کرتا نہ نار کو پیدا کرتا۔ (شرح المواہب اللدنیہ ج ۱ ص ۴۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۲۵ھ)

ملا علی قاری نے بھی امام دیلمی کی اس روایت کو استشہاد کے طور پر پیش کیا ہے۔

(موضوعات کبیر ص ۵۹' مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی' ۱۳۱۵ھ)

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے حقیقت محمدی پر بحث کرتے ہوئے یہ دو حدیثیں لکھی ہیں:

اگر آپ کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا' اگر آپ کو پیدا کرنا نہ ہوتا تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا۔ (مکتوبات دفتر سوم' حصہ دوم' مکتوب نمبر ۱۲۲)

یہ حدیثیں ہرچند کہ ان الفاظ کے ساتھ کتب حدیث میں مذکور نہیں ہیں لیکن یہ معنی" ثابت ہیں' حدیث لولاک پر مقالات سعیدی میں ہمارا ایک تفصیلی مقالہ ہے۔

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ مقربین بارگاہ کے وسیلہ سے دعا کرنا ابتداء آفرینش سے مشروع اور معمول ہے اور رسول اللہ ﷺ نے مقام مدح میں اس دعا کا ذکر فرما کر اس دعا کے جواز اور استحسان کو بیان فرما دیا۔

رسول اللہ ﷺ کا خود اپنے وسیلہ سے دعا فرمانا

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں اور رسول اللہ ﷺ ان کی لحد کھودنے سے فارغ ہو گئے تو آپ ان کی لحد میں لیٹ گئے اور یہ دعا کی' اللہ ہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے' اور وہی زندہ ہے جسے موت نہیں آئے گی' اے اللہ! اپنے نبی اور مجھ سے پہلے انبیاء کے وسیلہ سے میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما' ان کو حجت القا فرما' ان کی قبر کو وسیع کر' بلاشبہ تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے پھر آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور آپ نے' حضرت عباس نے اور حضرت ابوبکر صدیق نے ان کو قبر میں اتارا' اس حدیث کو امام طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے' اس میں روح بن صلاح نام کا ایک راوی ہے' امام حبان اور امام حاکم نے اس کی توثیق کی ہے اور اس میں ضعف ہے' اور اس کے باقی راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵۷-۲۵۶' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

اس حدیث کو علامہ نور الدین سمہودی نے بھی ذکر کیا ہے (وفاء الوفاء ج ۳ ص ۸۹۹' ۸۹۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ ناصر الدین البانی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (توسل: ص ۱۰۲' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرنا نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کی بلکہ خود نبی ﷺ کی بھی سنت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا خود اپنے وسیلہ سے دعا کرنے کی ہدایت دینا

انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کے وسیلہ سے دعا کرنے کی اصل یہ حدیث ہے:

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' اس نے عرض کیا آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھیں ٹھیک کر دے' آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں اس کام کو موخر کر دوں اور یہ تمہارے لیے بہتر ہو گا اور اگر تم چاہو تو (ابھی) دعا کر دوں' اس نے کہا آپ دعا کر دیجئے' آپ نے فرمایا تم اچھی طرح

Marfat.com

وضو کرو، دو رکعت نماز پڑھو اس کے بعد یہ دعا کرو۔ "اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور محمد نبی رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کے وسیلہ سے اس حاجت میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو، اے اللہ! نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے لیے شفاعت کرنے والا بنادے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۹۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۵۱۵، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ)

اس حدیث کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ (مستدرک ج ۱ ص ۵۱۹، مطبوعہ دار الباز للنشر والتوزیع مکہ مکرمہ)

اس حدیث کو امام ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے (مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۳۰۴، مطبوعہ دار الفکر دمشق)

امام ابن ماجہ، امام ترمذی، امام احمد اور امام حاکم نے اس حدیث کو عمارہ بن خزیمہ بن ثابت کی سند سے روایت کیا ہے اور امام بیہقی نے اس حدیث کو اس سند کے علاوہ ابو امامہ بن سہل بن حنیف کی سند سے بھی روایت کیا ہے اس روایت میں یہ اضافہ ہے:

قال عثمان : فوالله ما تفرقنا ولا طال الحديث حتى دخل الرجل وكانه لم يكن به ضر قط(۱)

حضرت عثمان بن حنیف نے کہا بہ خدا ابھی ہم اس مجلس سے اٹھے نہیں تھے اور نہ ابھی سلسلہ گفتگو دراز ہوا تھا کہ وہ (نابینا) شخص اس حال میں داخل ہوا کہ اس کی آنکھ میں کوئی تکلیف نہیں تھی۔

امام ابن السنی نے بھی اس حدیث کو ابو امامہ بن سہل بن حنیف کی سند سے روایت کیا ہے جس میں مذکورہ الصدر اضافہ ہے۔ (عمل الیوم واللیلہ ص ۲۰۲، مطبوعہ مجلس الدائرۃ المعارف دکن، ۱۳۱۵ھ)

علامہ نووی نے اس حدیث کو امام ابن ماجہ اور امام ترمذی کے حوالوں سے بیان کیا اور اس میں یا محمد کے الفاظ ہیں، علامہ نووی نے لکھا ہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح لکھا ہے۔ امام نسائی نے اس حدیث کو سنن کبری (ج ۶ ص ۱۶۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ) میں روایت کیا ہے۔

امام محمد جزری نے اس حدیث کو امام ترمذی، امام حاکم اور امام نسائی کے حوالوں سے ذکر کیا اور اس میں بھی یا محمد کے الفاظ ہیں۔ (الاذکار ص ۱۶۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۷۵ھ)

قاضی شوکانی حصن حصین کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کو امام ترمذی، امام حاکم نے مستدرک میں اور نسائی نے روایت کیا ہے جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، امام طبرانی نے اس حدیث کی تمام اسانید بیان کرنے کے بعد کہا یہ حدیث صحیح ہے، امام ابن خزیمہ نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا، سو ان ائمہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، البتہ نسائی کی روایت میں یہ تفرد ہے کہ اس میں یہ ذکر بھی ہے اس نے دو رکعت نماز پڑھی، اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرنے کے جواز کی دلیل ہے، اس کے ساتھ یہ اعتقاد لازم ہے کہ حقیقتہ "دینے والا اور منع کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، جو وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور

(۱) امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۶۷، مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت

marfat.com
Marfat.com

بعد میں نہیں جاسکتا نہیں ہوتا۔ (تحفۃ الذاکرین ص ۱۳۸ ـ ۱۳۷ ' مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر' ۱۳۵۰ھ)

حضرت عثمان بن حنیف کی یہ حدیث جس کو بکثرت محدثین نے اپنی اپنی تصانیف میں صحت سند کی صراحت کے ساتھ روایت کیا ہے اس مطلوب پر قوی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنا اور آپ سے دعا کی درخواست کرنا جائز اور مستحسن ہے اور چونکہ آپ کی ہدایات قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے حجت ہیں' اس لیے آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کے وسیلہ سے دعا کرنا اور آپ سے دعا کی درخواست کرنا جائز ہے اور بالخصوص آپ کے وصال کے بعد آپ کے توسل سے دعا کے جواز پر دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک شخص کو اس کی قضاء حاجت کے لیے یہ دعا تعلیم کی' اس حدیث کو امام طبرانی اور امام بیہقی نے اپنی اپنی تصانیف میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے' جیسا کہ عنقریب ہم بیان کریں گے۔ یہاں تک جو ہم نے احادیث بیان کی ہیں ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہرہ میں آپ کے توسل پر دلیل ہے' اب ہم ایسی احادیث پیش کر رہے ہیں جن میں آپ کی وفات کے بعد آپ کے توسل پر دلیل ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک سال قحط پڑ گیا تو حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر حاضر ہوئے اور عرض کیا اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے۔

حافظ ابن ابی شیبہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مالک الدار' جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وزیر خوراک تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) لوگوں پر قحط آگیا' ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جاؤ' ان کو سلام کہو اور یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہو گی' اور ان سے کہو تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے' تم پر سوجھ بوجھ لازم ہے' پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو یہ خبر دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہا: اے اللہ! میں صرف اسی چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔

(المصنف ج ۱۲ ص ۳۲ ' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :

حافظ ابو بکر بیہقی اپنی سند کے ساتھ مالک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں (ایک بار) قحط واقع ہوا ایک شخص (حضرت بلال بن حارث مزنی) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اپنی امت کے لئے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ (قحط سے) ہلاک ہو رہے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا' عمر کے پاس جاؤ اور ان کو میری طرف سے سلام کہو' اور ان کو یہ خبر دو کہ تم پر یقیناً بارش ہو گی اور ان سے کہو کہ تم سوجھ بوجھ سے کام لو' اس شخص نے جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر دی' حضرت عمر نے کہا اے میرے رب' میں صرف اس چیز کو ترک کرتا ہوں جس سے میں عاجز ہوں۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۲ ـ ۹۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

Marfat.com

حافظ ابو عمرو ابن عبد البر(۱) اور حافظ ابن کثیر نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔
(الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۳۹۰۔ ۳۸۹ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت '۱۴۰۰ھ)

علم حدیث میں حافظ ابن کثیر کی شخصیت موافقین اور مخالفین سب کے نزدیک مسلم ہے اور حافظ ابن کثیر نے امام بیہقی کی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور اس روایت میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ نے آپ کی قبر انور پر جا کر آپ سے بارش کی دعا کے لیے درخواست کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ اور اپنا خواب بیان کیا اور حضرت عمر نے اس کو مقرر رکھا اور اس پر انکار نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی وصال کے بعد صاحب قبر سے دعا کی درخواست کرنا جائز ہے۔

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عمر کے خازن مالک الدار سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (ایک بار) قحط واقع ہوا' ایک شخص نبی ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجئے' کیونکہ وہ ہلاک ہو رہے ہیں' پھر اس شخص کو خواب میں آپ کی زیارت ہوئی اور یہ کہا گیا کہ عمر کے پاس جاؤ' الحدیث۔ سیف نے فتوح میں روایت کیا ہے کہ جس شخص نے یہ خواب دیکھا تھا وہ یکے از صحابہ حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ تھے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۶۔ ۴۹۵ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور '۱۴۰۱ھ)

اس حدیث کو حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن حجر عسقلانی دونوں نے سنداً صحیح قرار دیا ہے اور ان دونوں کی تصحیح کے بعد کسی تردد کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور نہ کسی کا انکار در خور اعتناء ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں صحابہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرنا

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے کسی کام سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے' اور نہ اس کے کام کی طرف دھیان دیتے تھے' ایک دن اس شخص کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی' اس نے حضرت عثمان بن حنیف سے اس بات کی شکایت کی' حضرت عثمان نے اس سے کہا: تم وضو خانہ جا کر وضو کرو' پھر مسجد میں جاؤ اور وہاں دو رکعت نماز پڑھو' پھر یہ کہو اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی' نبی رحمت محمد ﷺ کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں' اے محمد میں آپ کے واسطے سے آپ کے رب عز و جل کی طرف متوجہ ہوا ہوں تاکہ وہ میری حاجت روائی کرے اور اپنی حاجت کا ذکر کرنا پھر میرے پاس آنا حتی کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں وہ شخص گیا اور اس نے حضرت عثمان بن حنیف کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا پھر وہ حضرت عثمان بن عفان کے پاس گیا دربان نے ان کے لیے دروازہ کھولا اور ان کو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا' حضرت عثمان نے اس کو اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور پوچھا تمہارا کیا کام ہے؟ اس نے اپنا کام ذکر کیا' حضرت عثمان نے اس کا کام کر دیا اور فرمایا تم نے اس سے پہلے اب تک اپنے کام کا ذکر نہیں کیا تھا اور فرمایا جب بھی تمہیں کوئی کام ہو تو تم ہمارے پاس آ جانا' پھر وہ شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے چلا گیا اور جب اس کی حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے

(۱) حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ عبد البر قرطبی مالکی متوفی ۴۶۳ھ' الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۲ ص ۴۶۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت

marfat.com
Marfat.com

نے اور میرے معاملہ میں غور نہیں کرتے تھے حتی کہ آپ نے ان سے میری سفارش کی' حضرت عثمان بن حنیف نے کہا بخدا! میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کوئی بات نہیں کی' لیکن ایک مرتبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا' آپ کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور اس نے اپنی نابینائی کی آپ سے شکایت کی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس پر صبر کرو گے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے اور مجھے بڑی مشکل ہوتی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تم وضو خانے جاؤ اور وضو کرو' پھر دو رکعت نماز پڑھو' پھر ان کلمات سے دعا کرو' حضرت عثمان بن حنیف نے کہا ابھی ہم الگ نہیں ہوئے تھے اور نہ ابھی زیادہ باتیں ہوئی تھیں کہ وہ نابینا شخص آیا در آں حالیکہ اس میں بالکل نابینائی نہیں تھی۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

حافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری متوفی ۶۵۶ھ نے الترغیب والترہیب (ج ا ص ۴۷۶-۴۷۴' مطبوعہ دارالحدیث قاہرہ ۱۴۰۷ھ) میں اور حافظ الہیثمی نے مجمع الزوائد (ج ۲ ص ۲۷۹ مطبوعہ بیروت) میں اس حدیث کو بیان کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

شیخ ابن تیمیہ کے حوالے سے حضرت عثمان بن حنیف کی روایت کی تائید' توثیق اور تصحیح

امام طبرانی نے اس حدیث کو روایت کر کے کہا اس حدیث کو شعبہ نے ابو جعفر سے روایت کیا ہے اور شعبہ سے اس حدیث کو صرف عثمان بن عمر نے روایت کیا ہے اور وہ اس سے روایت کرنے میں متفرد ہے (یعنی اس کا کوئی متابع نہیں ہے اور یہ حدیث غریب ہے) اور حدیث صحیح ہے' شیخ ابن تیمیہ نے امام طبرانی پر اعتراض کیا کہ اس حدیث کو شعبہ سے روایت کرنے میں صرف عثمان بن عمر متفرد نہیں ہے بلکہ روح بن عبادہ نے بھی اس حدیث کو شعبہ سے روایت کیا ہے اور یہ اسناد صحیح ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے امام طبرانی کی یہ روایت دو صحیح سندوں سے مروی ہے' شیخ ابن تیمیہ کی اصل عبارت یہ ہے:

امام طبرانی نے کہا اس حدیث کو شعبہ نے ابو جعفر سے روایت کیا ہے اور اس کا نام عمر بن ابی یزید ہے اور وہ ثقہ ہے' عثمان بن ابی عمر' شعبہ سے اس روایت میں متفرد ہے۔ ابو عبداللہ مقدسی نے کہا اور حدیث صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام طبرانی نے اپنے مبلغ علم کے اعتبار سے عثمان بن ابی عمر کو متفرد کہا ہے' ان کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ روح بن عبادہ نے بھی شعبہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور یہ اسناد صحیح ہے اس سے معلوم ہوا کہ عثمان بن ابی عمر اس روایت میں متفرد نہیں ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ج ا ص ۱۹۵-۱۹۴' مطبوعہ دارالجیل ریاض' ۱۴۱۸ھ)

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث دو صحیح سندوں سے مروی ہے۔

طبرانی کی روایت مذکورہ کا صحاح کی دوسری روایت سے تعارض کا جواب

ایک سوال یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف کی اس روایت کو امام ترمذی' امام ابن ماجہ' امام احمد اور امام ابن سنی نے روایت کیا اور اس میں حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں وسیلہ کے ساتھ دعا کا ذکر نہیں ہے اس کے برخلاف امام طبرانی اور امام بیہقی نے حضرت عثمان بن حنیف کی اس روایت میں حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں بھی حضور سے توسل کرنے کا ذکر کیا ہے' اس کی کیا وجہ ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ایک حدیث کو بعض ائمہ اختصار کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور بعض ائمہ تفصیل کے ساتھ روایت کرتے ہیں' اعتراض کا محل یہ تھا کہ اس روایت کی سند صحیح نہ ہوتی یا ضعیف ہوتی اور جب شیخ ابن تیمیہ

Marfat.com

نے خود بیان کیا کہ طبرانی کی مفصل حدیث دو صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہے تو پھر اعتراض کی کب گنجائش ہے؟

امام بیہقی نے پہلے دو سندوں کے ساتھ اس حدیث کو اختصاراً روایت کیا (دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۱۶۷، ۱۶۶) پھر اس حدیث کو روح بن قاسم، عن ابی جعفر مدنی عن ابی امامہ بن سہل بن حنیف کی سند سے تفصیل کے ساتھ روایت کیا جیسا کہ امام طبرانی نے روایت کیا ہے اس کے بعد مزید یہ کہا کہ:

اس حدیث کو ہشام دستوائی نے از ابو جعفر از ابوامامہ بن سہل از عم خود روایت کیا ہے، ابوامامہ کے چچا حضرت عثمان بن حنیف ہیں۔ (دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۱۶۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام بیہقی کی اس مفصل روایت کا اور اس دوسری سند کا شیخ ابن تیمیہ نے بھی ذکر کیا ہے لکھتے ہیں:

امام بیہقی نے اس سند کے ساتھ اس قصہ کو روایت کیا ہے اور اس سے آپ کے وصل کے بعد آپ سے توسل پر استدلال کیا جاتا ہے، بشرطیکہ یہ روایت صحیح ہو۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۶۸، مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز آل السعود)

توسل بعد از وصال پر شیخ ابن تیمیہ کے اعتراضات اور مصنف کے جوابات

شیخ ابن تیمیہ نے یہ تو کہا ہے کہ اگر اس حدیث کی سند صحیح ہو تو اس حدیث سے وفات کے بعد وسیلہ ثابت ہے، لیکن انہوں نے اس حدیث کی سند پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور اس میں کوئی ضعف نہیں نکال سکے، علاوہ ازیں امام بیہقی کی روایت بیان کرنے کے بعد انہوں نے اسی روایت کو امام طبرانی کے حوالے سے بیان کیا اور اس کا ایک متابع بھی بیان کیا ہے اور یہ تصریح کی ہے کہ یہ دونوں سندیں صحیح ہیں، جیسا کہ ہم باحوالہ بیان کر چکے ہیں، لہٰذا جب امام طبرانی کی روایت صحیح ہے اور اس روایت کی دوسری سند بھی صحیح ہے تو شیخ ابن تیمیہ کے اپنے اقرار کے مطابق وفات کے بعد وسیلہ ثابت ہو گیا اور یہ واضح ہو گیا کہ نبی ﷺ کے وصل کے بعد آپ سے دعا کی درخواست کرنا اور آپ کو یا محمد کے صیغہ سے ندا کرنا صحابہ کرام کے نزدیک جائز تھا، جبھی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ دعا تلقین کی کہ "اے محمد! میں آپ کے وسیلہ سے آپ کے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کر دے۔"

شیخ ابن تیمیہ نے اس بحث میں جو آخری اعتراض کیا ہے وہ یہ ہے:

حافظ ابوبکر بن خیثمہ نے اپنی تاریخ میں اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا میری بینائی چلی گئی ہے، آپ اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کیجئے" آپ نے فرمایا جا کر وضو کرو اور دو رکعت نماز پڑھو پھر کہو: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد! میں اپنے رب کے حضور اپنی بصارت لوٹانے کے لیے آپ کی شفاعت طلب کرتا ہوں، اے اللہ! میرے حق میں میری شفاعت کو قبول کر اور میری بصارت لوٹانے میں میرے نبی کی شفاعت قبول فرما" اور اگر تمہیں کوئی اور کام ہو تو پھر اسی طرح کرنا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی بصارت لوٹا دی۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۷۵، مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز آل السعود۔)

اس روایت پر شیخ ابن تیمیہ نے حسب ذیل اعتراض کیے ہیں:

(۱) "اگر تمہیں کوئی اور کام ہو تو اسی طرح کرو" یہ حضرت عثمان بن حنیف کے الفاظ ہیں نبی ﷺ کے الفاظ نہیں ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

(۲) دوسرے راویوں کی روایت میں یہ الفاظ نہیں ہیں (جیسا کہ گزر چکا ہے) اور اگر بالفرض یہ الفاظ ثابت ہوں تب بھی یہ دلیل نہیں ہے' کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ دعا کے بعض الفاظ کافی ہیں' کیونکہ انہوں نے مشروع دعا کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ دعا کے بعض الفاظ کہنے کا حکم دیا ہے۔

(۳) حضرت عثمان بن حنیف نے یہ گمان کیا کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد بھی اس طرح (یعنی حضور ﷺ کے وسیلہ سے) دعا کرنا جائز ہے' حالانکہ حدیث کے الفاظ اس کے خلاف ہیں' کیونکہ نابینا صحابی نے نبی ﷺ سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ اس کے لیے دعا کریں اور اس کو یہ یقین تھا کہ آپ اس کے لیے دعا کریں گے اور آپ نے اس کو حکم دیا تھا کہ وہ دعا میں یہ کہے کہ "اے اللہ حضور ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما!" اور اس طریقہ سے یہ دعا اس وقت صحیح ہو گی جب نبی ﷺ اس کے لیے دعا کریں اور اس کی شفاعت کریں' اور جس کو آپ کی دعا کرنے اور آپ کے شفاعت کرنے کا علم نہیں ہے' اس کا اس طریقہ سے دعا کرنا صحیح نہیں ہے' اس طریقہ سے دعا کرنا اور شفاعت طلب کرنا آپ کی حیات دنیاوی میں ہی درست تھا اور یا قیامت کے دن درست ہو گا جب آپ شفاعت فرمائیں گے۔

(فتاوی ابن تیمیہ ج ۱ ص ۲۷۶-۲۷۷' مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز آل السعود)

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ رسول اللہ ﷺ کے نہ ہوں بلکہ حضرت عثمان بن حنیف ہی کے ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ کسی چیز کے جائز یا ناجائز ہونے میں شیخ ابن تیمیہ کی بہ نسبت صحابی رسول کی فہم اور ان کے اجتہاد پر اعتماد کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابن ابی خیثمہ کی اس روایت سے ہمارا استدلال نہیں ہے اگر اس پر شیخ کو اعتراض ہے تو اس روایت کو ہم چھوڑ دیتے ہیں' ہمارا استدلال تو امام طبرانی کی روایت سے ہے جس کے متعلق خود شیخ ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ یہ دو صحیح سندوں سے مروی ہے۔

تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ سے دعا کی درخواست کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس درخواست کی طرف متوجہ کر دیتا ہے یا اس درخواست پر مطلع کر دیتا ہے پھر رسول اللہ ﷺ ہماری دعا کی قبولیت کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کرتے ہیں اور اس میں کون سا شرعی یا عقلی استبعاد ہے؟

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت کے اچھے اور برے تمام اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کے پیش نظر جب آپ کا کوئی امتی آپ سے دعا کی درخواست کرے گا تو آپ کو اس کا علم ہو جائے گا اور آپ اس کی شفاعت فرمائیں گے' کیونکہ آپ نے خود اپنے وسیلہ سے دعا کرنے اور دعا کی درخواست کرنے کی ہدایت دی ہے اور اس ہدایت کو عام رکھا ہے اور اس میں حیات یا بعد از وفات کی قید نہیں لگائی اس لیے شیخ ابن تیمیہ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ "اور اس طریقہ سے دعا اس وقت صحیح ہو گی جب نبی ﷺ اس کے لیے دعا کریں اور اس کی شفاعت کریں اور جس کو آپ کے دعا کرنے اور آپ کے شفاعت کرنے کا علم نہیں ہے اس کا اس طریقہ سے دعا کرنا صحیح نہیں ہے۔" کیونکہ حیات اور ممات میں وسیلہ کے جواز اور عدم جواز کا فرق علم کے ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے ہو سکتا تھا اور آپ کو ہر دو

marfat.com
Marfat.com

صورت میں علم حاصل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکام مسلمانوں کے لیے قیامت تک کے لیے حجت ہیں اور آپ کے افعال مسلمانوں کے لیے اسوہ اور نمونہ ہیں' اگر آپ کا کوئی حکم صرف آپ کی حیات مبارکہ کے ساتھ مخصوص ہو اور بعد کے لوگوں کے لیے اس کا کرنا ناجائز ہو تو آپ پر لازم ہے کہ آپ یہ بیان فرمائیں کہ یہ حکم میری زندگی کے ساتھ خاص ہے اور بعد کے لوگوں کے لیے اس حکم پر عمل کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبردہ بن نیار کو ایک شش ماہہ بکرے کی قربانی کرنے کا حکم دیا اور فرمادیا تمہارے بعد کسی کے لیے یہ عمل جائز نہیں ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبردہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کرلی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بدلہ میں اور قربانی کرو' انہوں نے کہا میرے پاس صرف چھ ماہ کا ایک بکرا ہے جو سال کے بکرے سے فربہ ہے آپ نے فرمایا' اس کے بدلہ میں اس کی قربانی کردو' اور تمہارے بعد کسی اور کے لیے شش ماہہ بکرے کی قربانی جائز نہیں ہو گی۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ استثناء اس لیے بیان فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال اور افعال مسلمانوں کے حق میں قیامت تک کے لیے حجت ہیں اگر آپ یہ استثناء نہ فرماتے تو چھ ماہ کے بکرے کی قربانی سب کے لیے قیامت تک جائز ہو جاتی' شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں وفات کے بعد کسی بزرگ سے دعا کی درخواست کرنا شرک کی طرف لے جاتا ہے:

ہر چند کہ انبیاء اور صالحین اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ وہ زندوں کے لیے دعا کرتے ہیں اور بے شک اس کی تائید میں احادیث بھی ہیں' پھر بھی کسی شخص کے لیے ان سے دعا کو طلب کرنا جائز نہیں ہے اور پہلے لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کیا کیونکہ یہ شرک کا سبب ہے' اور اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کا ذریعہ ہے' اس کے برخلاف اگر ان کی زندگی میں ان سے دعا طلب کی جائے تو یہ شرک نہیں ہے۔

(فتاوی ابن تیمیہ ج ۱ ص ۳۳۰' مطبوعہ بامر فہد بن عبدالعزیز)

شیخ ابن تیمیہ کا یہ قاعدہ باطل ہے کیونکہ وفات کے بعد کسی سے دعا کی درخواست کرنا شرک کا سبب ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نابینا صحابی سے فرمادیتے کہ اس طریقہ سے دعا کرنا صرف میری زندگی میں جائز ہے اور میرے وصال کے بعد اس طریقہ سے دعا کرنا جائز نہیں ہے' بلکہ شرک کا سبب ہے' کیونکہ آپ کی بعثت کا مقصد ہی شرک کی بیخ کنی کرنا تھا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی استثناء کے نابینا صحابی کو دعا کا یہ طریقہ تعلیم کیا تو معلوم ہوا کہ قیامت تک اس طریقہ سے دعا کرنا جائز ہے' اور صحابی رسول حضرت عثمان بن حنیف نے اس حدیث سے یہی سمجھا تھا اسی وجہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ایک شخص کو دعا کا یہ طریقہ بتلایا اور ہمارے لیے صحابی رسول کے طریقہ کی اتباع کرنا' شیخ ابن تیمیہ کے افکار کی اتباع کرنے سے بہتر ہے۔

توسل بعد از وصال کے متعلق شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا نظریہ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

کاش میری عقل ان لوگوں کے پاس ہوتی' جو لوگ اولیاء اللہ سے استمداد اور ان کی امداد کا انکار کرتے ہیں' یہ اس کا کیا مطلب سمجھتے ہیں؟ جو کچھ ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ دعا کرنے والا' اللہ کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اس

Marfat.com

ہے اپنی حاجت کو طلب کرتا ہے اور یہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ! تو نے اپنے اس بندہ مکرم پر جو رحمت فرمائی ہے اور اس پر جو لطف و کرم کیا ہے اس کے وسیلہ سے میری اس حاجت کو پورا فرما کہ تو دینے والا کریم ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اس اللہ کے ولی کو ندا کرتا ہے اور اس کو مخاطب کرکے یہ کہتا ہے کہ اے بندہ خدا اور اے اللہ کے ولی! میری شفاعت کریں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ وہ میرا سوال اور مطلوب مجھے عطا کرے اور میری حاجت برلائے' سو مطلوب کو دینے والا اور حاجت کو پورا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے' اور یہ بندہ درمیان میں صرف وسیلہ ہے' اور قادر' فاعل اور اشیاء میں تصرف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے' اور اولیاء اللہ' اللہ تعالیٰ کے فعل' سطوت' قدرت اور غلبہ میں فانی اور ہالک ہیں اور ان کو اب قبر میں افعال پر قدرت اور تصرف حاصل ہے اور نہ اس وقت قدرت اور تصرف حاصل تھا' جب وہ زندہ تھے۔

اور استدلال و استمداد کا جو معنی میں نے ذکر کیا ہے اگر موجب شرک اور غیر اللہ کی طرف توجہ کو مستلزم ہوتا جیسا کہ منکر کا زعم فاسد ہے تو چاہیے یہ تھا کہ صالحین سے طلب دعاء اور توسل زندگی میں بھی ناجائز ہوتا حالانکہ یہ بجائے ممنوع ہونے کے بالاتفاق جائز اور مستحسن و مستحب ہے' اور اگر منکر یہ کہیں کہ موت کے بعد اولیاء اللہ اپنے مرتبہ سے معزول ہو جاتے ہیں اور زندگی میں جو فضیلت و کرامت انہیں حاصل تھی وہ باقی نہیں رہی تو اس پر کیا دلیل ہے؟

اور اگر یوں کہیں کہ بعد موت کے وہ ایسی آفات و بلیات میں مبتلا ہوئے کہ انہیں دعا وغیرہ کی فرصت نہ رہی تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اور نہ اس پر دلیل ہے کہ اولیاء کے لیے ابتلا قیامت تک رہتا ہے زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر اہل قبر سے استمداد سودمند نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اولیاء جذب و استغراق کی کیفیت میں ہوں اور عالم لاہوت کے مشاہدہ میں اس طرح منہمک ہوں کہ اس دنیا کے حالات کی طرف توجہ اور شعور نہ رہے تو وہ اس دنیا میں تصرف نہ کریں جیسا کہ دنیا میں بھی اولیاء اللہ کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ ہاں اگر اولیاء اللہ کے حق میں زائرین کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ مدد کرنے میں مستقل ہیں اور اللہ کی جانب میں توجہ کئے بغیر بطور خود ذاتی قدرت سے امداد کرتے ہیں' جیسے بعض جہلاء کا عقیدہ ہے کہ وہ قبر کو بوسہ دیتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اور اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں یہ تمام افعال ممنوع اور حرام ہیں اور ہواتف عوام کے افعال کا کوئی اعتبار نہیں' اور وہ خارج از بحث ہیں۔ اور عارف بشریعت و عالم بہ احکام دین ان تمام منکرات سے سخت بیزار ہیں اور مشائخ اور اہل کشف سے ارواح کاملہ سے استفادہ کے بارے میں جو کچھ مروی ہے وہ حصر سے خارج ہے اور ان کی کتابوں میں مشہور اور مذکور ہے' حاجت نہیں کہ ہم اس کا ذکر کریں اور ممکن ہے کہ وہ منکر متعصب کو فائدہ نہ دے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس بدعقیدگی سے محفوظ رکھے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۴۰۲-۴۰۱ مطبوعہ مطبع نیج کمار لکھنؤ)

توسل بعد از وصال کے متعلق علامہ آلوسی کا نظریہ

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

نبی ﷺ کی زندگی میں اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی عزت اور وجاہت کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کرنے میں میرے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے' اور آپ کی وجاہت سے یہاں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت مراد ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی آپ سے وہ کامل محبت جس کا یہ تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کو مسترد نہ کرے اور آپ کی شفاعت کو قبول فرمائے' اور جب کوئی شخص دعا میں کہتا ہے: اے اللہ! میں تیرے نبی ﷺ کی وجاہت کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ تو میری حاجت کو پورا

marfat.com
Marfat.com

فرمایا۔ "تو اس دعا کا یہ معنی ہے!" "اے اللہ! میں اپنی اس حاجت کے پورا ہونے میں تیری محبت کو وسیلہ بناتا ہوں اور اس دعا میں اور تمہارے اس قول میں کوئی فرق نہیں ہے کہ "اے اللہ میں تیری رحمت کو وسیلہ بناتا ہوں کہ تو میرا یہ کام کر دے۔" بلکہ میں یہ کہنا بھی جائز سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ "اے اللہ! میں تجھ کو نبی ﷺ کی وجاہت کی قسم دیتا ہوں کہ تو یہ کام کر دے۔" وجاہت اور حرمت کے ساتھ سوال کرنے میں ایک جیسی بحث ہے' توسل اور ذات محض کی قسم دینے میں یہ بحث جاری نہیں ہو گی' ہاں وجاہت اور حرمت کے وسیلہ سے دعا کرنا کسی صحابی سے منقول نہیں ہے اور شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ صحابہ وسیلہ کے ساتھ دعا کرنے سے اس لیے اجتناب کرتے تھے کہ لوگوں کے ذہنوں میں کوئی بدعقیدگی جگہ نہ پکڑے' کیونکہ ان کا زمانہ بتوں کے ساتھ توسل کرنے کے قریب تھا' اس کے بعد ائمہ طاہرین نے بھی صحابہ کی اقتداء میں وسیلہ کے ساتھ دعا نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ کعبہ کی اس وقت کی عمارت کو منہدم کر کے بناء ابراہیم پر اس کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہتے تھے' لیکن چونکہ آپ کی قوم تازہ تازہ کفر سے نکلی تھی' اس لیے آپ نے فتنہ پیدا ہونے کے خدشہ سے اپنے ارادہ کو ترک کر دیا جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے' میں نے وجاہت سے توسل اور قسم دینے کا جواز اور اس کی توجیہ اس لیے بیان کی' تاکہ عام مسلمانوں کو اس دعا میں حرج نہ ہو' کیونکہ بعض لوگ نبی ﷺ کی وجاہت کے وسیلہ سے دعا کرنے پر گمراہی کا حکم لگانے کا دعویٰ کرتے ہیں' اس تقریر سے میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ اس طرح وسیلہ سے دعا کرنا ان دعاؤں سے افضل ہے' جو قرآن مجید اور احادیث میں مذکور ہیں اور جن دعاؤں پر صحابہ کرام کاربند رہے اور اخیار تابعین نے جس طریقہ کو اپنایا یقیناً" دعا کا یہی طریقہ زیادہ اچھا' زیادہ جامع زیادہ نفع آور اور زیادہ سلامتی والا ہے۔

(روح المعانی ج ۶ ص ۱۲۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

توسل بعد از وصال کے متعلق غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان کا نظریہ

شیخ وحید الزمان لکھتے ہیں:

جب دعا میں غیر اللہ کے وسیلہ کا جواز ثابت ہے تو اس کو زندوں کے ساتھ خاص کرنے پر کیا دلیل ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حضرت عباس کے وسیلہ سے دعا کی تھی' وہ نبی ﷺ کے وسیلہ سے ممانعت پر دلیل نہیں ہے' انہوں نے حضرت عباس کے وسیلہ سے اس لیے دعا کی تاکہ حضرت عباس کو لوگوں کے ساتھ دعا میں شریک کریں' اور انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں' اسی طرح شہداء اور صالحین بھی زندہ ہیں' ابن عطاء نے ہمارے شیخ ابن تیمیہ کے خلاف دعویٰ کیا پھر اس کے سوا اور کچھ ثابت نہیں کیا کہ بطور عبادت نبی ﷺ سے استعانت کرنا جائز نہیں ہے' ہاں نبی ﷺ کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے' رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عثمان بن حنیف نے اس شخص کو آپ کے وسیلہ سے دعا تعلیم کی جو حضرت عثمان کے پاس جاتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی طرف التفات نہیں کرتے تھے۔ اس دعا میں یہ الفاظ تھے: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور ہمارے نبی محمد نبی رحمت کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اس حدیث کو امام بیہقی نے سند متصل کے ساتھ ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے' کاش میری عقل ان منکرین کے پاس ہوتی! جب کتاب اور سنت کی تصریح سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرنا جائز ہے تو صالحین کے وسیلہ کو بھی اس پر قیاس کیا جائے گا اور امام جزری نے حصن حصین کے آداب دعا میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء اور صالحین کا وسیلہ پیش کرنا چاہئے' اور ایک اور حدیث میں ہے: یا محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں'

marfat.com
Marfat.com

سید نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے موضوع نہیں ہے' امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے' ایک حدیث میں ہے میں تیرے نبی محمد اور موسیٰ کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں' اس کو علامہ ابن اثیر نے نہایہ میں اور علامہ طاہر پٹنی نے مجمع بحار الانوار میں ذکر کیا ہے' اور امام حاکم' امام طبرانی اور امام بیہقی نے ایک حدیث میں حضرت آدم کی اس دعا کو روایت کیا ہے: "اے اللہ میں تجھ سے بحق محمد سوال کرتا ہوں۔" اور ابن منذر نے روایت کیا ہے اے اللہ تیرے نزدیک محمد (ﷺ) کی جو وجاہت اور عزت ہے میں اس کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں' علامہ سبکی نے کہا ہے کہ وسیلہ پیش کرنا' مدد طلب کرنا اور شفاعت طلب کرنا مستحسن ہے' علامہ قسطلانی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی ﷺ کے وسیلہ سے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر آہ و زاری کرنے کا متقدمین اور متاخرین میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تھا حتی کہ ابن تیمیہ آیا اور اس نے انکار کیا' قاضی شوکانی نے کہا کہ انبیاء میں سے کسی نبی' اولیاء میں سے کسی ولی اور علماء میں سے کسی عالم کا بھی وسیلہ پیش کرنا جائز ہے جو شخص قبر پر جا کر زیارت کرے یا فقط اللہ سے دعا کرے اور اس میت کے وسیلہ سے دعا کرے کہ اے اللہ میں تجھ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے فلاں بیماری سے شفاء دے اور میں اس نیک بندے کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں تو اس دعا کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے۔ قاضی شوکانی کا کلام ختم ہوا۔ (ہدیۃ المہدی ص ۴۹-۴۷' مطبوعہ میور پریس دہلی' ۱۳۲۵ھ)

توسل بعد از وصال کے متعلق غیر مقلد عالم قاضی شوکانی کا نظریہ

غیر مقلد عالم شیخ مبارکپوری "الدر النضید" سے قاضی شوکانی کی عبارت نقل کرتے ہیں:

انبیاء اور صالحین کے توسل سے منع کرنے والے قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں: "ہم ان کی صرف اس لیے عبادت کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔ (زمر: ۳) "اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت نہ کرو۔ (جن: ۱۸) اسی کو (معبود سمجھ کر) پکارنا برحق ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو (معبود سمجھ کر) پکارتے ہیں جو ان کو کوئی جواب نہیں دے سکتے۔" (رعد: ۱۴) ان آیات سے استدلال صحیح نہیں ہے' کیونکہ سورہ زمر کی آیت نمبر ۳ میں یہ تصریح ہے کہ مشرکین بتوں کی عبادت کرتے تھے اور جو شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے وہ اس کی عبادت نہیں کرتا بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس عالم کے علم کی وجہ سے اس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک فضیلت اور وجاہت ہے وہ اس وجہ سے اس کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے' اسی طرح سورہ جن کی آیت نمبر ۱۸ میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کر کے پکارنے (یا عبادت کرنے) سے منع کیا ہے' مثلاً کوئی شخص کہے میں اللہ اور فلاں کی عبادت کرتا ہوں' اور جو شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے وہ صرف اللہ سے دعا کرتا ہے اور اللہ کے بعض نیک بندوں کے اعمال صالحہ کا وسیلہ پیش کرتا ہے' جیسا کہ ایک غار میں تین شخص تھے اور اس غار کے منہ پر ایک چٹان گر گئی' تو انہوں نے اپنے اعمال صالحہ کے وسیلہ سے دعا کی' اسی طرح سورۂ رعد کی آیت نمبر ۱۴ میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو ان لوگوں کو (معبود سمجھ کر) پکارتے تھے جو ان کو کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے اور اپنے رب کو نہیں پکارتے تھے جو ان کی دعا قبول کرتا ہے اور جو شخص مثلاً کسی عالم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے' وہ صرف اللہ سے دعا کرتا ہے اور کسی اور سے دعا نہیں کرتا' اللہ کے بغیر نہ اللہ کے ساتھ۔

(تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۲۸۳' مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین سے براہ راست استمداد کے متعلق احادیث

انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین سے براہ راست مدد طلب کرنے کی اصل یہ حدیث ہے:

marfat.com
Marfat.com

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "کراما" کاتبین کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کیے ہیں جو درختوں سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں جب تم میں سے کسی شخص کو سفر میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ یہ ندا کرے۔ "اے اللہ کے بندو تم پر اللہ رحم فرمائے میری مدد کرو۔" (المصنف ج ۱۰ ص ۳۰۰، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ)

حافظ ابوبکر دینوری معروف بابن السنی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک شخص کی سواری ویران زمین میں بھاگ جائے تو وہ یہ ندا کرے: اے اللہ کے نیک بندو! اس کو روک لو، اے اللہ کے نیک بندو اس کو روک لو، کیونکہ زمین میں اللہ عزوجل کے کچھ روکنے والے ہیں جو اس کو روک لیتے ہیں۔

(عمل الیوم واللیلہ ص ۱۴۲، مطبوعہ مطبع مجلس الدائرۃ المعارف حیدر آباد، دکن ۱۳۶۵ھ)

امام بزار اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کراما" کاتبین کے سوا، اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں، جب تم میں سے کسی شخص کو جنگل کی سرزمین میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ یہ ندا کرے: اے اللہ کے نیک بندو! میری مدد کرو۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۴ ص ۳۴، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کسی چیز کو گم کردے درآں حالیکہ وہ کسی اجنبی جگہ پر ہو تو اس کو یہ کہنا چاہئے کہ "اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔" کیونکہ اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے۔ یہ امر مجرب ہے، اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا اور اس کے بعض راویوں کے ضعف کے باوجود ان کی توثیق کی گئی ہے، البتہ یزید بن علی نے حضرت عتبہ کو نہیں پایا۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲، مطبوعہ دار الکتب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کراما" کاتبین کے سوا اللہ کے فرشتے ہیں جو درخت سے گرنے والے پتوں کو لکھ لیتے ہیں جب کسی ویران زمین پر کسی کو مشکل پیش آئے تو وہ یہ ندا کرے۔ "اے اللہ کے نیک بندو میری مدد کرو۔" (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲، دار الکتب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی ایک کی سواری کسی ویران زمین میں بھاگ جائے تو وہ یہ ندا کرے: "اے اللہ کے نیک بندو روک لو، اے اللہ کے نیک بندو روک لو، اے اللہ کے نیک بندو روک لو۔" کیونکہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے روکنے والے ہیں جو اس کو عنقریب روک لیں گے، اس کو امام ابو یعلی اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور طبرانی کی روایت میں یہ اضافہ ہے وہ اس کو تمہارے لیے روک لیں گے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲، دار الکتب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ)

رجال غیب (ابدال) سے استمداد کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

Marfat.com

علامہ نووی امام ابن السنی کی کتاب سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

مجھ سے میرے بعض اساتذہ نے بیان کیا جو بہت بڑے عالم تھے کہ ایک مرتبہ ریگستان میں ان کی سواری بھاگ گئی' ان کو اس حدیث کا علم تھا' انہوں نے یہ کلمات کہے (اے اللہ کے بندو روک لو) اللہ تعالیٰ نے اس سواری کو اسی وقت روک دیا۔ (علامہ نووی فرماتے ہیں:) ایک مرتبہ میں ایک جماعت کے ساتھ سفر میں تھا' اس جماعت کی ایک سواری بھاگ گئی' وہ اس کو روکنے سے عاجز آ گئے' میں نے یہ کلمات کہے تو بغیر کسی اور سبب کے صرف ان کلمات کی وجہ سے وہ سواری اسی وقت رک گئی۔ (کتاب الاذکار ص ۲۰۱' مطبوعہ دارالفکر بیروت' طبع رابع' ۱۴۱۴ھ)

ملا علی قاری نے بھی علامہ نووی کی عبارت کو نقل کیا ہے۔

(الحرز الثمین شرح حصن حصین علی ہامش الدر الغالی ص ۳۷۸' مطبوعہ المطبعۃ المیریہ مکہ مکرمہ' ۱۳۰۴ھ)

شیخ شوکانی نے بھی علامہ نووی کی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔

(تحفۃ الذاکرین بعدۃ الحصن الحصین ص ۱۵۵' مطبوعہ مطبع مصطفے البابی و اولادہ مصر' ۱۳۵۰ھ)

ملا علی قاری' یا عباداللہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

"اے اللہ کے بندو!" اس سے مراد فرشتے ہیں یا مسلمان جن یا اس سے مردان غیب مراد ہیں جن کو ابدال کہتے ہیں۔ (یعنی اولیاء اللہ!) (الحرز الثمین علی ہامش الدر الغالی ص ۳۷۸' مطبوعہ المطبعۃ المیریہ مکہ مکرمہ' ۱۳۰۴ھ)

شیخ محمد بن جزری نے حصن حصین میں اس حدیث کو طبرانی' ابو یعلیٰ' ابن السنی' بزار اور ابن ابی شیبہ کے حوالوں سے درج کیا ہے' ان تمام روایات کو درج کرنے کے بعد ملا علی قاری لکھتے ہیں:

بعض ثقہ علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور مسافروں کو اس کی ضرورت پڑتی ہے اور مشائخ سے مروی ہے کہ یہ امر مجرب ہے۔ (الحرز الثمین علی ہامش الدر الغالی ص ۳۷۹' مطبوعہ المطبعۃ المیریہ مکہ مکرمہ' ۱۳۰۴ھ)

شیخ شوکانی' حضرت ابن عباس کی روایت میں لکھتے ہیں:

مجمع الزوائد میں ہے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں' اس حدیث میں ان لوگوں سے مدد حاصل کرنے پر دلیل ہے جو نظر نہ آتے ہوں' جیسے فرشتے اور صالح جن' اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے' جیسا کہ جب سواری کھسک جائے یا بھاگ جائے تو انسانوں سے مدد حاصل کرنا جائز ہے۔ (تحفۃ الذاکرین ص ۱۵۶-۱۵۵ مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر ۱۳۵۰ھ)

امام ابن اثیر اور حافظ ابن کثیر کے حوالوں سے عہد صحابہ میں ندائے یا محمداہ کا رواج

عہد صحابہ اور تابعین میں مسلمانوں کا یہ شعار تھا کہ وہ شدائد اور ابتلاء کے وقت "یا محمداہ" کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرتے تھے۔

جنگ یمامہ میں جب مسیلمہ کذاب اور مسلمانوں کے درمیان گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی' اس کا نقشہ کھینچنے کے بعد علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

پھر حضرت خالد بن ولید نے (دشمن کو) للکارا اور للکارنے والوں کو دعوت (قتال) دی پھر مسلمانوں کے معمول کے مطابق یا محمداہ کہہ کر نعرہ لگایا' پھر وہ جس شخص کو بھی للکارتے اس کو قتل کر دیتے تھے۔

(الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۳۳۶' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)

Marfat.com

حافظ ابن کثیر بھی جنگ کے اس منظر کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

پھر حضرت خالد نے مسلمانوں کے معمول کے مطابق نعرہ لگایا اور اس زمانہ میں ان کا معمول یا محمداہ کا نعرہ لگانا تھا۔

(البدایہ والنہایہ ج ٦ ص ٣٢٤، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن اثیر اور ابن کثیر نے یہ تصریح کی ہے کہ عہد صحابہ اور تابعین میں شدائد اور ابتلاء کے وقت یا محمداہ کہنے کا معمول تھا، ندائے غائب کے منکرین کے ہاں حافظ ابن کثیر کی بہت پذیرائی ہے اور ان کا یہ لکھنا عہد صحابہ و تابعین میں یا محمداہ کہنے کا معمول تھا ان کے خلاف قوی حجت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے مطالب عالیہ میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر عیسیٰ میری قبر پر کھڑے ہو کر "یا محمد" کہیں تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔ (المطالب العالیہ ج ٤ ص ٣٤٩، مطبوعہ مکہ مکرمہ)

ندائے یا محمد اور توسل میں علماء دیوبند کا موقف

شیخ رشید احمد گنگوہی "یا رسول اللہ انظر حالنا" یا نبی اللہ اسمع قالنا کے جواز یا عدم جواز کی بحث میں لکھتے ہیں:

یہ خود معلوم آپ کو ہے کہ ندا غیر اللہ تعالیٰ کو دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل عقیدہ کرے ورنہ شرک نہیں، مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرما دیوے گا یا باذنہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جاوے گا یا باذنہ تعالیٰ ملائکہ پہنچا دیویں گے جیسا کہ درود کی نسبت وارد ہے، یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں یا عرض حال محل تحسر و حرمان میں ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطابیہ بولتے ہیں لیکن ہرگز نہ مقصود اسماع ہوتا ہے نہ عقیدہ، پس ان ہی اقسام سے کلمات مناجات و اشعار بزرگان کے ہوتے ہیں کہ فی حد ذاتہ نہ شرک ہیں نہ معصیت مگر ہاں بوجہ موہم ہونے کے ان کلمات کا مجامع میں کہنا مکروہ ہے کہ عوام کو ضرر ہے اور فی حد ذاتہ ابہام بھی ہے لہٰذا نہ ایسے اشعار کا پڑھنا منع ہے اور نہ اس کے مولف پر طعن ہو سکتا ہے۔ (الی قولہ) مگر ایسی طرح پڑھنا اور پڑھوانا کہ اندیشہ عوام کا ہو بندہ پسند نہیں کرتا گو اس کو معصیت بھی نہیں کہہ سکتا مگر خلاف مصلحت وقت کے جانتا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ٢٨، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

گویا یا محمد یا رسول اللہ کے نعروں سے علماء دیوبند کا منع کرنا ذاتی ناپسندیدگی کی وجہ سے ہے کوئی حکم شرعی نہیں ہے۔

شیخ گنگوہی سے سوال کیا گیا:

سوال: اشعار اس مضمون کے پڑھنے: "یا رسول کبریا فریاد ہے، یا محمد مصطفےٰ فریاد ہے۔ مدد کر بہر خدا حضرت محمد مصطفےٰ، میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے۔" کیسے ہیں؟

جواب: ایسے الفاظ پڑھنے محبت میں اور خلوت میں بایں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو مطلع فرما دیوے یا محض محبت سے بلا کسی خیال سے جائز ہیں اور بعقیدہ عالم الغیب اور فریاد رس ہونے کے شرک ہیں اور مجامع میں منع ہیں کہ عوام کے عقائد کو فاسد کرتے ہیں لہٰذا مکروہ ہوں گے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ٩٥، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

عام مسلمان رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب نہیں سمجھتے، عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی صفت عطا فرمائی ہے جس سے آپ پر حقائق غیبیہ منکشف ہو جاتے ہیں جس طرح ہم کو ایسی صفت عطا فرمائی ہے جس سے ہم پر عالم شہادت کے واقعات منکشف ہو جاتے ہیں، نہ ہم بذاتہ شہادت (عالم ظاہر) کے عالم ہیں نہ

marfat.com
Marfat.com

رسول اللہ ﷺ بذاتہ غیب کے عالم ہیں۔ ہم پر اللہ تعالیٰ نے عالم شہادت منکشف کیا اور رسول اللہ ﷺ پر اللہ عزوجل نے عالم غیب بھی منکشف کیا۔ یہی عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور شیخ گنگوہی کی تصریح کے مطابق یہ شرک اور معصیت نہیں ہے بلکہ جائز ہے' علماء اہل سنت اپنی تقاریر اور تصانیف میں عوام کو یہ فرق ہمیشہ سے ہر دور میں بتاتے رہے ہیں اور عام مسلمان اس فرق کو جانتے ہیں اس لیے عوام کے جلسوں میں بھی اس قسم کے اشعار پڑھنا جائز ہیں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک مانتا ہے اور اس کی عبادت بجالاتا ہے اس کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو مستقل سامع یا مستقل عالم گردانتا ہے! البتہ ذاتی ناپسندیدگی کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

شیخ رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

اور اولیاء کی نسبت بھی یہ عقیدہ ایمان ہے کہ حق تعالیٰ جس وقت چاہے ان کو علم و تصرف دیوے اور عین حالت تصرف میں حق تعالیٰ ہی متصرف ہے' اولیاء ظاہر میں متصرف ہی معلوم ہوتے ہیں' عین حالت کرامت و تصرف میں حق تعالیٰ ہی ان کے واسطے سے کچھ کرتا ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۴۹' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

شیخ محمود الحسن ایاک نستعین کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے' ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے۔ (حاشیۃ القرآن الحکیم ص ۲' مطبوعہ تاج کمپنی کراچی)

مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

اور حقیقی طور پر اللہ کے سوا کسی کو حاجت روانہ سمجھے' اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے' کسی نبی یا ولی وغیرہ کو وسیلہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا اس کے منافی نہیں۔

(معارف القرآن' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۹۷ھ)

شیخ رشید احمد گنگوہی اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: دعا میں بحق رسول و ولی اللہ کہنا ثابت ہے یا نہیں' بعض فقہاء و محدثین منع کرتے ہیں اس کا کیا سبب ہے؟

جواب: بحق فلاں کہنا درست ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو تو نے اپنے احسان سے وعدہ فرمالیا ہے اس کے ذریعہ سے مانگتا ہوں مگر معتزلہ اور شیعہ کے نزدیک حق تعالیٰ پر حق لازم ہے اور وہ بحق فلاں کے یہی معنی مراد رکھتے ہیں' سو اس واسطے معنی موہم اور مشابہ معتزلہ ہو گئے تھے لہٰذا فقہاء نے اس لفظ کا بولنا منع کر دیا ہے تو بہتر ہے کہ ایسا لفظ نہ کہے جو رافضیوں کے ساتھ تشبہ ہو جاوے فقط۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۹۳' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

شیخ محمد سرفراز خاں صفدر لکھتے ہیں:

یہاں ہم صرف المہند کی عبارت پر اکتفاء کرتے ہیں جو علماء دیوبند کے نزدیک ایک اجماعی کتاب کی حیثیت رکھتی ہے جواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء و اولیاء و صدیقین کا توسل جائز ہے' ان کی حیات میں یا بعد وفات کے بایں طور کہے کہ یا اللہ میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت برائی چاہتا ہوں' اسی جیسے اور کلمات کہے چنانچہ اس کی تصریح فرمائی ہے' ہمارے شیخ مولانا محمد اسحاق دہلوی ثم المکی نے پھر مولانا رشید احمد گنگوہی

Marfat.com

نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس کو بیان فرمایا ہے جو چھپا ہوا آج کل لوگوں کے ہاتھ میں موجود ہے اور یہ مسئلہ اس کی پہلی جلد کے صفحہ نمبر ۹۳ پر مذکور ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے۔ (انتہٰی المہند ص ۱۳-۱۴)

(تسکین الصدور ص ۲۴۳ مطبوعہ ادارہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

شیخ اشرف علی تھانوی' امام طبرانی اور امام بیہقی کے حوالوں سے حضرت عثمان بن حنیف کی روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

(ف) اس سے توسل بعد الوفات بھی ثابت ہوا اور علاوہ ثبوت بالروایۃ کے درایۃ "بھی ثابت ہے کیونکہ روایت اول کے ذیل میں جو توسل کا حاصل بیان کیا گیا ہے وہ دونوں حالتوں میں مشترک ہے۔

(نشر الطیب ص ۲۵۳ مطبوعہ تاج کمپنی کراچی)

حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر بارش کی دعا کے لیے درخواست کی تھی اس کے متعلق شیخ محمد سرفراز خاں صفدر لکھتے ہیں:

اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں اور حافظ ابن کثیر' حافظ ابن حجر اور علامہ سمہودی وغیرہ اس روایت کو صحیح کہتے ہیں' امام ابن جریر اور حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ۱۷ھ اور ۱۸ھ کی ابتداء کا ہے' (تاریخ طبری ج ۴ ص ۹۸' البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۱) اور مورخ عبدالرحمان بن محمد بن خلدون (المتوفی ۸۰۸ھ) فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ۱۸ھ کا ہے (ابن خلدون ج ۲ ص ۹۶۹)

یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات سے تقریباً" سات آٹھ سال بعد پیش آیا اس وقت بکثرت حضرات صحابہ کرام موجود تھے۔ خواب دیکھنے والے کوئی مجہول شخص نہیں تھے' بلکہ جلیل القدر صحابی حضرت بلال بن حارث مزنی (المتوفی ۶۷ھ) رضی اللہ عنہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر طلب دعا اور سوال شفاعت شرک نہیں ورنہ یہ جلیل القدر صحابی یہ کارروائی ہرگز نہ کرتے۔

یہ معاملہ نرے خواب کا نہیں ہے بلکہ اس سچے خواب کو خلیفہ راشد حضرت عمر کی تائید و تصویب حاصل ہے اور اس کارروائی کا حکم پہلے تو علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین الحدیث کے تحت سنیت کا ہو گا ورنہ استحباب اور اقل درجہ جواز سے کیا کم ہو گا۔ (تسکین الصدور ص ۳۵۲-۳۴۹' ملخصا' مطبوعہ ادارہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

نیز شیخ محمد سرفراز خاں صفدر لکھتے ہیں:

علاوہ ازیں متعدد کتابوں میں آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر طلب دعا کا تذکرہ ہے' چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ:

ایک جماعت نے عتبی سے یہ مشہور حکایت نقل کی ہے جس جماعت میں شیخ ابو منصور الصباغ بھی ہیں انہوں نے اپنی کتاب الشامل میں بیان کیا ہے کہ عتبی فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا' کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا ہے "اور اگر بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا تیرے پاس آتے پس وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے اور ان کے لیے رسول بھی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے' اس لیے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگنے کے لیے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی پیش کرنے آیا ہوں۔" اس کے بعد اس نے درد دل سے چند اشعار پڑھے اور جذبہ محبت کے پھول نچھاور کر کے چلا

marfat.com
Marfat.com

...واقعہ کے آخر میں مذکور ہے کہ خواب میں اس کو کامیابی کی بشارت بھی مل گئی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے عتبی جا کر اس اعرابی سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کر دی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲۰) یہ واقعہ امام نووی نے کتاب الاذکار ص ۱۸۵ طبع مصر میں اور علامہ ابو البرکات عبداللہ بن احمد النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ھ نے اپنی تفسیر مدارک ج ۱ ص ۳۹۹ میں اور علامہ تقی الدین سبکی نے شفاء السقام ص ۴۶ میں اور شیخ عبدالحق نے جذب القلوب ص ۱۹۵ میں اور علامہ بحر العلوم عبدالعلی نے رسائل الارکان ص ۲۸۰ طبع لکھنؤ میں نقل کیا ہے' اور علامہ علی بن عبدالکافی السبکی اور علامہ سمہودی لکھتے ہیں کہ:

عتبی کی حکایت اس میں مشہور ہے اور تمام مذاہب کے مصنفین نے مناسک کی کتابوں میں اور مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے اور سب نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے اسی طرح دیگر متعدد علماء نے قدیماً" و حدیثاً" اس کو نقل کیا ہے اور حضرت تھانوی لکھتے ہیں کہ مواہب میں بسند امام ابو منصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمہم اللہ تعالیٰ نے محمد بن حرب ہلالی سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل' اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد ہے ولوا نهم اذ ظلموا انفسهم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لهم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں پھر دو شعر پڑھے' اور اس محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی ہے' اھ۔ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں بس حجت ہو گیا (نشر الطیب ص ۲۵۴) اور حضرت مولانا نانوتوی یہ آیت کریمہ لکھ کر فرماتے ہیں: "کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں' اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں' اھ (آب حیات ص ۴۰) اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی یہ سابق واقعہ ذکر کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ: پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۰) ان اکابر کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر پر حاضر ہو کر شفاعت مغفرت کی درخواست کرنا قرآن کریم کی آیت کے عموم سے ثابت ہے' بلکہ امام سبکی فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس معنی میں صریح ہے (شفاء السقام ص ۱۲۸) اور خیر القرون میں یہ کارروائی ہوئی مگر کسی نے انکار نہیں کیا جو اس کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے۔ (تسکین الصدور ص ۳۶۵۔ ۳۶۴ ملخصاً" مطبوعہ ادارہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

رسول اللہ ﷺ کے روضہ مبارک پر حاضر ہو کر دعا کی درخواست کرنے کو ناجائز ثابت کرنے کے لیے شیخ ابن تیمیہ' شیخ ابن قیم اور شیخ ابن الہادی وغیرہم کی ایک یہ دلیل ہے کہ حضرات صحابہ کرام' ائمہ دین اور سلف صالحین سے ایسی کارروائی ثابت نہیں اگر یہ جائز ہوتی تو وہ ضرور ایسا کرتے' اس کے جواب میں شیخ محمد سرفراز خان صفدر لکھتے ہیں:

یہ ان حضرات کا ایک علمی مغالطہ ہے کیونکہ قبر کے پاس حاضر ہو کر سفارش کرانا اور طلب دعا' نہ تو فرض و واجب ہے اور نہ سنت مؤکدہ' تاکہ یہ حضرات اس پر خواہ مخواہ ضرور عمل کر کے دکھاتے اور اس کارروائی کے نہ کرنے پر وہ ملامت کیے جاتے اس کارروائی کے مقر اس کو صرف جائز ہی کہتے ہیں اور جواز کے اثبات کے لیے حضرت بلال بن الحارث کا یہ فعل جس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر حضرات صحابہ کرام نے تائید کی ہے کیا کم ہے؟ اگر حضرت ابن عمر صحابی ہیں جنہوں

marfat.com
Marfat.com

نے ایسا نہیں کیا تو یقین جانئے کہ حضرت بلال بن الحارث اور ان کی اس کارروائی کے مصدقین بھی صحابہ ہی ہیں' اگرچہ حافظ ابن تیمیہ یہ کارروائی تسلیم نہیں کرتے لیکن اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ کارروائی بعض متاخرین سے ثابت ہے۔
(محصلہ قاعدہ جلیلہ ص ۷۲) (تسکین الصدور ص ۳۵۴' ملخصاً مطبوعہ ادارہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

خلاصہ یہ ہے کہ تمام اکابر اور اصاغر علماء دیوبند کے نزدیک یا رسول اللہ کہنا جائز ہے اور رسول اللہ ﷺ اور دیگر مقربین کے وسیلہ سے دعا کرنا اور ان سے دعا کی درخواست کرنا بھی جائز ہے' بلکہ سنت اور مستحب ہے اور ہم بھی اس سے زیادہ نہیں کہتے۔

ندائے غیراللہ اور توسل کے متعلق مصنف کا موقف

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استمداد کے متعلق جو ہم نے احادیث اور فقہاء اسلام کی عبارات نقل کی ہیں اس سے ہمارا صرف یہ منشاء ہے کہ عام مسلمان جو شدائد اور ابتلاء میں یا رسول اللہ کہہ کر پکارتے ہیں' ان کا یہ پکارنا شرک نہیں ہے اور اس نداء کو شرک کہنا شدید ظلم اور زیادتی ہے کیونکہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو بہرحال اللہ کی مخلوق اور اس کا مقرب بندہ گردانتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ حقیقی کارساز صرف اللہ تعالیٰ ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا ہر فعل اور ہر تصرف اللہ تعالیٰ کے اذن اس کی مشیت اور اس کی دی ہوئی قدرت کے تابع ہے' انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ہوں یا عام انسان' اس کائنات میں جس سے بھی جو فعل صادر ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے صادر ہوتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی انسان کو کسی شے پر ذرہ برابر بھی قدرت نہیں ہے' اور اس اعتقاد کے ساتھ ندائے غیراللہ کو علماء دیوبند بھی جائز کہتے ہیں' جیسا کہ شیخ گنگوہی کے حوالے سے گزر چکا ہے۔

اس اعتقاد کے ساتھ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استمداد اور استغاثہ کرنا ہرچند کہ جائز ہے لیکن افضل' احسن اور اولیٰ یہی ہے کہ ہر حال میں اور ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے اور اسی سے استمداد اور استعانت کی جائے' امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن ایک سواری پر نبی ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا' آپ نے فرمایا: اے بیٹے! میں تم کو چند باتوں کی تعلیم دیتا ہوں تم اللہ کو یاد رکھو' اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا' تم اللہ کو یاد رکھو' تم اللہ کو سامنے پاؤ گے جب تم سوال کرو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کرو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ سے مدد طلب کرو اور جان لو کہ اگر تمام امت تم کو نفع پہنچانے کے لیے جمع ہو جائے تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نفع پہنچا سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے تمہارے لیے لکھ دیا ہے' اگر تمام لوگ تم کو نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہو جائیں تو وہ تم کو صرف اسی چیز کا نقصان پہنچا سکتے ہیں جو اللہ نے لکھ دیا ہے' قلم اٹھا لئے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔
(جامع ترمذی ص ۳۶۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام ابو یعلی (۱)' امام ابن سنی (۲) اور امام ابن عبدالبر (۳) نے بھی روایت کیا ہے۔

(۱) امام ابو یعلی احمد بن علی بن المثنی الموصلی ۳۰۷ھ' مسند ابو یعلی موصلی ج ۳ ص ۸۵-۸۴' مطبوعہ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت
(۲) حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن سنی متوفی ۳۶۴ھ' عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۳۶
(۳) حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ' تمہید ج ۴ ص ۱۱۱' مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور' ۱۴۰۴ھ

marfat.com
Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی اس تعلیم اور تلقین کے پیش نظر مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں اور اسی سے مدد چاہیں اور دعا میں مستحسن طریقہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگیں' زیادہ محفوظ اور زیادہ سلامتی اس میں ہے کہ وہ دعائیں مانگی جائیں جو قرآن مجید اور احادیث میں مذکور ہیں' تاکہ دعاؤں میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سایہ افگن رہے اگر کسی خاص حاجت میں دعا مانگنی ہو تو رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگنی چاہئے۔

ہمارے فاضل معاصر علامہ محمد عبدالحکیم صاحب شرف قادری ثم نقشبندی لکھتے ہیں:

البتہ یہ ظاہر ہے کہ جب حقیقی حاجت روا' مشکل کشا اور کارساز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو احسن اور اولیٰ یہی ہے کہ اسی سے مانگا جائے اور اسی سے درخواست کی جائے اور انبیاء و اولیاء کا وسیلہ اس کی بارگاہ میں پیش کیا جائے' کیونکہ حقیقت' حقیقت ہے اور مجاز' مجاز ہے' یا بارگاہ انبیاء و اولیاء سے درخواست کی جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کریں کہ ہماری مشکلیں آسان فرمادے اور حاجتیں برلائے' اس طرح کسی کو غلط فہمی بھی پیدا نہیں ہوگی اور اختلافات کی خلیج بھی زیادہ وسیع نہیں ہوگی۔ (ندائے یا رسول اللہ ص ۱۲' مطبوعہ مرکزی مجلس رضا' لاہور۔ ۱۴۰۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ نداء غیر اللہ اعتقاد مذکور کے ساتھ ہرچند کہ جائز ہے' لیکن افضل' اولیٰ اور احسن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے اور اسی سے استمداد اور استعانت کی جائے جیسا کہ حدیث مذکور کا تقاضا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام سے استمداد' نداء اور توسل کے متعلق میں نے بہت طویل بحث کی ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں اس مسئلہ میں جانبین سے غلو کیا جاتا ہے' شیخ ابن تیمیہ' ابن القیم اور ابن الہادی کے پیروکار اور علماء نجد' غیر اللہ سے استمداد اور وصال کے بعد ان کے توسل سے دعا مانگنے کو ناجائز اور شرک کہتے ہیں اور بعض غالی اور ان پڑھ عوام' اللہ سے دعا مانگنے کے بجائے ہر معاملہ میں غیر اللہ کی دہائی دیتے ہیں' انہی کو پکارتے ہیں اور انہی کی نذر مانتے ہیں' سو میں نے چاہا کہ قرآن مجید' احادیث صحیحہ' آثار صحابہ اور فقہاء اسلام کی عبارات کی روشنی میں حق کو واضح کروں' تاکہ بلاوجہ کسی مسلمان کو مشرک کہا جائے نہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور استعانت کا رابطہ منقطع کیا جائے اور نہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی تعظیم و تکریم میں کوئی کمی کی جائے۔

اللہ العلمین! ان سطور میں اثر آفرینی پیدا فرما' اور جانبین سے غلو کرنے والوں کو اعتدال کی راہ اور صراط مستقیم پر گامزن فرما' مجھے اس کتاب کے مکمل کرنے کی توفیق مرحمت فرما' اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما' اس کتاب کو میری بخشش کا ذریعہ بنادے اور اس کو میرے لیے صدقہ جاریہ کردے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد خاتم النبیین قائد المرسلین شفیع المذنبین وعلی الہ الطیبین الطاہرین واصحابہ الکاملین الراشدین وازواجہ امہات المومنین و اولیاء امتہ الواصلین وعلماء ملتہ الراسخین والائمۃ المجتہدین والمحدثین والمفسرین وسائر المسلمین اجمعین الی یوم الدین۔

☆☆☆

marfat.com
Marfat.com

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝

ہم کو سیدھے راستہ پر چلا ۝

ہدایت کا لغوی معنی اور اس کی اقسام

"اھد" کا لفظ ہدایت سے مشتق ہے' علامہ راغب اصفہانی ہدایت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
جو چیز مطلوب تک پہنچادے اس کی طرف ملائمت اور نرمی سے رہنمائی کرنا ہدایت ہے' فلاں شخص کو ہدایت دی یعنی اس کی رہنمائی کی' اللہ تعالیٰ نے انسان کو چار قسم کی ہدایت دی ہے۔

(۱) عقل اور شعور کی ہدایت اور بدیہیات کا علم ہر شخص کو عطا فرمایا ہے۔

اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی — جس نے ہر چیز کو اس کی (مخصوص) بناوٹ عطا فرمائی پھر ہدایت دی۔ (طٰہٰ : ۵۰)

(۲) انبیاء علیہم السلام کی زبانوں سے اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ ہدایت عطا فرمائی:

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا — اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔ (الانبیاء :۷۳)

(۳) توفیق الٰہی جو ہدایت یافتہ لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًی وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ ۝ — جن لوگوں کو ہدایت کی توفیق مل گئی (یعنی جنہوں نے ہدایت قبول کی) اللہ نے ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیا اور انہیں ان کا تقویٰ عطا فرمایا۔ (محمد : ۱۷)

(۴) آخرت میں جنت کی طرف پہنچانا۔

قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا — جنتی کہیں گے اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا۔ (الاعراف : ۴۳)

یہ چاروں ہدایتیں ترتیب وار ہیں کیونکہ جس چیز کو ہدایت کی پہلی قسم (عقل و شعور) حاصل نہیں ہے اس کو باقی اقسام بھی حاصل نہیں ہوں گی بلکہ وہ مکلف بھی نہیں ہے' جیسے حیوانات' اور جس کو دوسری قسم کی ہدایت حاصل نہیں ہوئی اس کو باقی دو قسمیں بھی حاصل نہیں ہوں گی۔ (اس میں اشکال ہے) اور جس کو تیسری قسم حاصل نہیں ہوئی جیسے کفار ان کو چوتھی قسم حاصل نہیں ہوگی اور جس کو چوتھی قسم حاصل ہوگی اس کو پہلی تین قسمیں حاصل ہو چکی ہوں گی۔
(المفردات ص ۵۳۹۔۵۳۸' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

ہدایت کی اقسام کی مزید تفصیل

اس کی تفصیل میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہدایت کی پہلی قسم وجدان ہے جو انسان کو مبدء ولادت میں عطا کیا جاتا ہے جب اس کو بھوک اور پیاس کا ادراک ہوتا ہے جب وہ غذا کی طلب کے لیے روتا اور چلاتا ہے' اور دوسری قسم حواس کی ہدایت ہے اور یہ قسمیں انسان اور حیوان میں مشترک ہیں' اور تیسری قسم عقل کی ہدایت ہے جو انسان کے ساتھ مخصوص

marfat.com
Marfat.com

ہے عقل کی ہدایت سے انسان حواس کی اصلاح کرتا ہے مثلاً صفراوی مزاج والا میٹھی چیزوں کو کڑوا محسوس کرتا ہے تو عقل ہدایت دیتی ہے کہ یہ میٹھی چیز ہے' ہدایت کی چوتھی قسم دین اور شریعت کی ہدایت ہے' اور ہدایت کی پانچویں قسم توفیق ہے۔

وجدان' حواس اور عقل کی ہدایت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (البلد : ۸-۱۰)

کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں' زبان اور ہونٹ نہیں بنائے' اور ہم نے اسے (نیکی اور بدی کے) دونوں واضح راستے دکھا دیئے۔

اور دین اور شریعت کی ہدایت کے متعلق فرمایا:

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (حم السجدة : ۱۷)

رہے ثمود کے لوگ تو ہم نے ان کو ہدایت دی سو انہوں نے گمراہی کو ہدایت پر پسند کر لیا۔

اور ہدایت کی توفیق کے متعلق فرمایا:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

ہم کو سیدھے راستے پر چلا

اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار' اس کی رضا اور جنت الفردوس کی ہدایت ہے' اس ہدایت کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہم کو وجدان' عقل اور شعور (حواس سے ادراک) کی ہدایت عطا فرمائی' پھر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے واسطے سے ہم کو دین اور شریعت کی ہدایت میسر کی' اب ہم دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم کو دین اور شریعت پر چلا اور اس کی توفیق مرحمت فرما تاکہ ہم کو جنت کی ہدایت حاصل ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کا فرق

ہدایت کا ایک معنی ایصال الی المطلوب الخیر (نیک مطلوب تک پہنچانا) ہے اور دوسرا معنی ارشاد اور ارائۃ الطریق (راستہ دکھانا) ہے' مطلوب خیر تک پہنچانا یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے' اس کو ہدایت یافتہ بنانا اور باطن میں ہدایت دینے سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور "راستہ دکھانا" نبی ﷺ کا منصب ہے اس کو ہدایت نافذ کرنے اور ظاہراً" ہدایت دینے سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں نبی ﷺ کی طرف ہدایت کی نسبت کی گئی ہے اس سے مراد راستہ دکھانا ہے اور جہاں آپ سے ہدایت دینے کی نفی کی گئی اس سے مراد ہدایت یافتہ بنانا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (القصص : ۵۶)

بے شک آپ اس کو ہدایت یافتہ نہیں بناتے جس کو آپ چاہیں' لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (البقرہ : ۲۷۲)

انہیں ہدایت یافتہ بنانا آپ کے ذمہ نہیں لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے۔

ہدایت یافتہ بنانا' مطلوب خیر تک پہنچانا اور باطن میں ہدایت دینا یہ آپ کا منصب نہیں ہے' آپ کا منصب اللہ کی ہدایت کو نافذ کرنا' ظاہراً" ہدایت دینا اور راستہ دکھانا ہے اسی اعتبار سے فرمایا:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الشوریٰ : ۵۲)

اور بے شک آپ ضرور صراط مستقیم کا راستہ دکھاتے ہیں

marfat.com

Marfat.com

صراط مستقیم کا لغوی اور شرعی معنی

دو نقطوں کو ملانے والے سب سے چھوٹے خط کو لغت میں صراط مستقیم کہتے ہیں اور شریعت میں صراط مستقیم سے مراد وہ عقائد ہیں جو سعادت دارین تک پہنچاتے ہیں' یعنی وہ دین اسلام جس کو دے کر تمام انبیاء اور رسل کو مبعوث کیا گیا اور ان تمام کی نبوات اور رسالات کو حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت پر ختم کر دیا گیا' جس دین سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی صحیح معرفت ہو اور تمام احکام شرعیہ کا علم ہو وہ صراط مستقیم ہے۔ یہ صراط مستقیم کا خاص معنی ہے' اور اس کا عام معنی یہ ہے:

تمام اخلاق' اعمال اور امور میں افراط اور تفریط کے درمیان متوسط طریقہ۔

خواص مسلمین کے نزدیک صراط مستقیم کا معنی یہ ہے:

کفر' فسق' جہل' بدعت اور ہوائے نفسانیہ کے جہنم کی پشت پر علم' عمل' خلق اور حال کے اعتبار سے شریعت پر استقامت کا پل۔

اس معنی میں صراط مستقیم سے ذہن آخرت کے پل صراط کی طرف متوجہ ہوتا ہے' پل صراط کے متعلق احادیث میں ہے کہ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور شریعت پر استقامت بھی بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ مثلاً ہمارے ہاں عام طور پر دیور اور بھابھی میں پردہ نہیں ہوتا' حالانکہ شریعت میں ان کے درمیان پردہ کی سخت تاکید ہے' سرکاری ملازمتیں رشوت' سود اور بے ایمانی کی آمدنی کے بغیر ممکن نہیں' یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم مخلوط طریقہ تعلیم کے بغیر ناگزیر ہے' دکاندار اور ٹھیلے والے پولیس کو بھتہ دیئے بغیر اپنا کاروبار نہیں چلا سکتے۔ نجی اداروں اور دفاتر میں مردوں اور عورتوں کا مخلوط اسٹاف ہوتا ہے' استقبالیہ اور معلوماتی کاؤنٹر پر بے پردہ خواتین سے گفتگو کرنی پڑتی ہے' سرکاری ٹینڈرز پر کوئی ٹھیکہ رشوت کے بغیر منظور نہیں ہو سکتا' پولیس اور دیگر سرکاری محکموں میں کوئی شخص رشوت میں ملوث ہوئے بغیر ملازمت نہیں کر سکتا' غرضیکہ پورا معاشرہ شریعت کی خلاف ورزیوں اور اخلاقی پستیوں میں ڈوبا ہوا ہے' ایسے معاشرہ میں اگر کوئی شخص شریعت پر مستقیم رہنا چاہے تو یہ صراط مستقیم بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے اور جو اس صراط مستقیم پر آسانی سے گزر گیا وہ آخرت کی پل صراط سے بھی آسانی سے گزر جائے گا۔

اور عوام مسلمین کے اعتبار سے صراط مستقیم کا یہ معنی ہے:

اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو ماننا اور اس پر عمل کرنا اور ہر اس کام سے رکنا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔

خواص جب اهدنا الصراط المستقیم کہتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہے: اے اللہ ہمیں سیر الی اللہ کے بعد سیر فی اللہ عطا فرما اور ہم پر اپنے جمال اور جلال کی صفات غیر متناہیہ منکشف کر دے اور جب عوام اهدنا الصراط المستقیم کہتے ہیں تو اس کا معنی ہے: اے اللہ ہمیں اپنے تمام احکام پر عمل کی توفیق عطا فرما۔

کیا نمازی کا صراط مستقیم کی دعا کرنا تحصیل حاصل ہے

اس جگہ ایک مشہور سوال یہ ہے کہ جب نمازی نماز میں کہتا ہے اهدنا الصراط المستقیم سو وہ تو خود صراط مستقیم کی ہدایت پر ہے' اگر صراط مستقیم پر نہ ہوتا تو نماز کیسے پڑھتا! لہٰذا یہ تحصیل حاصل ہے۔ اس کے دو جواب ہیں!

(۱) اس دعا کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ مجھ کو صراط مستقیم کی ہدایت پر قائم اور ثابت رکھ اور اس میں دوام عطا فرما۔ یہ معنی

Marfat.com

عوام مسلمین کے اعتبار سے ہے اور اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا (آل عمران : ۸) — اے ہمارے رب ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر

اور اس حدیث میں بھی اس کی تائید ہے: امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

عن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر ان یقول یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک — حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ کثرت یہ کہتے تھے اے دلوں کے پلٹنے والے میرے دل کو اپنے دین پر قائم اور ثابت رکھ۔

(جامع ترمذی ص ۳۱۲، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

(۴) اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی معرفت کے درجات غیر متناہی ہیں اور نمازی معرفت کے جس درجہ میں ہے وہ اس سے اگلے مقام کی معرفت کی دعا کرتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ میری ہدایت میں ترقی عطا فرما۔ یہ خواص مسلمین کے اعتبار سے ہے، اور اس کی تائید ان آیات میں ہے:

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى (مریم : ۷۶) — اور ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اللہ تعالیٰ زیادتی فرماتا ہے۔

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ (محمد : ۱۷) — اور ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت کو اللہ نے زیادہ کیا اور ان کو تقویٰ عطا فرمایا۔

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَكَ مِنَ الْأُولَىٰ (الضحیٰ : ۴) — اور بے شک آپ کی ہر بعد کی گھڑی، پہلی گھڑی سے بہتر ہے۔

جمع کے صیغہ سے دعا کرنے کی وجہ اور ربط آیات

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہاں جمع کے صیغہ سے دعا کی تعلیم ہے، "ہم کو سیدھے راستہ پر چلا" واحد کا صیغہ کیوں نہیں ہے؟ "مجھ کو سیدھے راستہ پر چلا" اس کا جواب یہ ہے کہ جب نمازی تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے گا تو ان میں کچھ اللہ کے مقرب اور مقبول بندے بھی ہوں گے جن کے حق میں اللہ تعالیٰ دعا کو ضرور قبول فرمائے گا اور یہ اس کے کرم عمیم سے بعید ہے کہ وہ بعض کے حق میں دعا قبول کرے اور باقی بعض کے حق میں دعا کو مسترد کر دے۔

ان آیات میں ربط اس طرح ہے کہ جب بندوں نے کہا اے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں، تو گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمہاری مہمات یا عبادات میں، میں تمہاری کیسے مدد کروں؟ پس بندوں نے کہا ہمیں دین اسلام پر چلا اور چونکہ دین اسلام پر چلنا اللہ کی خاص نعمت ہے اس لیے فرمایا:

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا نہ ان لوگوں کا راستہ جن پر غضب ہوا

Marfat.com

وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

اور نہ گمراہوں کا ۝

جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے وہ گزشتہ امتوں میں سے انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں- امام ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے "ہمیں ان لوگوں کے راستہ پر چلا جن پر تو نے اپنی اطاعت اور عبادت کا انعام کیا ہے جو ملائکہ' انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں جنہوں نے تیری اطاعت اور عبادت کی- (جامع البیان ج ۱ص ۵۹-۵۸' مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے انعام یافتہ لوگوں کا اجمالا" ذکر کیا ہے اور اس کی تفصیل ان آیتوں میں ہے:

انعام یافتہ لوگوں کا بیان

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ (النساء : ۶۹)

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا جو انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں-

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۙ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۙ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۙ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝ السجدۃ (مریم : ۵۸)

جن لوگوں پر اللہ نے انعام کیا وہ اولاد آدم میں سے انبیاء ہیں اور ان لوگوں (کی نسل) سے جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا' اور ان میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی اور ان کو منتخب کر لیا' جب ان پر رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہیں اور روتے ہوئے گر پڑتے ہیں-

انعام یافتہ لوگوں کے راستوں کا بیان

ان انعام یافتہ نفوس قدسیہ کے راستہ پر چلنے کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو بالکلیہ اطاعت الٰہی اور اس کی قضاء پر راضی ہونے میں جذب کر لے' اور وہ ایسا ہو جائے کہ اگر اس کو یہ حکم دیا جائے کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دے تو اس کی اس طرح اطاعت کرے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اطاعت کی تھی' اور اگر خود اس کو ذبح ہونے کا حکم دیا جائے تو اپنے آپ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح ذبح کے لیے تیار پائے' اور اگر کسی بڑے منصب پر فائز ہونے کے بعد اس کو کسی سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح طلب علم کے لیے روانہ ہو جائے' اور اپنی بڑائی کو عار نہ بنائے- اور اگر اس کو یہ حکم دیا جائے کہ نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے خواہ اس راہ میں اس کو آرے سے چیر دیا جائے تو حضرت یحییٰ اور زکریا کی طرح قتل ہو جائے اور اف نہ کرے' سخت موذی بیماریوں میں مبتلا کیا جائے تو حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے! اگر قاضی اور حاکم بنے تو عدل اور انصاف کے سامنے جھکنے میں عار محسوس نہ کرے اور اگر اس کے بیٹے کا کیا ہوا فیصلہ اس کے کئے ہوئے فیصلہ کے مقابلہ میں صحیح ہو تو قبول حق کے راستہ میں انانیت کو نہ آنے دے' جیسے حضرت داؤد نے اپنے کئے ہوئے فیصلہ کے مقابلہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کو راجح قرار دیا تھا' اور سلطنت اور شاہی ملے تو حکومت کے رعب اور دبدبہ میں اللہ کی یاد' عبادت و ریاضت اور شب بیداری

marfat.com
Marfat.com

کو نہ بھولے' جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اتنی عظیم الشان حکومت ملنے کے باوجود اطاعت الٰہی سے غافل نہ تھے اور رکوع اور سجدوں میں راتیں گزارتے تھے اور اگر قضاء الٰہی سے کسی بلا اور مصیبت میں گرفتار ہو جائے تو شکوہ و شکایت نہ کرے بلکہ اپنے قصور نفس کا اعتراف کرے اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل میں مصروف رہے جیسے حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں گرفتار ہو کر بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل کرتے رہے' اگر نوجوان' حسین و جمیل اور پیارا بیٹا گم ہو جائے تو حرف شکایت زبان پر نہ لائے اور حضرت یعقوب کی طرح صبر جمیل کرے' اور اگر کوئی بااختیار و اقتدار حسین و جمیل عورت کسی جوان مرد کو گناہ کی دعوت دے تو قید خانے میں جانا منظور کرلے اور گناہ سے دامن بچائے رکھے اور جب قید خانہ میں جائے تو وہاں بھی دعوت و ارشاد کو نہ بھولے اور وہاں کے قیدیوں کو اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت کی دعوت دے اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا اسوہ اور نمونہ ہے اور ان کا راستہ ہے۔

یہ سابق انعام یافتہ لوگوں کی سیرتوں کا اجمالی بیان ہے اور سب سے زیادہ انعام حضرت سید المرسلین و سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ پر کیا گیا ہے اور ان کی سیرت تمام انبیاء سابقین کی سیرتوں کی جامع' کامل' اتم اور اکمل ہے اور یہ سارا قرآن انہی کی سیرت کا بیان ہے اور اس کی تفصیل آپ کی احادیث اور سنت میں ہے اس لیے قرآن اور سنت ہی دراصل صراط مستقیم ہے' اس لیے جو شخص انعام یافتہ نفوس قدسیہ کی صراط مستقیم پر چلنا چاہتا ہو وہ قرآن اور سنت کو دانتوں سے پکڑ لے اور ان پر پورا پورا عمل کرے۔

مغضوب کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں : غضب کا معنی ہے "انتقام کے ارادے سے دل کے خون کا کھولنا اور جوش میں آنا" اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غضب سے بچو کیونکہ یہ ایک انگارہ ہے جو بنو آدم کے دلوں میں دہکتا ہے کیا تم غضبناک شخص کی گردن کی پھولی ہوئی رگوں اور اس کی سرخ آنکھوں کو نہیں دیکھتے' اور جب اس لفظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے صرف انتقام مراد ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَلَعَنَہٗ (النساء : ۹۳) اور اللہ (مومن کے قاتل سے) انتقام لے گا اور اس کو اپنی رحمت سے دور کردے گا۔

المغضوب علیہم کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے یہود مراد ہیں۔

(المفردات ص ۳۶۱' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

المغضوب علیہم کی ماثور تفسیر

امام ابن جریر نے متعدد اسانید کے ساتھ حضرت عدی بن حاتم' حضرت ابن عباس' حضرت ابن مسعود اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ المغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں۔

(جامع البیان ج ۱ ص ۶۱ــ ۶۳' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

مغضوب کا معنی بیان کرنے میں بعض علماء کی لغزش

سید ابو الاعلیٰ مودودی نے المغضوب علیہم کے ترجمہ میں لکھا ہے "جو معتوب نہیں ہوئے"

Marfat.com

(تفہیم القرآن ج ۱ ص ۴۵ مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور)

ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز اس پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک معاصر نے "غیر المغضوب علیہم" کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا "جو معتوب نہیں ہوئے" یہاں "مغضوب" کا ترجمہ "معتوب" صحیح نہیں' عہد رسالت سے لے کر آج تک کسی نے یہ ترجمہ نہیں کیا۔ بلکہ ادنیٰ تامل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ غضب سے عتاب مراد لینا مراد الٰہی کے قطعاً خلاف ہے اس لیے کہ اللہ کا غضب انہی لوگوں کے ساتھ ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے ارادۂ انتقام متعلق فرمایا۔ رہا "عتاب" تو فی الجملہ وہ رسولوں کی طرف بھی متوجہ ہوا۔ صحیحین کی متفق علیہ حدیث میں ہے۔ عتب اللّٰہ علیہ "اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عتاب فرمایا۔" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۳' صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۹) بلکہ سورہ عبس وتولی کی تفسیر میں یہ حدیث وارد ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کی آمد پر فرمایا: مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی جس کی وجہ سے مجھ پر عتاب ہوا اس کو خوش آمدید (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۴۷۰' روح المعانی ج ۳۰ ص ۳۹' ابن جریر ج ۳۰۔ ۲۹۔ ۲۸' ارشاد الساری ج ۷ ص ۴۱۱) جس سے ظاہر ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف بھی عتاب متوجہ ہوا۔ اگر "مغضوب" کا ترجمہ "معتوب" صحیح مان لیا جائے تو معاذ اللہ حبیب و کلیم علیہما الصلوۃ والتسلیم بھی "مغضوب علیہم" میں شامل ہو جائیں گے۔ واضح رہے کہ غضب جو اللہ کی صفت ہے اس کی بنیاد صرف عقوبت اور ارادۂ انتقام ہے' اور اس عتاب کا مبنیٰ مودت و محبت ہے۔ اہل لغت نے عتاب کے معنے مخاطبۃ الادلال لکھے ہیں یعنی محبوب کی لاپروائی یا بے توجہی پر محبت بھری خفگی کا اظہار۔ صاحب لسان العرب اور صاحب تاج العروس نے اس معنی پر بطور شاہد یہ شعر نقل کئے:

اعاتب ذا المودة من صديق اذا ما رابنى منه اجتناب
اذا ذهب العتاب فليس ود ويبقى الود ما بقى العتاب

(لسان العرب ج ۱ ص ۵۷۷' تاج العروس ج ۱ ص ۳۶۵)

"محبت والے دوست کے ساتھ میں عتاب سے پیش آتا ہوں' جب مجھے اس کی کنارہ کشی کا اندیشہ ہو۔" "جب عتاب گیا تو محبت بھی نہ رہی کہ محبت اسی وقت تک رہتی ہے جب تک عتاب باقی رہے۔" یعنی عتاب سے پیش آنا محبت کی نشانی ہے۔ اگر کہا جائے کہ اردو لغت کی کتابوں میں "غضب" کے معنی عتاب اور "عتاب" کے معنی غضب اور "مغضوب" کے معنی "زیر عتاب" لکھے ہیں تو عرض کروں گا کہ ہر زبان کے علماء لغت کی طرح اردو لغت والوں نے بھی اپنی اردو زبان کے استعمالات و محاورات کو اردو لغت کی کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔ مگر قرآن مجید "اردو" میں نہیں بلکہ "عربی" زبان میں نازل ہوا ہے۔ ہر زبان کے محاورات و استعمالات اس کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں اس لئے اردو استعمالات پر عربی استعمالات کا قیاس درست نہیں۔ بالخصوص قرآنی استعمالات میں غضب اللہ سے عتاب مراد لینا یا مغضوب کا ترجمہ معتوب کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔ (التبیان ج ۱ ص ۳۳۔ ۳۲ مطبوعہ کاظمی پبلیکیشنز ملتان' ۱۹۹۳ء)

ضالین کے معانی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں

Marfat.com

ضلال کے معنی ہیں: طریق مستقیم سے عدول اور اعراض کرنا' اس کی ضد ہدایت ہے' قرآن مجید میں ہے:

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا (الاسراء : ۱۵)
جس نے ہدایت قبول کی تو اس نے اپنے ہی نفع کے لیے ہدایت قبول کی اور جو گمراہ ہوا تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر پڑا۔

صحیح راستہ سے ہر انحراف کو ضلال کہتے ہیں خواہ وہ انحراف عمداً ہو یا سہواً' کم ہو یا زیادہ' کیونکہ جو صحیح راستہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے اس پر چلنا بہت دشوار ہے' نبی ﷺ نے فرمایا مستقیم رہو اور تم ہرگز اس کا احاطہ نہ کر سکو گے' بعض حکماء نے کہا ہمارے صحت اور صواب پر ہونے کی ایک وجہ ہے اور ہمارے ضلال پر ہونے کی بہت سی وجوہ ہیں۔ بعض صالحین نے نبی ﷺ کی خواب میں زیارت کی تو پوچھا آپ نے یہ کیوں فرمایا تھا کہ مجھے سورہ ھود اور اس کی نظائر نے بوڑھا کر دیا! ان میں سے کس آیت نے آپ کو بوڑھا کر دیا فرمایا: فاستقم کما امرت جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اس طرح مستقیم رہو۔" (ھود ۱۱۲) اور جب کہ ضلال کا معنی ہے طریق مستقیم کو ترک کرنا' خواہ یہ ترک کرنا عمداً ہو یا سہواً' کم ہو یا زیادہ تو ضلال کا استعمال متعدد وجوہ سے ہوتا ہے' یہ لفظ انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اور کفار کے لیے بھی استعمال ہوا ہے اگرچہ دونوں کی ضلالت میں بہت زیادہ فرق ہے' حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق ان کے بیٹوں نے کہا:

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ (یوسف : ۹۵)
وہ بولے اللہ کی قسم یقیناً" آپ اسی اپنی پرانی محبت میں ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ حضرت یعقوب کو شدید محبت تھی اور یوسف کے بھائیوں کے خیال میں یہ بے جا محبت تھی اس لیے انہوں نے اس محبت کو ضلال کے ساتھ تعبیر کیا۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں بالکل وارفتہ ہو گئے تھے تو آپ کو امت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے فرمایا:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (الضحی : ۷)
اور آپ کو (اپنی محبت میں) وارفتہ پایا تو (امت کی طرف) راہ دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ (الشعراء : ۲۰)
موسیٰ نے کہا میں نے وہ کام اس وقت کیا جب میں بے خبروں میں سے تھا۔

اس میں یہ تنبیہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبطی کا قتل سہواً" ہوا تھا ضلال نسیان کے معنی میں بھی مستعمل ہے:

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى (البقرہ : ۲۸۲)
کہ ان دو میں سے کوئی ایک (عورت) بھول جائے تو ان میں سے دوسری اس کو یاد دلا دے۔

علم اور عمل کے اعتبار سے ضلال کے دو اور معنی ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت' اس کی وحدانیت اور نبوت اور رسالت میں کوئی شخص صحیح راہ سے بھٹک جائے' اس معنی کا استعمال اس آیت میں ہے:

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ
جو شخص اللہ' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے

Marfat.com

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (النساء: ١٣٦)

رسولوں اور روز قیامت کے ساتھ کفر کرے تو بے شک وہ گمراہ ہو گیا (سیدھی راہ سے) بہت دور جا پڑا۔

دوسرا معنی ہے عبادات اور احکام شرعیہ میں صحیح راہ سے بھٹک جانا اس معنی کا استعمال اس آیت میں ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا (النساء: ١٦٧)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا یقیناً وہ گمراہ ہو گئے (سیدھی راہ سے) بہت دور جا پڑے۔

ضلال غفلت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے:

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى (طه: ٥٢)

(موسیٰ نے کہا پچھلی قوموں کا) علم میرے رب کے پاس ایک کتاب (لوح محفوظ) میں ہے' میرا رب نہ غافل ہوتا ہے نہ بھولتا ہے۔

(المفردات ص ۲۹۸۔۲۹۷' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران)

زیر بحث آیت میں ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے ضالین کی منقول تفسیر

امام ابن جریر لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود اور کئی اصحاب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا الضالین سے مراد نصاریٰ ہیں۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۶۴' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ہر وہ شخص جو سیدھے راستہ سے انحراف کرے اس کو عرب ضال کہتے ہیں' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو ضالین فرمایا' کیونکہ انہوں نے سیدھے راستہ سے انحراف کر کے غلط راستہ اختیار کر لیا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہود نے بھی تو طریق مستقیم سے انحراف کر کے غیر طریق مستقیم اختیار کر لیا' پھر کیا وجہ ہے کہ ان کو مغضوب کی صفت کے ساتھ مخصوص کیا اور نصاریٰ کو ضالین کی صفت کے ساتھ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں ہی ضالین ہیں لیکن نصاریٰ نبی کی محبت میں گمراہ ہوئے اور نبی کو خدا کا بیٹا کہا' اور یہود نبی سے بغض میں گمراہ ہوئے کیونکہ انہوں نے کئی نبیوں کو قتل کر ڈالا' اس لیے یہود پر اللہ تعالیٰ کا غضب زیادہ ہے اور ان کو مغضوب فرمایا۔

جن لوگوں تک اسلام کا پیغام نہیں پہنچا آیا وہ شریعت کے مکلف ہیں یا نہیں؟

ضالین کا مصداق وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کی بالکل معرفت حاصل نہیں ہوئی' یا ان کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل نہیں ہوئی' اول الذکر وہ لوگ ہیں جن کو نبوت کا پیغام نہیں پہنچا' اور ثانی الذکر وہ لوگ ہیں جن کو پیغام نبوت پہنچا لیکن ان پر حق اور باطل اور صواب اور خطا میں اشتباہ ہو گیا' اور جن لوگوں کے زمانہ میں نبی مبعوث نہیں ہوا' وہ اصحاب فترت ہیں' وہ کسی شریعت کے مکلف ہیں نہ آخرت میں ان کو عذاب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (الاسراء: ۱۵)

جب تک رسول کو نہ بھیج دیں' ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں۔

جمہور کی رائے یہی ہے' لیکن علماء کی ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ شریعت کا مکلف ہونے کے لیے صرف عقل کافی ہے' سو جس شخص کو عقل دی گئی ہے اس پر لازم ہے کہ آسمانوں اور زمین کی نشانیوں میں غور و فکر کرے اور ان کے

marfat.com
Marfat.com

خالق کی معرفت حاصل کرے اور جس طرح اس کی عقل ہدایت دے اس کے مطابق خالق کی تعظیم اور عبادت کرے اور نعمتوں پر اس کا شکر بجالائے۔

علامہ محب اللہ بہاری لکھتے ہیں :

جو شخص دور دراز کے پہاڑوں میں بلوغت کی عمر پالے اور اس کو پیغام نہ پہنچے اور وہ عقائد صحیحہ کا معتقد نہ ہو اور احکام شرعیہ پر عمل نہ کرے تو معتزلہ اور بعض احناف کے نزدیک اس کو آخرت میں عذاب ہو گا' کیونکہ جن امور کا عقل ادراک کر سکتی ہے اس نے ان کے تقاضوں پر عمل نہیں کیا' اور اشاعرہ اور جمہور احناف کے نزدیک اس کو آخرت میں عذاب نہیں ہو گا' کیونکہ انسان احکام کا مکلف شریعت سے ہوتا ہے اور فرض یہ کیا گیا ہے کہ اس کو شریعت کی دعوت نہیں پہنچی۔

(مسلم الثبوت مع شرحہ للخیر آبادی ص ۴۲' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

آمین کا معنی

علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں :

یہ وہ کلمہ ہے جو دعا کے بعد کہا جاتا ہے' یہ اسم اور فعل سے مرکب ہے اور اس کا معنی ہے اللھم استجب لی "اے اللہ میری دعا کو قبول فرما۔" اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے حامیوں کے لیے دعا ضرر کی اور فرمایا :

رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰٓى اَمۡوَالِهِمۡ وَاشۡدُدۡ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ (یونس : ۸۸) اے ہمارے رب ان کے اموال کو تباہ و برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کی تو حضرت ہارون علیہ السلام نے کہا آمین۔

ایک قول یہ ہے کہ آمین کا معنی ہے : اسی طرح ہو گا۔ زجاج نے کہا ہے اس میں دو لغتیں ہیں امین اور آمین۔ ابوالعباس نے کہا ہے کہ آمین عامین کی طرح جمع کا صیغہ ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ حسن سے منقول ہے کہ آمین اللہ عزوجل کے اسماء میں سے ایک اسم ہے' مجاہد نے بھی کہا ہے کہ یہ اللہ کا ایک اسم ہے' اور یہ یا اللہ کے معنی میں ہے اور اس کے بعد استجب مقدر ہے' ازہری نے کہا یہ قول صحیح نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آمین رب العالمین کی اپنے بندوں پر مہر ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کی آفات اور بلیات کو آمین سے دور کر دیتا ہے جیسے جب کسی لفافے پر مہر لگادی جائے تو اس مہر کی وجہ سے اس میں فاسد اور ناپسندیدہ چیز داخل نہیں ہو سکتی۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ امین جنت میں ایک درجہ ہے' ابوبکر نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ آمین کہنے والے کو جنت میں ایک درجہ ملے گا۔

(لسان العرب ج ۱۳ ص ۲۷۔۲۶' مطبوعہ نشر ادب الحوزہ قم ایران' ۱۴۰۵ھ)

نماز میں آمین کہنے کے متعلق مذاہب اربعہ

علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس الرملی الشافعی لکھتے ہیں :

سورہ فاتحہ یا اس کے قائم مقام کی دعا کے بعد کچھ وقفہ سے آمین کہنا سنت ہے' خواہ وہ نماز میں ہو یا غیر نماز میں' لیکن نماز میں یہ بہت زیادہ مستحب ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورہ فاتحہ کی قرات سے فارغ ہوتے تو بلند

Marfat.com

آواز کے ساتھ آمین کہتے اور الف کو کھینچ کر (دراز کر کے) آمین کہتے۔

(نہایۃ المحتاج ج ۱ ص ۴۸۹۔۴۸۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ)

علامہ محمد بن عبداللہ خرشی مالکی لکھتے ہیں:

ولا الضالین کے بعد آہستہ آواز کے ساتھ آمین کہنا مستحب ہے، سری نماز میں صرف امام آمین کہے اور جہری نماز میں امام اور مقتدی دونوں پست آواز کے ساتھ آمین کہیں کیونکہ آمین دعا ہے اور دعا میں اصل یہ ہے کہ پست آواز کے ساتھ دعا کی جائے۔ (الخرشی علی مختصر خلیل ج ۱ ص ۲۸۲، مطبوعہ دار صادر بیروت)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

سنت یہ ہے کہ جہری نمازوں میں امام اور مقتدی جہراً آمین کہیں اور سری نمازوں میں دونوں سراً آمین کہیں۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک آمین آہستہ کہیں، ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے بہ آواز بلند آمین کہی اور آپ نے امام کے آمین کہنے کے وقت آمین کہنے کا حکم دیا اگر امام نے بلند آواز سے آمین نہ کہی تو امام کی آمین پر مقتدی کی آمین نہیں ہو سکے گی۔ (المغنی ج ۱ ص ۲۹۰، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

علامہ حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

امام اور مقتدی پست آواز سے آمین کہیں خواہ نماز سراً ہو یا جہراً، اور جس حدیث میں یہ ہے کہ جب امام آمین کہے تو آمین کہو یہ پست آواز سے آمین کہنے کے منافی نہیں ہے، کیونکہ یہ معلوم اور متعین ہے کہ ولا الضالین کے بعد آمین کہی جاتی ہے، اس لیے مقتدی کا آمین کہنا، امام سے سننے پر موقوف نہیں ہے، کیونکہ سورہ فاتحہ کے اخیر میں آمین کہی جاتی ہے حدیث میں ہے جب امام ولا الضالین کہے تو آمین کہو۔

(در مختار مع حاشیۃ الطحطاوی، ج ۱ ص ۲۲۰۔۲۱۹، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

آمین کہنے کی فضیلت میں احادیث

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص آمین کہتا ہے تو آسمان میں فرشتے (بھی) آمین کہتے ہیں پس جب ایک فریق کی آمین دوسرے کے موافق ہو جائے تو اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کو امام مسلم (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۶)، امام ابو داؤد (سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۱۳۵)، امام نسائی (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۴۷)، امام مالک (موطا امام مالک ص ۶۹) اور امام احمد (مسند احمد ج ۲ ص ۴۵۹)، نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے لیے پس پشت دعا کرتا ہے تو وہ قبول ہوتی ہے، جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے خیر کی دعا کرتا ہے تو اس کے پاس کھڑا ہوا ایک فرشتہ آمین کہتا ہے اور وہ فرشتہ اس کے لیے بھی وہی دعا کرتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۲۰۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

marfat.com
Marfat.com

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ا ص ۱۹۵ ' ج ۶ ص ۴۵۲ ' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہود تم سے کسی چیز پر اتنا حسد نہیں کرتے جتنا وہ تم سے آمین پر حسد کرتے ہیں سو تم بہ کثرت آمین کہا کرو۔

(سنن ابن ماجہ ص ۶۱ ' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب ' کراچی)

آمین بالجہر کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ ولا الضالین پڑھتے تو بہ آواز بلند فرماتے آمین۔ (سنن ابوداؤد ج ا ص ۱۳۵۔۱۳۴ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان۔ لاہور)

امام ترمذی نے اس حدیث کو اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں رفع بہا صوتہ کی بجائے مدبہا صوتہ (آمین کو مد کے ساتھ پڑھا) ہے۔ (جامع ترمذی ص ۶۳ ' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

نیز امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھی تو آپ نے بہ آواز بلند آمین کہی۔ (سنن ابوداؤد ج ا ص ۱۳۵ ' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ' ۱۴۰۶ھ)

امام نسائی روایت کرتے ہیں :

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی ' آپ نے اللہ اکبر کہہ کر کانوں کے بالمقابل رفع یدین کیا ' پھر آپ نے سورہ فاتحہ پڑھی اور اس سے فارغ ہو کر بہ آواز بلند آمین کہی۔

(سنن نسائی ج ا ص ۱۴۰ ' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے آمین کہنا ترک کر دیا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ جب ولا الضالین پڑھتے تھے تو آمین کہتے تھے جس کو صف اول والے سنتے تھے۔ پھر آمین کی آواز سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔

(سنن ابن ماجہ ص ۶۱ ' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس حدیث کو امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس میں یہ نہیں ہے کہ آمین سے مسجد گونج اٹھتی تھی۔

(سنن ابوداؤد ج ا ص ۱۳۵ ' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ' ۱۴۰۶ھ)

فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک یہ تمام احادیث ابتداء امر اور تعلیم پر محمول ہیں۔

آمین بالسر کے متعلق احادیث

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قرآن پڑھنے والا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے اور اس کے پیچھے (نمازی) آمین کہے اور اس کا قول آسمان والوں کے موافق ہو جائے تو اس

Marfat.com

کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۷۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ فرشتوں کی موافقت جہر سے نہیں اخفاء سے حاصل ہوگی۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا پھر کہا آمین اور پست آواز سے کہا۔ (جامع ترمذی ص ۳۴، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حافظ زیلعی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام احمد، امام ابوداؤد طیالسی اور امام ابو یعلی موصلی نے اپنی مسانید میں، امام طبرانی نے اپنی معجم میں اور امام دار قطنی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

(نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۶۹، مطبوعہ مجلس علمی سورت ھند، ۱۳۵۷ھ)

امام بغوی روایت کرتے ہیں۔

شعبہ نے سلمہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کو آہستہ کہا۔

(شرح السنۃ ج ۲ ص ۲۰۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۲ھ)

ہر چند کہ امام بغوی نے اس کے مقابلہ میں سفیان کی روایت کو زیادہ صحیح کہا ہے جس میں مد بہا صوتہ ہے "آمین کو کھینچ کر پڑھا" لیکن مد کے ساتھ پڑھنا آہستہ پڑھنے کے خلاف نہیں ہے۔ نیز شعبہ کی روایت کو بھی انہوں نے صحیح کہا ہے ضعیف نہیں قرار دیا۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما (نماز میں) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم اور آمین کو بلند آواز کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے۔

(جامع الاحادیث الکبیر ج ۱۷ ص ۴۶۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

اس حدیث کو امام ابن جریر، امام طحاوی اور امام ابن الشاہین نے کتاب السنۃ میں روایت کیا ہے۔

"آمین" قرآن مجید کا جز نہیں ہے

علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

اس پر اجماع ہے کہ آمین قرآن مجید کا جز نہیں ہے، اسی وجہ سے سورہ فاتحہ اور آمین کے درمیان تھوڑا سا وقفہ کیا جاتا ہے، مجاہد سے یہ منقول ہے کہ آمین سورت کا جز ہے لیکن یہ قطعاً" باطل قول ہے، مصحف عثمان اور دیگر مصاحف میں آمین کو نہیں لکھا جاتا، اور متعدد علماء نے یہ کہا ہے کہ آمین کو قرآن کا جز ماننا کفر ہے۔

(روح المعانی ج ۱ ص ۹۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

فاتحہ خلف الامام میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی نماز (کامل) نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ کو نہ پڑھے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

marfat.com
Marfat.com

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی لکھتے ہیں :

اس حدیث سے نماز میں سورۃ فاتحہ کی قرات کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور اس سورت کا نماز میں پڑھنا متعین ہے' اس کے سوا کوئی دوسری سورت اس سے کفایت نہیں کرتی' الا یہ کہ کوئی شخص اس کی قرات سے عاجز ہو' یہ امام مالک' امام شافعی' جمہور فقہاء صحابہ' تابعین اور بعد کے علماء کا مذہب ہے' اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور ایک قلیل جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں ہے' بلکہ قرآن مجید کی کسی ایک آیت کا پڑھنا واجب ہے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جو کچھ تم آسانی سے پڑھ سکو وہ پڑھو-" (علامہ نووی نے یہ صحیح نہیں لکھا' امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض نہیں ہے کیونکہ فرضیت قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ دلیل سے حاصل ہوتی ہے اور اس حدیث کی بناء پر امام ابو حنیفہ نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کو واجب کہتے ہیں' امام اعظم کا مذہب ہم انشاء اللہ عنقریب بیان کریں گے-)

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے- "ام القرآن (سورۃ فاتحہ) کے بغیر نماز (کامل) نہیں ہوتی-" اگر انہوں نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ نماز کامل نہیں ہوتی تو یہ خلاف ظاہر ہے (بلکہ یہی ظاہر ہے کیونکہ حدیث میں ہے جس نے سورۃ فاتحہ کو نہیں پڑھا اس کی نماز ناقص ہے' یہ کلمہ آپ نے تین بار فرمایا اور ناقص کے مقابلہ میں کامل ہے' اگر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہوتا تو آپ فرماتے جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز باطل ہے- اور اس کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے وہ نماز کافی نہیں ہوتی جس میں سورۃ فاتحہ کی قرات نہ کی جائے' اس حدیث کو امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں سند صحیح کے ساتھ بیان کیا ہے' اور ابو حاتم بن حبان نے بھی بیان کیا ہے' اور جس حدیث میں ہے "جو کچھ تم آسانی سے پڑھ سکو وہ پڑھو-" وہ سورۃ فاتحہ پڑھنے پر محمول ہے کیونکہ اس کا پڑھنا آسان ہے (یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ حدیث میں لفظ "ما" ہے جو عام ہے- سعیدی غفرلہ)

اس حدیث میں امام شافعی اور ان کے موافقین کے مذہب پر دلیل ہے' جو یہ کہتے ہیں کہ امام' مقتدی اور منفرد سب پر سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے' مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنے کے وجوب کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو کیا کریں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا سورۃ فاتحہ کو دل میں پڑھو اس کا معنی ہے اس کو چپکے چپکے پڑھو جس کو تم خود سنو اور بعض مالکیہ وغیرہم نے جو اس کا یہ محمل بیان کیا ہے کہ سورۃ فاتحہ کے معانی میں تدبر کرو یہ غیر مقبول ہے' کیونکہ قرأت کا اطلاق صرف زبان کی اس حرکت پر ہوتا ہے جو سنائی دے' اسی وجہ سے اس پر اتفاق ہے کہ جنبی اور حائض اگر زبان کی حرکت کے بغیر قرآن مجید کے معانی میں تدبر کریں تو اس پر قرأت کا اطلاق نہیں ہوگا-

(شرح مسلم ج ا ص ۱۷۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ نووی کا یہ جواب بھی صحیح نہیں ہے' زبان کی جو حرکت سنائی دے خواہ آہستہ یا زور سے وہ قرأت لفظی ہے قرأت نفسی نہیں ہے' قرأت نفسی کا معنی یہی ہے کہ الفاظ کے معانی میں تدبر کیا جائے جیسا کہ علامہ نووی نے بعض مالکیہ سے نقل کیا ہے' اور اگر جنبی قرآن کے معنی میں تدبر کرے تو اس کو قرات نفسی کہہ سکتے ہیں-

فاتحہ خلف الامام میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں :

Marfat.com

صحیح مذہب یہ ہے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے' یہ امام مالک' امام اوزاعی اور امام شافعی کا مذہب ہے' امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ نماز کی صرف دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے' نخعی' ثوری اور امام ابوحنیفہ سے بھی اسی طرح روایت ہے' کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : پہلی دو رکعتوں میں قرات کرو اور دوسری دو رکعتوں میں تسبیح کرو' نیز اگر باقی رکعات میں قرات واجب ہوتی تو جہری نمازوں میں ان میں جہر سے قرات واجب ہوتی' حسن بصری سے روایت ہے کہ اگر ایک رکعت میں قرات کرلی تو کافی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (المزمل : ٢٠) تو قرآن سے جتنا (تم پر) آسان ہو پڑھ لیا کرو۔

اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر تین رکعات میں قرأت کرلی تو کافی ہے کیونکہ وہ نماز کا اکثر حصہ ہیں' ہماری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعات میں سورہ فاتحہ اور کوئی اور سورت پڑھتے تھے' پہلی رکعت میں زیادہ قرات کرتے اور دوسری میں کم' اور کبھی ہم کو قرات سناتے تھے' اور دوسری دو رکعت میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے' نیز امام بخاری اور امام مسلم کی روایت میں ہے : اس طرح نماز پڑھو' جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز (کامل) نہیں ہوتی' اور حضرت ابوسعید اور حضرت عبادہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ ہم ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کو پڑھیں' نیز جس شخص نے اچھی طرح نماز نہیں پڑھی تھی اس کو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی پہلی رکعت سکھائی تو اس کو فرمایا تمام رکعات اس طرح پڑھو اور یہ حکم تمام رکعات میں قرات کو بھی شامل ہے' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس شخص نے ایک رکعت نماز پڑھی اور اس میں قرات نہیں کی تو اس کی یہ نماز صرف امام کے پیچھے ہو سکتی ہے۔ (اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے' سعیدی غفرلہ) اس حدیث کو امام مالک نے موطا میں روایت کیا ہے' اور اس سے پہلے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر بیان کیا گیا ہے اس کی سند میں حارث اعور ہے اور اس کو شعبی نے کذاب کہا ہے' نیز حضرت عمر اور حضرت جابر نے اس کی مخالفت کی ہے۔ (المغنی ج ١ ص ٢٨٨' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ١٤٠٥ھ)

نیز علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں :

امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد کچھ دیر خاموش رہے اور آرام کرے تاکہ اس وقفہ میں مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھ لیں تاکہ مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھنے میں امام کے ساتھ کھینچا تانی نہ کریں' یہ امام اوزاعی' امام شافعی اور اسحاق کا مذہب ہے' امام مالک اور اصحاب رائے نے اس کو مکروہ کہا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکتے یاد رکھے ہیں' ایک سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد اور ایک سکتہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی قرأت کے بعد' عمران نے اس کا انکار کیا اور ان دونوں نے حضرت ابی بن کعب کو خط لکھا انہوں نے جواب دیا کہ سمرہ کو یہ حدیث محفوظ ہے' اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے کہا امام کے لیے دو سکتے ہیں ان میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کو غنیمت جانو' ایک سکتہ نماز کے شروع کے وقت ہے اور ایک سکتہ جب وہ ولا الضالین کہے' عروہ بن زبیر نے کہا میں امام کے ان دو سکتوں کو غنیمت جانتا ہوں جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہتا ہے تو میں اس وقت سورۃ فاتحہ پڑھ لیتا ہوں اور جب وہ سورت ختم کرتا ہے تو میں رکوع سے

marfat.com
Marfat.com

پہلے قرأت کرتا ہوں' یہ روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا ان کے نزدیک معروف تھا۔
(المغنی ج ۱ ص ۲۹۱' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

فاتحہ خلف الامام میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ وشتانی ابی مالکی لکھتے ہیں :

قاضی عیاض مالکی نے بیان کیا ہے کہ اشہب مالکی' ابن وہب مالکی اور کوفیوں کا قول یہ ہے کہ امام کے پیچھے کسی حال میں قرأت نہ کی جائے' صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ "سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے۔" ان سے کہا گیا کہ بعض اوقات ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں؟ حضرت ابوہریرہ نے کہا "اس وقت اپنے دل میں پڑھو" اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جب امام قرأت کرے تو اس کے معانی میں تدبر کرو' تابعین کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ امام کے پیچھے کسی حال میں قرأت نہ کی جائے' وہ کہتے ہیں کہ صرف ہونٹ ہلائے جائیں اور خود کو بھی آواز نہ آئے' اور جس نے خود کو سنایا اس نے اچھا کیا' امام مالک اور ان کے عام اصحاب اور بہت سے متقدمین نے یہ کہا ہے مقتدی امام کے ساتھ سری نمازوں میں پڑھے اور جہری نمازوں میں نہ پڑھے' امام احمد نے یہ کہا ہے کہ امام کے پیچھے سری اور جہری دونوں نمازوں میں سورہ فاتحہ پڑھے' امام شافعی کے اس میں تین قول ہیں ایک قول کوفیین کی طرح ہے' ایک قول امام احمد کی مثل ہے اور ایک قول جمہور صحابہ اور تابعین کی مثل ہے' امام احمد اور داؤد ظاہری کے نزدیک سورہ فاتحہ کا سری نمازوں میں پڑھنا فرض ہے ہمارے نزدیک اس میں اختلاف ہے' ایک قول سنت ہے اور ایک قول مستحب ہے۔
('اکمال اکمال المعلم ج ۲ ص ۱۵۰۔۱۴۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

فاتحہ خلف الامام میں فقہاء احناف کا نظریہ

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں :

مقتدی امام کے پیچھے قرأت نہ کرے' ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کا امام ہو' تو امام کی قرأت اس کی قرأت ہے (سنن ابن ماجہ و طحاوی) اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے' یہ رکن امام اور مقتدی دونوں کے درمیان مشترک ہے' لیکن مقتدی کا کام یہ ہے کہ وہ خاموش رہے اور سنے' نبی ﷺ کا ارشاد ہے' جب امام قرأت کرے تو خاموش رہو' امام محمد سے ایک روایت یہ ہے کہ احتیاطاً" قرات کرنا مستحسن ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک امام کے پیچھے قرأت کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس پر وعید ہے۔

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں :

قرآن مجید میں تمام نمازیوں کو قرات کرنے کا حکم دیا ہے فاقرءوا ما تیسر منه "جس قدر قرآن مجید آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو" اور رسول اللہ ﷺ کا بھی حکم ہے کہ کوئی نماز قرآن مجید پڑھے بغیر نہیں ہو سکتی" لیکن جب حدیث صحیح میں وارد ہے "جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرات اس شخص کی قرات ہے۔" تو اس آیت اور حدیث کے عموم کی تخصیص کرنا واجب ہے جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کا قاعدہ ہے' اس لیے مقتدی اس حکم کے عموم سے خارج ہے' نیز اس پر اجماع ہے کہ رکوع میں نماز کو پانے والا نماز کی رکعت کو پالیتا ہے حالانکہ اس رکعت میں اس نے قرات نہیں کی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ مدرک رکوع بھی قرات کے عمومی حکم سے خارج ہے' اس طرح جس حدیث میں ہے "اللہ اکبر کہو پھر تم کو جس قدر

Marfat.com

قرآن یاد ہے پڑھو" یہ بھی مقتدی کے غیر پر محمول ہے تاکہ دلائل میں تطبیق ہو' بلکہ یہ کہا جائے گا کہ مقتدی کے لیے بھی شرعاً" قرأت ثابت ہے' کیونکہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے' اگر مقتدی نے قرأت کی تو ایک نماز میں دو قرأتیں ہو جائیں گی! یہ حدیث متعدد اسانید سے حضرت جابر بن عبد اللہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے' امام دار قطنی' امام بیہقی اور امام ابن عدی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا ضعیف ہے' اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے' متعدد راویوں نے اس حدیث کو ارسال سے بیان کیا ہے' ایک سند سے امام ابو حنیفہ نے بھی اس کو مرسلاً" روایت کیا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے اور اس سے صرف نظر کر کے ہم یہ کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کو مرفوعاً" بھی روایت کیا ہے' امام محمد بن الحسن نے اپنی موطا میں روایت کیا ہے از ابو حنیفہ' از ابو الحسن موسیٰ بن ابی عائشہ از عبد اللہ بن شداد از جابر رضی اللہ عنہ از نبی ﷺ' آپ نے فرمایا جس شخص نے امام کے پیچھے نماز پڑھی تو بے شک' امام کی قرأت اس شخص کی قرأت ہے' اس حدیث کو سفیان' شریک' جریر اور ابو الزہیر نے اپنی اپنی اسانید صحیحہ کے ساتھ اپنی اپنی مسانید میں مرفوعاً" روایت کیا ہے اور سفیان کی سند امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے' اس لیے مخالفین کا اس حدیث کو مرسل قرار دینے پر اصرار کرنا باطل ہے' کیونکہ اگر ثقہ راوی کسی حدیث میں متفرد ہو تو اس کو قبول کرنا واجب ہے اور رفع ارسال پر زیادتی ہے اور ثقہ اگر متفرد ہو تب بھی اس کی زیادتی مقبول ہوتی ہے' چہ جائیکہ یہاں چار سے زائد ثقہ راوی اس حدیث کو مرفوعاً" روایت کر رہے ہیں اور ثقہ راوی کبھی حدیث کی ایک سند کو ارسال سے بیان کرتا ہے اور کبھی اتصال سے' امام ابو عبد اللہ حاکم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے نماز پڑھائی' آپ کے پیچھے ایک شخص قرأت کر رہا تھا' نبی ﷺ کے ایک صحابی اس کو نماز میں قرأت سے روکتے رہے' جب وہ شخص نماز سے فارغ ہوا تو اس نے صحابہ سے کہا کیا تم مجھ کو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز میں قرات کرنے سے منع کرتے ہو؟ وہ دونوں تکرار کرنے لگے' حتی کہ نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا' نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرات اس شخص کی قرات ہوتی ہے' امام ابو حنیفہ نے ایک روایت سے بیان کیا ہے کہ ظہر یا عصر کی نماز میں ایک شخص نے قرات کی تو اس کو ایک صحابی نے منع کیا' الحدیث اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کی اصل یہ واقعہ ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کبھی پورا واقعہ بیان کیا اور کبھی صرف اس کا حکم بیان کر دیا اور کبھی امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت کو بیان کیا۔

اس حدیث کے معارض یہ روایت ہے مجھ سے قرآن کیوں کھینچا جا رہا تھا اگر کسی مقتدی نے ضرور قرآن پڑھنا ہو تو وہ صرف سورہ فاتحہ پڑھے' اسی طرح امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہے تھے' رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید پڑھا تو آپ پر قرآن پڑھنا دشوار ہوا' جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا : شاید تم اپنے امام کے پیچھے قرآن پڑھ رہے تھے! ہم نے کہا! ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا سوا سورہ فاتحہ کے اس طرح نہ کرو کیونکہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث میں امام کے پیچھے قرآن پڑھنے سے منع کیا ہے اس کی سند زیادہ قوی ہے اور اس میں ممانعت علی الاطلاق ہے اس لیے قوت سند اور عموم کی وجہ سے وہ حدیث ان احادیث پر مقدم ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث دیگر احادیث سے موید ہے' ہرچند کہ ان کی اسانید ضعیف ہیں اور صحابہ کے مذاہب سے بھی موید ہے حتی کہ صاحب ہدایہ نے یہ کہا کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے پر اجماع صحابہ ہے' وہ احادیث حسب ذیل ہیں:

marfat.com
Marfat.com

ـ امام مالک نے اپنی موطا میں از نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کیا: جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اس کے لیے کافی ہے اور جب وہ تنہا نماز پڑھے تو قرأت کرے' اور حضرت ابن عمر امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

۲۔ امام دار قطنی نے اس حدیث کو مرفوعاً بیان کیا ہے اور یہ کہا اس کا مرفوع ہونا راوی کا وہم ہے لیکن یہ حکماً مرفوع ہے کیونکہ حضرت ابن عمر کا یہ قول رسول اللہ ﷺ سے سماع پر محمول ہے۔

۳۔ امام ابن عدی نے کامل میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کا امام ہو تو امام کی قرات اس شخص کی قرات ہے' اس حدیث کی سند میں اسماعیل ضعیف راوی ہے اس کا کوئی متابع نہیں ہے۔

امام ابن عدی کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے' بلکہ اسماعیل کا متابع ہے نضر بن عبداللہ' امام طبرانی نے معجم اوسط میں نضر بن عبداللہ از حسن اس حدیث کو روایت کیا ہے اور حسن سے سنداً اور متناً یہی روایت ہے' امام طبرانی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس سے بھی مرفوعاً روایت کیا ہے لیکن اس میں کلام ہے۔

۴۔ امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مقاسم نے حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت زید بن ثابت اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کسی نماز میں بھی امام کے پیچھے قرأت نہ کرو۔

۵۔ امام محمد بن حسن نے اپنی موطا میں اپنی سند کے ساتھ ابو وائل سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے امام کے پیچھے قرأت کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا خاموش رہو نماز میں صرف ایک شغل ہے اور تمہارے لیے امام کافی ہے' اور اسی کتاب میں حضرت سعد کے بعض بیٹوں سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے اس کے منہ میں انگارے ڈال دوں' اس کو امام عبدالرزاق نے بھی روایت کیا ہے مگر ان کی روایت میں ہے میں اس کے منہ میں پتھر ڈال دوں۔

۶۔ امام محمد نے اپنی موطا میں اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرتا ہے کاش اس کے منہ میں پتھر ہوتے' اس اثر کو امام عبدالرزاق نے بھی روایت کیا ہے۔

۷۔ امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ ابو جمرہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کیا میں امام کے ہوتے ہوئے قرأت کروں؟ انہوں نے کہا نہیں!

۸۔ امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرو خواہ جہری نماز ہو یا سری۔

۹۔ امام عبدالرزاق نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے فطرت میں خطا کی۔

۱۰۔ امام نسائی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کیا ہر نماز میں قرأت ہے فرمایا ہاں' انصار کے ایک شخص نے کہا قرأت واجب ہو گئی' حضرت ابو درداء کہتے ہیں میں نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا اور

Marfat.com

کہا جب امام کسی قوم کو نماز پڑھائے تو اس کی قرأت قوم کے لیے کافی ہے۔ اگر مو خرالذکر نبی ﷺ کا کلام نہ ہو بلکہ حضرت ابو درداء کا کلام ہو تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پہلے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کریں کہ ہر نماز میں قرأت ہے‘ پھر امام کی قرأت کو مقتدی کی قرأت قرار دیں‘ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ان کو یہ علم ہو کہ نبی ﷺ نے مقتدی کی قرأت کو امام کی قرأت قرار دیا ہے۔

اسی (٨٠) کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے امام کے پیچھے قرأت کی ممانعت منقول ہے‘ ان میں حضرت علی المرتضیٰ‘ حضرت عبداللہ بن مسعود‘ حضرت عبداللہ بن عمر‘ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے اسماء شامل ہیں‘ اور محدثین نے ان تمام صحابہ کے اسماء کو ضبط کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ قرأت نماز کا ایک رکن ہے اور اس میں امام اور مقتدی دونوں مشترک ہیں‘ ہم کہتے ہیں کہ دونوں مشترک ہیں لیکن مقتدی کا حصہ قرآن مجید سننا اور خاموش رہنا ہے‘ کیونکہ قرات سے مطلوب تدبر اور تفکر ہے اور اس پر عمل کرنا ہے‘ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ (ص : ٢٩) یہ (قرآن مجید) مبارک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی ہے تاکہ وہ اس کی آیات میں غور کریں۔

اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو گا جب وہ قرآن مجید کو سنیں گے‘ جیسے جمعہ کا خطبہ وعظ اور تذکیر کے لیے مشروع کیا گیا ہے تو اس کا سننا واجب ہے تاکہ اس کا فائدہ حاصل ہو یہ نہیں کہ ہر شخص اپنے نفس کو خطبہ دینے لگے‘ اس کے برخلاف باقی ارکان خشوع کے لیے مشروع کئے گئے ہیں اور خشوع رکوع اور سجود سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ وجہ تو صرف جہری نماز میں درست ہو سکتی ہے اور قرات خلف الامام کا اختلاف تو سری نماز میں بھی ہے‘ اس میں یہ فائدہ کس طرح حاصل ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے سننے کا اور خاموش رہنے کا:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الانفال : ٢٠٤) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔
امام مسلم نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے (صحیح مسلم ج ا ص ١٧٤‘ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید اور احادیث میں دو چیزوں کا حکم ہے‘ سننے کا اور خاموش رہنے کا اور جب امام زور سے قرأت نہ کرے اور اس کے لیے سننا ممکن نہ ہو تو اس کے لیے خاموش رہنا تو ممکن ہے‘ محیط میں مذکور ہے کہ مقتدی سے قرأت ساقط نہیں ہوئی لیکن امام کی قرأت اس کی قرأت ہے حتیٰ کہ وہ امام کے ساتھ قیام میں شریک ہو جائے جو قرأت کا محل ہے‘ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہم یہ نہیں مانتے کہ مقتدی کے لیے بھی قرأت رکن ہے کیونکہ اگر مقتدی کو رکعت فوت ہونے کا خوف ہو (اور وہ رکوع میں مل جائے) تو اس کی نماز جائز ہے‘ خواہ وہ بالکل قرأت نہ کرے اور اس کے جواز پر اجماع ہے مثلاً جب ایک شخص امام کو رکوع میں پائے‘ اور اگر مقتدی کے لیے بھی قرأت رکن ہوتی تو اس عذر کی وجہ سے اس سے قرات ساقط نہ ہوتی‘ جیسے رکوع اور سجود اس سے ساقط نہیں ہوتے‘ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا رکوع کے فوت ہونے کے خدشہ سے قیام ساقط نہیں ہوتا؟ تو ہم کہیں گے نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص رکوع کی حالت میں اللہ اکبر کہے تو یہ

marfat.com
Marfat.com

جائز نہیں ہے' بلکہ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہے' البتہ قیام کا امتداد رکوع کے فوت ہونے کے خدشہ کی وجہ سے اس سے ساقط ہو جاتا ہے اور قیام کا فرض اونی قیام سے حاصل ہو جاتا ہے جیسے رکوع مطلقاً" جھکنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۹۷۔۲۹۳' ملخصاً و موضحاً' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

امام دار قطنی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس نے امام کی پشت سیدھی ہونے سے پہلے امام کو رکوع میں پالیا اس نے نماز (کی رکعت) کو پالیا۔ (سنن دار قطنی ج ۱ ص ۳۴۷' مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

شرح صحیح مسلم جلد اول میں ہم نے قرات خلف الامام کے موضوع پر مزید دلائل تحریر کئے ہیں۔

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ کو میں نے تفسیر تبیان القرآن کا مقدمہ لکھنا شروع کیا' اور اس دوران سفر حج کی تیاریوں میں بھی مصروف رہا' سفر حج سے پہلے میں نے یہ مقدمہ مکمل کر لیا' اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم ہے کہ اس نے مجھے حج اکبر عطا فرمایا' چالیس روز حرمین طیبین میں بسر ہوئے۔ تقریباً" ایک ماہ سفر کی تھکاوٹ اتارنے میں گزرا اور آج تیس صفر ۱۴۱۵ھ کو سورہ فاتحہ کا ترجمہ اور اس کی تفسیر مکمل ہو گئی۔ فالحمدللہ۔

الٰہ العلمین! جس طرح آپ نے مجھے سورہ فاتحہ کا ترجمہ اور تفسیر مکمل کرنے کی توفیق' ہدایت اور سعادت عطا کی ہے۔ اسی طرح باقی قرآن مجید کا ترجمہ اور اس کی تفسیر کی بھی توفیق' ہدایت اور سعادت سے سرفراز فرمائیں اور اس تفسیر کو موافقین کے لیے استقامت' مخالفین کے لیے ہدایت اور میرے لیے نجات کا ذریعہ اور صدقہ جاریہ بنائیں' مجھے' میرے والدین' احباب اور میرے قارئین کو دنیا اور آخرت کی ہر بلا اور عذاب سے محفوظ رکھیں اور دارین کی سعادتوں کو ہمارے لیے مقدر کر دیں۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم النبیین شفیع المذنبین قائد الغر المحجلین و علٰی اٰلہ الطیبین الطاھرین و علٰی اصحابہ الکاملین التراشدین وعلٰی اولیاء امتہ و علمآء ملتہ اجمعین۔

Marfat.com

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ

(۲)

Marfat.com

سورہ بقرہ کا تعارف

سورہ بقرہ قرآن مجید کی سب سے طویل سورت ہے' اور یہ مدنی سورت ہے' علامہ واحدی نیشاپوری نے لکھا ہے کہ عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ مدینہ میں جو سورت سب سے پہلے نازل ہوئی وہ سورۃ البقرۃ ہے۔ (اسباب النزول ص : ۱۱)

مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی تمام سورتوں میں مسلمانوں کے انفرادی اور اجتماعی نظام حیات' عبادات' سیاسیات' معاشیات' اقتصادیات' اور عمرانیات کے اصول اور احکام بیان کئے گئے ہیں اس کے برخلاف مکی سورتوں میں اعتقادیات اور اخلاقیات پر زیادہ زور دیا گیا ہے' کیونکہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی اپنی ریاست قائم ہو چکی تھی' اور نظام مملکت کو چلانے کے لیے جن اصول اور قواعد کی ضرورت ہوتی ہے اور مسلمانوں کی تمدنی زندگی کی فوز و فلاح اور عبادات کے اجتماعی نظام کے لیے جن ہدایات کی احتیاج ہو سکتی ہے وہ سب ان مدنی سورتوں میں نازل کی گئیں۔

عقائد اسلامیہ کی اساس ایمان بالغیب ہے' اور بغیر دیکھے اللہ تعالیٰ کو واحد لاشریک ماننا ہے' اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا ہے اور تمام آسمانی کتابوں کو ماننا ہے' جزاء اور سزا کا اقرار کرنا ہے اور اعمال صالحہ میں ہمہ گیر اور ہمہ جہت عبادت نماز کو قائم کرنا ہے اور طبقاتی منافرت کا سدباب کرنے کے لیے اہم عبادت زکوۃ کو ادا کرنا ہے۔ اس لیے سورہ بقرہ ایمان بالغیب' اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوۃ کے بیان سے شروع ہوتی ہے۔ پھر آگے چل کر اس سورت میں شریعت اسلامیہ کو وضاحت سے بیان کیا ہے اور عبادات اور معاملات کی تفصیل کی گئی ہے اور اقامت صلوۃ اور ایتاء زکوۃ کے علاوہ تحویل قبلہ توحید پر دلائل' ماہ رمضان کے روزوں' بیت اللہ کے حج' جہاد فی سبیل اللہ' انفاق فی سبیل اللہ' والدین اور قرابت داروں کے حقوق' زکوۃ اور صدقات کے مصارف' یتیموں کی کفالت' عائلی زندگی کے اصول اور احکام میں نکاح' طلاق' رضاع' عدت اور ایلاء کو بیان کیا گیا ہے' قسم کھانے کا شرعی حکم' جادو کا حرام ہونا' قتل ناحق کی ممانعت' قاتل پر قصاص کو واجب کرنا' ناجائز طریقوں سے لوگوں کا مال کھانے کی ممانعت' شراب' جوئے اور سود کی حرمت' ایام حیض میں عمل ازدواج کی ممانعت' عورتوں سے عمل معکوس کرنے کی تحریم کو بیان کیا ہے۔

اسی سورت میں ایک آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی وحدت اور اس کی اہم صفات کا بیان ہے اور یہ آیت الکرسی ہے (البقرۃ : ۲۵۴) اسی سورت میں وہ آیت ہے جو قرآن مجید کی سب سے طویل آیت ہے اس کو آیت مداینہ کہتے ہیں' اس آیت میں قرض دینے' قرض کو لکھنے اور کاروباری معاملات میں مردوں اور عورتوں کو گواہ بنانے' رہن رکھنے' لات لوا کرنے اور گواہی چھپانے کی ممانعت کو بیان کیا ہے۔ (البقرۃ : ۲۸۲) اسی سورت میں ایک ایسی آیت ہے جو قرآن مجید کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت ہے۔

اور وہ آیت ہے :

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (البقرۃ : ۲۸۱)

اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے' پھر ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں صرف مشرکین تھے' اس لیے مکی سورتوں میں صرف توحید اور آخرت پر ایمان لانے پر زور دیا ہے۔ مدینہ میں پہنچ کر جب مختلف قبائل نے اسلام قبول کر لیا اور انصار کی وجہ سے مدینہ میں مسلمانوں کی

Marfat.com

ریاست قائم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے قانون' سیاست' معیشت' معاشرت اور تمدن اور ثقافت کے متعلق بھی اصول اور ہدایات نازل فرمائیں' یہاں مسلمانوں کا مقابلہ یہود سے تھا' حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گزرے ہوئے تقریباً ۱۹ صدیاں گزر چکی تھیں اور اس عرصہ میں یہود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور تورات کو بالکل مسخ کر دیا تھا' اور تورات میں لفظی اور معنوی تحریف ہو چکی تھی' مدینہ منورہ میں یہود کے علاوہ منافقین بھی تھے' یہ منافقین کئی قسم کے تھے' سورہ بقرہ میں کفار و مشرکین' یہود و نصاریٰ اور منافقین سب کے متعلق آیات نازل کی گئی ہیں۔

سورہ فاتحہ میں اس دعا کی تعلیم دی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کی جائے اور اس دعا کی استجابت کے طور پر سورہ بقرہ میں مسلمانوں کے لیے صراط مستقیم بیان کی گئی ہے اور کامل مومنوں کی صفات بیان کی گئی ہیں اور ان کے مخالف کفار اور مشرکین کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں' اس سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا اور آخرت کی سعادت کا مبنیٰ دین اسلام کی اتباع اور شریعت اسلام پر استقامت ہے اس سورت کا خاتمہ اللہ تعالیٰ سے اس دعا پر ہے کہ وہ مشکل اور دشوار احکام ہم سے اٹھا لے اور کفار کے مقابلہ میں ہم کو فتح اور نصرت عطا فرمائے اور اپنے فضل اور احسان سے ہم کو ایمان اور اسلام پر ثابت قدم رکھے۔

سورہ بقرہ کی وجہ تسمیہ

سورہ بقرہ کا نام بقرہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں بقرہ (گائے) کا ذکر ہے' قرآن مجید کی تمام سورتوں کے نام توقیفی ہیں اور ادنیٰ مناسبت سے رکھے گئے ہیں۔ بعض احادیث سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس سورت کو سورہ بقرہ کہنا منع ہے۔ حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں : امام بیہقی نے شعب الایمان میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : سورہ بقرہ نہ کہو' نہ سورہ آل عمران اور نہ سورہ نساء اسی طرح پورا قرآن' لیکن یوں کہو کہ یہ وہ سورت ہے جس میں بقرہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور یہ وہ سورت ہے جس میں آل عمران کا ذکر کیا جاتا ہے' اسی طرح پورے قرآن کی سورتوں کے متعلق کہو' اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر کا یہ قول روایت کیا ہے کہ سورہ بقرہ نہ کہو لیکن یہ کہو کہ یہ وہ سورت ہے جس میں بقرہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۱۸' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ النجفی ایران)

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں اس طرح سورتوں کا نام رکھنے سے منع کیا گیا تھا' کیونکہ کفار ان سورتوں کا نام لے کر ان کا مذاق اڑاتے تھے' پھر جب اسلام کا غلبہ ہو گیا او قرآن کریم کا نور ہر طرف پھیل گیا تو یہ ممانعت منسوخ ہو گئی کیونکہ بہ کثرت احادیث اور آثار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے اس سورت پر سورہ بقرہ کا اطلاق کیا ہے۔

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں' امام احمد' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام ترمذی' امام نسائی' امام ابن ماجہ اور امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں اپنی اپنی اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے حضرت حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رمضان کی ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی' آپ نے بقرہ شروع کی' میں نے دل میں کہا شاید آپ پوری سورت ایک رکعت میں پڑھیں گے' پھر آپ نے نساء شروع کی' اور اس کو پڑھا' پھر آپ نے آل عمران شروع کی

marfat.com
Marfat.com

اور اس کو آہستہ آہستہ پڑھا' جب آپ ایسی آیت پڑھتے جس میں تسبیح کا ذکر ہوتا تو آپ سبحان اللہ پڑھتے اور جب آپ سوال کی آیت پڑھتے تو سوال کرتے اور جب تعوذ کی آیت پڑھتے تو اعوذ باللہ پڑھتے۔

امام احمد' امام ابن الضریس اور امام بیہقی نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہی تھی آپ نے بقرہ' آل عمران' اور نساء کو پڑھا' جب آپ بشارت والی آیت کو پڑھتے تو دعا کرتے اور جب آپ ڈرانے والی آیت کو پڑھتے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے۔

امام ابوداؤد' امام ترمذی نے شمائل میں' امام نسائی اور امام بیہقی نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی' آپ نے سورہ بقرہ پڑھی' آپ جب بھی کسی رحمت کی آیت کو پڑھتے تو ٹھہر کر سوال کرتے اور جب بھی کسی عذاب کی آیت کو پڑھتے تو رک کر اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتے' پھر آپ نے جتنا قیام کیا تھا اتنا ہی رکوع کرتے اور رکوع میں یہ پڑھتے سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ پھر اتنا ہی لمبا سجدہ کرتے اور سجدہ میں بھی یہی کلمات فرماتے' پھر کھڑے ہو کر آپ نے آل عمران پڑھی' پھر ایک ایک سورت پڑھی۔

امام ابوعبید' امام احمد' امام حمید بن زنجویہ نے فضائل القرآن میں' امام مسلم' امام ابن الضریس' امام ابن حبان' امام طبری' امام بوذر ھروی نے فضائل قرآن میں امام حاکم اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں اپنی اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے اصحاب کی شفاعت کرنے والا ہو گا' زھراوین (یعنی) سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن بادلوں کی طرح آئیں گی' یا صف باندھے ہوئے پرندوں کی طرح آئیں گی' اور اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کریں گی' سورہ بقرہ پڑھا کرو' کیونکہ اس کا پڑھنا برکت ہے اور اس کا ترک کرنا حسرت ہے اور بدکار لوگ اس کو پڑھنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۱۸' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی النجفی ایران)

ان احادیث اور آثار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران وغیرھا فرمایا ہے' اس سے واضح ہوا کہ سورہ بقرہ کہنا جائز ہے' نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت کے آداب میں سے یہ ہے کہ مثلاً رحمت کی آیت پڑھی جائے تو اللہ سے رحمت کے حصول کی دعا کی جائے اور عذاب کی آیت پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ سے عذاب سے پناہ طلب کی جائے' اور رات کی نفل نمازوں میں اس طرح قرآن کریم پڑھنا جائز ہے اور آپ کی سنت ہے۔

سورہ بقرہ کے محل نزول اور آیات اور حروف کی تعداد کا بیان

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

سورہ بقرہ مدنی ہے' یہ کافی عرصہ تک نازل ہوتی رہی ہے' یہ مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی سب سے پہلی سورت ہے' اس کی ایک آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اور وہ ہے واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ (البقرہ: ۲۸۱) یہ آخری آیت ہے جو آسمان سے نازل ہوئی۔ یہ حجۃ الوداع میں یوم نحر (عید الاضحی) کو منیٰ میں نازل ہوئی ہے۔ اور سود کی حرمت کی آیات بھی قرآن مجید کی آخری آیتوں میں سے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۵۲'

Marfat.com

مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

یہ قرآن مجید کی سب سے طویل سورت ہے' جیسے سب سے قصیر سورت' سورہ کوثر ہے' اور اس میں آیت مداینہ (البقرہ : ۲۸۲) ہے جو قرآن مجید کی سب سے طویل آیت ہے جیسے والضحی اور والفجر قرآن مجید کی سب سے قصیر آیات ہیں۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں :

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ سورت ایک ہزار خبر' ایک ہزار امر' اور ایک ہزار نہی پر مشتمل ہے' اور شمار کرنے والوں نے بتایا ہے کہ اس سورت میں دو سو ستاسی آیات ہیں' چھ ہزار اسی کلمات ہیں اور پچیس ہزار پانچ سو حروف ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۶۷۔ ۷۰ ، مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ)

سورہ بقرہ کے فضائل میں احادیث اور آثار

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

نواس بن سلیمان کلابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن قرآن مجید اور ان پر عمل کرنے والوں کو لایا جائے گا ان کے آگے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ہوں گی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سورتوں کی تین مثالیں بیان فرمائیں جن کو میں آج تک نہیں بھولا' فرمایا وہ ایسی ہیں جیسے دو بادل ہوں' یا دو سیاہ سائبان ہوں جن کے درمیان نور ہو' یا صف باندھے ہوئے پرندوں کی دو قطاریں ہوں' وہ سورتیں اپنے پڑھنے والوں کی وکالت اور حمایت کریں گی۔

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا فرمائے گا جو بادل' سائبان یا پرندوں کی قطاروں کی طرح ہوں گی اور قرآن پڑھنے والوں اور قرآن پر عمل کرنے والوں پر سایہ کریں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے' ناگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آواز سنی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اوپر اٹھایا' حضرت جبرائیل نے کہا یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جس کو صرف آج کھولا گیا ہے اور آج سے پہلے کبھی نہیں کھولا گیا' پھر اس سے ایک فرشتہ نازل ہوا' حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا یہ فرشتہ جو آج نازل ہوا ہے آج سے پہلے کبھی نازل نہیں ہوا' اس فرشتے نے سلام کیا اور کہا آپ کو ان دو نوروں کی بشارت ہو جو آپ کو دیئے گئے ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے' ایک سورہ فاتحہ اور دوسرا سورہ بقرہ کا آخری حصہ' ان میں سے آپ جو حرف بھی پڑھیں گے آپ کو اس کا مصداق مل جائے گا۔

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات کو سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھے گا وہ اس کو کافی ہوں گی۔

یعنی ناگہانی مصائب اور شیطان کی فتنہ انگیزیوں سے اس کی حفاظت کریں گی۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اے ابوالمنذر کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے نزدیک کتاب اللہ کی سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟ میں نے عرض کیا : اللہ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے' آپ نے فرمایا تمہارے نزدیک کتاب اللہ کی سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟ میں نے عرض کیا : اللہ لا الہ الا ھو الحی

marfat.com
Marfat.com

القیوم (آیت الکرسی) آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا اے ابوالمنذر! تمہیں یہ علم مبارک ہو۔
(صحیح مسلم ج اص ۲۷۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی '۱۳۷۵ھ)

آیت الکرسی کی ایک وجہ فضیلت یہ ہے کہ اس میں اسم ظاہر' اسم صفت اور اسم ضمیر کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا سترہ مرتبہ ذکر ہے اور کسی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ کا اتنی بار ذکر نہیں ہے۔

امام نسائی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ' شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے جس میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ بہت خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتے تھے' وہ کہتے ہیں کہ ایک رات میں سورہ بقرہ پڑھ رہا تھا اس وقت میرا گھوڑا بندھا ہوا تھا اور میرا بیٹا یحییٰ میرے قریب لیٹا ہوا تھا' وہ اس وقت کم سن بچہ تھا' اچانک وہ گھوڑا اچھلنے لگا' میں کھڑا ہو گیا مجھے اس وقت صرف اپنے بیٹے یحییٰ کے متعلق تشویش تھی' پھر گھوڑا پرسکون ہو گیا' اور میں نے وہ سورت پڑھنی شروع کر دی' گھوڑا پھر اچھلنے لگا' میں پھر کھڑا ہو گیا اور مجھے صرف اپنے بیٹے یحییٰ کی فکر تھی' میں نے پھر پڑھنا شروع کیا او گھوڑے نے پھر اچھلنا شروع کیا اچانک میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان سے ایک سائبان کی طرح کوئی چیز اتر رہی ہے جس میں روشن چراغ ہیں' میں خوفزدہ ہوا اور صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا' آپ نے فرمایا اے ابویحییٰ پڑھو' میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب میں نے پڑھا تو گھوڑا اچھلنے لگا اور مجھے اپنے بیٹے کی فکر تھی' آپ نے فرمایا اے ابن حضیر! پڑھو وہ کہتے ہیں میں نے پڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سر کے اوپر سائبان کی شکل کوئی چیز تھی اور اس میں چراغ روشن تھے' میں خوفزدہ ہو گیا آپ نے فرمایا یہ فرشتے ہیں جو تمہاری آواز کی وجہ سے قریب آئے ہیں۔ اگر تم صبح تک پڑھتے رہتے تو لوگ ان کو دیکھ لیتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ صدقہ کی کھجوروں کی حفاظت کر رہے تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی ہاتھ کھجوریں لے رہا ہے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا تم اس کو پکڑنا چاہتے ہو تو یہ کہو:

"سبحان ہے وہ ذات جس نے تجھ کو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسخر کر دیا۔"

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ ناگاہ وہ ایک جن تھا جو میرے سامنے کھڑا ہوا تھا' میں نے اس کو پکڑ لیا تاکہ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آؤں' اس نے کہا میں نے فقراء جن کے لیے یہ کھجوریں لی تھیں اور میں دوبارہ ہرگز نہیں آؤں گا' حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں وہ پھر آیا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا تم اس کو پکڑنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں! آپ نے فرمایا کہنا سبحان ہے وہ جس نے تجھ کو (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسخر کر دیا' پھر دوبارہ جب میں نے اس کو پکڑ لیا اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جانے لگا تو اس نے عہد کیا کہ وہ آئندہ نہیں آئے گا' تیسری بار پھر ایسا ہی ہوا تو میں نے انہی کلمات کی برکت سے اس کو پکڑا اور کہا کہ تم مجھ سے عہد کرتے ہو اور جھوٹ بولتے ہو اور پھر آجاتے ہو اس دفعہ میں تم کو ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا' اس نے کہا تم مجھے چھوڑ دو' میں تم کو ایسے کلمات سکھاتا ہوں کہ اگر تم وہ کلمات پڑھ لو تو کوئی مذکر یا مونث جن تمہارے قریب نہیں آسکے گا' میں نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں؟ اس نے کہا ہر صبح اور شام کو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو میں نے اس کو چھوڑ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا آپ نے مجھ سے فرمایا: کیا تم کو نہیں معلوم ان کلمات (آیت

marfat.com
Marfat.com

الکرسی) کی یہی تاثیر ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہماری (دوسرے) لوگوں پر تین وجہ سے فضیلت ہے' تمام روئے زمین ہمارے لیے مسجد بنادی گئی ہے اور اس کی مٹی ہمارے لئے ذریعہ طہارت بنادی گئی ہے' اور ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح ہیں اور ہم کو یہ آیات دی گئی ہیں سورہ بقرہ کی آخری آیات جو عرش کے نیچے سے نازل ہوئی ہیں' جو مجھ سے پہلے کسی کو دی گئی ہیں اور نہ میرے بعد کسی کو دی جائیں گی۔

(السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۱۵۔ ۱۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں :

امام دارمی کعب سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے بقرہ اور آل عمران کو پڑھا' قیامت کے دن وہ سورتیں کہیں گی اے ہمارے رب اس سے مواخذہ نہ کر۔

امام ابو عبید نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے تو شیطان اس گھر سے نکل جاتا ہے۔

امام دارمی' امام طبرانی' امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہر چیز کا ایک کوہان ہوتا ہے اور قرآن مجید کا کوہان سورہ بقرہ ہے۔ جب کسی گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔

امام وکیع' امام حارث بن ابی اسامہ' امام محمد بن نصر اور امام ابن الضریس نے سند صحیح کے ساتھ حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن میں افضل سورہ بقرہ ہے اور اس میں ایک آیت سب سے عظیم ہے وہ آیت الکرسی ہے اور جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جائے تو شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے۔

(الدر المنثور ج ا ص ۲۰۔ ۱۹ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی النجفی' ایران)

---

marfat.com
Marfat.com

سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ

آیاتہا ۲۸۶ — رکوعاتہا ۴۰

آیتیں ۲۸۶ سورۃ بقرہ مدنی ہے رکوع ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

الٓمٓ ۚ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ ۖ فِيْهِ ۛ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ ﴿۲﴾

الف لام میم ○ (یہ) وہ عظیم الشان کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے، یہ ان متقین کیلئے ہدایت ہے ○

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ

(ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں ○ اور یہ لوگ اس (کلام) پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل

اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۗ ﴿۴﴾

کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور یہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں ○

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

وہی (کامل متقی) اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں، اور وہی فلاح پانے والے ہیں ○

الٓمٓ ۚ ﴿۱﴾

الف لام میم ○

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو ان حروف مقطعات کے ساتھ شروع فرمایا تاکہ قرآن مجید کے وصف اور اس کے اعجاز پر تنبیہ ہو اور اس چیلنج کی طرف اشارہ ہو کہ کوئی انسان قرآن مجید کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل بھی نہیں لا سکتا اور یہ اللہ کا کلام ہے جس کے مشابہ کسی بشر کا کلام نہیں ہے گویا اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا کہ یہ قرآن عربوں کی لغت اور ان کے حروف تہجی مثل الف، لام، میم سے مرکب ہو کر نازل ہوا ہے، اگر یہ کسی انسان کا کلام ہے تو انہی حروف سے ایک کلام بنا کر تم بھی لے آؤ کیونکہ یہ ان حروف تہجی سے مرکب ہے جن سے ہر اہل زبان عرب کلام کرتا ہے، اس کے باوجود جب تم اس کلام کی نظیر

Marfat.com

لانے سے ہمیشہ عاجز رہے تو پھر مان لو یہ انسان کا نہیں اللہ کا کلام ہے۔

حروف مقطعات کے علم کی تحقیق

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا "الم" اور اس کی مثل دیگر حروف مقطعات کا معنی کسی کو معلوم ہے یا نہیں! ایک قول یہ ہے کہ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ سے اس قسم کی روایات منقول ہیں۔

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں :

خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کی مراد یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان اسرار اور رموز ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور کو ان حروف مقطعات پر مطلع کرنے کا قصد نہیں کیا گیا' اور یہ نہیں ہو سکتا کہ حضور ﷺ کو بھی ان حروف کے معانی کا علم نہ ہو ورنہ لازم آئے گا کہ غیر مفید کلام کے ساتھ حضور ﷺ سے خطاب کیا گیا اور یہ بہت بعید ہے۔ (انوار التنزیل مع الخفاجی' ج ا ص ۱۷۸ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۲۸۳ھ)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

ظن غالب یہ ہے کہ حروف مقطعات کا علم مخفی ہے' علماء اس کی تاویل سے عاجز ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر کتاب کے اسرار ہوتے ہیں اور قرآن مجید کے اسرار اوائل سور ہیں' امام شعبی نے کہا اللہ تعالیٰ کے اسرار کی کھوج نہ لگاؤ' اس لیے رسول اللہ ﷺ کے بعد ان کی معرفت صرف اولیاء کرام کو ہے جو وارث علم رسول ہیں' ان کو اسی دربار سے معرفت حاصل ہوتی ہے اور بعض اوقات یہ حروف خود ان کو اپنا معنی بتا دیتے ہیں' نبی ﷺ کے مبارک ہاتھوں میں سنگریزوں نے تسبیح کا نطق کیا' اور گوہ اور ہرن نبی ﷺ سے ہم کلام ہوئے۔ بعض علماء نے کہا اگر ان حروف کا کوئی معنی نہ ہو تو یہ مہمل ہوں گے' یہ قول صحیح نہیں ہے' کیونکہ اگر یہ مراد ہو کہ تمام لوگوں کو ان حروف کا معنی معلوم ہو تو یہ ضروری نہیں اور اگر یہ مراد ہو کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کا معنی معلوم ہو تو کوئی مومن اس میں شک نہیں کر سکتا اور ہر صاحب ایمان کا یہ ایمان ہے کہ نبی ﷺ کو ان حروف کے معنی معلوم ہیں۔ (روح المعانی ج ا ص ۱۰۱۔۱۰۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں اور فقہاء شافعیہ اور حنفیہ کا اس پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ کو دنیا میں متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا۔

ملا جیون لکھتے ہیں :

متشابہ کا حکم یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ اس کی مراد حق ہے' اگرچہ قیامت سے پہلے ہم کو وہ مراد معلوم نہیں ہے اور قیامت کے بعد متشابہ ہر ایک پر منکشف ہو جائے گا اور یہ امت کے حق میں ہے اور بہرحال نبی ﷺ کو متشابہات کا قطعی طور پر علم ہے' ورنہ آپ کو ان سے خطاب کرنے کا فائدہ باطل ہو جائے گا اور یہ مہمل کلام سے خطاب کرنے کی طرح ہو گا جیسے حبشی کے ساتھ عربی میں گفتگو کی جائے اور یہ تقریر ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی کے نزدیک تمام راسخین فی العلم کو متشابہات کا علم ہے۔ (نور الانوار ص ۹۳' مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی کراچی)

قاضی ثناء اللہ مظہری نقشبندی لکھتے ہیں :

میرے نزدیک حق یہ ہے کہ حروف مقطعات متشابہات میں سے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ

marfat.com
Marfat.com

وسلم کے درمیان اسرار ہیں' ان حروف سے عام لوگوں کو سمجھانے کا قصد نہیں کیا گیا بلکہ صرف رسول اللہ ﷺ کو ان حروف سے افہام مقصود تھایا رسول اللہ ﷺ اپنے کامل متبعین میں سے جن کو چاہیں ان کا معنی سمجھا دیں۔ (الی قولہ) علامہ سجاوندی نے کہا ہے کہ یہ حروف مقطعات اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ کے درمیان اسرار ہیں اور کبھی محبین کے درمیان کچھ کلمات بہ طور معمہ ہوتے ہیں' ان میں یہ اشارہ ہوتا ہے کہ ان کلمات کو محرمان راز کے سوا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

ایک قول یہ ہے کہ حروف مقطعات اور متشابہات کا علم اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے ساتھ مخصوص کر لیا ہے' ان کا علم نبی ﷺ کو عطا کیا ہے اور نہ آپ کے متبعین کو یہ قول بہت بعید ہے' کیونکہ خطاب افہام کے لیے ہوتا ہے' اگر ان حروف سے افہام نہ ہو تو ان سے خطاب کرنا مہمل کلمات سے خطاب کرنے کی طرح ہو گا' یا جیسے عربی کے ساتھ ہندی میں خطاب کیا جائے' نیز پورا قرآن بیان اور ہدایت نہیں رہے گا (کیونکہ جب ان الفاظ کا کوئی مفہوم حاصل نہ ہو تو ان سے ہدایت کیسے حاصل ہو گی) اور اللہ تعالیٰ نے جو یہ وعدہ فرمایا ہے :

ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَہٗ (القیامہ : ۱۹) پھر اس قرآن کا بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے۔

اس وعدہ کا خلاف لازم آئے گا' (اسی طرح الرحمان علم القرآن کا بھی خلاف لازم آئے گا' کیونکہ حروف مقطعات بھی قرآن ہیں اور رحمان نے ان کو نہیں سکھایا) اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن خواہ محکم ہو یا متشابہ' نبی ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا بیان واجب اور ضروری ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں راسخین فی العلم سے ہوں اور میں ان علماء سے ہوں جن کو ان کی تاویل کا علم ہے۔ اسی طرح مجاہد سے مروی ہے' حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر حروف مقطعات کی تاویل کو ظاہر فرما دیا ہے اور ان کے اسرار کو بیان کر دیا ہے لیکن عام لوگوں کے لیے ان کا بیان ممکن نہیں ہے کیونکہ ان کا بیان کرنا ان کے اسرار الٰہیہ ہونے کے منافی ہے۔ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۵۔ ۱۴' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو' کوئٹہ)

شیخ محمود الحسن لکھتے ہیں :

ان حروف کو مقطعات کہتے ہیں ان کے اصلی معنی تک اوروں کی رسائی نہیں بلکہ یہ بھید ہے اللہ اور اس کے رسول کے درمیان جو بوجہ مصلحت و حکمت ظاہر نہیں فرمایا۔ (حاشیۃ القرآن ص ۳ مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی)

ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اکثر علماء ان حروف مقطعات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان اسرار قرار دیتے ہیں اور بعض علماء نے ان حروف کی تاویلات کی ہیں' علامہ بیضاوی لکھتے ہیں :

ایک قول یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات ان سورتوں کے اسماء ہیں' ایک قول یہ ہے کہ یہ تنبیہ کے لیے حروف زائدہ ہیں' ایک قول یہ ہے کہ ان حروف سے ان کلمات کی طرف اشارہ ہے جو ان حروف سے مرکب ہیں جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا الف سے مراد آلاء اللہ (اللہ تعالیٰ کی نعمتیں) ہیں اور لام سے مراد اللہ کا لطف ہے اور میم سے مراد اس کا ملک ہے' اور حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ الر' حم اور ن کے مجموعہ سے الرحمٰن مراد ہے اور یہ روایت بھی ہے کہ الم سے مراد ہے انا اللہ اعلم (میں اللہ ہی خوب جانتا ہوں) اور باقی سورتوں کے شروع میں جو حروف مقطعات ہیں ان سے بھی اسی طرح کے کلمات مراد ہیں' حضرت ابن عباس سے یہ روایت بھی ہے کہ الف سے اللہ کی طرف' لام سے جبریل کی طرف اور میم سے سیدنا محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ قرآن اللہ نے لسان جبریل سے

marfat.com
Marfat.com

سیدنا محمد ﷺ پر نازل کیا' یا ان حروف سے بعض اقوام کی مدتوں کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب نبی ﷺ کے پاس یہود آئے تو آپ نے ان پر الم البقرہ کی تلاوت کی انہوں نے حساب کر کے کہا ہم اس دین میں کیسے داخل ہوں جس کی مدت اکہتر سال ہے' رسول اللہ ﷺ مسکرائے' انہوں نے کہا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ تو آپ نے پڑھا الٓمّٓصٓ' الٓرٰ' الٓمّٓرٰ وہ کہنے لگے آپ نے ہم پر حساب مشتبہ کر دیا' اس کے علاوہ اور بھی تاویلات ہیں۔

(انوار التنزیل علی حاشیۃ الخفاجی ج ۱ ص ۱۶۷۔ ۱۷۰ ملخصاً مطبوعہ دار صادر بیروت)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ

(یہ) وہ عظیم الشان کتاب ہے جس (کے کلام اللہ ہونے) میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے ○

سورہ فاتحہ کے بعد سورہ بقرہ لانے کی مناسبت یہ ہے کہ سورہ فاتحہ میں اللہ کے بندوں نے اللہ سے صراط مستقیم کی ہدایت کا سوال کیا تھا جو انعام یافتہ لوگوں کا راستہ ہو' گمراہ اور مغضوب لوگوں کا راستہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس ہدایت کا تم نے سوال کیا ہے وہ اس کتاب میں ہے اور اس میں انعام یافتہ لوگوں کی صفات بیان کیں کہ وہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں' غیب پر ایمان لاتے ہیں' نماز قائم رکھتے ہیں' اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے خرچ کرتے ہیں' اے نبی! آپ پر جو کتاب نازل کی گئی اور آپ سے پہلے جو کتابیں نازل کی گئیں ان سب پر یقین رکھتے ہیں اور یہی لوگ دنیا میں ہدایت یافتہ ہیں اور آخرت میں فوز و فلاح پانے والے ہیں' پھر گمراہ اور مغضوب لوگوں کی نشانیاں بیان کیں کہ ان لوگوں پر تبلیغ دین کا کوئی اثر نہیں ہوتا' یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں' یہ کلمہ حق کو سننے کے لیے بہرے ہیں' اعتراف حق کے لیے گونگے ہیں' آیات اللہ کو بہ غور دیکھنے سے اندھے ہیں' ان کی آنکھوں پر بغض اور عناد کی پٹی بندھی ہوئی ہے اور یہ حق و صداقت کی طرف رجوع نہیں کریں گے!

عربی قواعد کے مطابق ذالک کسی بعید چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے آتا ہے اور یہاں کتاب کی طرف اشارہ ہے جو قریب ہے لیکن یہاں بعد رتبہ کو بعد مسافت کے قائم مقام کیا گیا ہے اس لیے اس کا معنی ہے وہ عظیم الشان کتاب۔

کتاب کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

کتب کا معنی ہے چمڑے کے دو ٹکڑوں کو سی کر ایک دوسرے کے ساتھ ملا دینا' اور عرف میں اس کا معنی ہے' بعض حروف کو لکھ کر بعض دوسرے حروف کے ساتھ ملانا' اور کبھی صرف ان ملائے ہوئے حروف پر بھی کتاب کا اطلاق ہوتا ہے' اسی اعتبار سے اللہ کے کلام کو کتاب کہا جاتا ہے اگرچہ وہ لکھے ہوئے نہیں ہیں' قرآن مجید میں ہے الم ذالک الکتاب' کتاب اصل میں مصدر ہے' پھر مکتوب کا نام کتاب رکھ دیا گیا' نیز کتاب اصل میں لکھے ہوئے صحیفہ کا نام ہے' قرآن مجید میں ہے:

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ (النساء : ۱۵۳)

اہل کتاب آپ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی صحیفہ نازل کر دیں۔

فرض اور تقدیر کے معنی میں کتاب کا لفظ مستعمل ہے' قرآن مجید میں ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

اے ایمان والو تم پر روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح

marfat.com
Marfat.com

كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (البقرہ : ۱۸۳) تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ج آپ کہئے ہمیں صرف وہی چیز پہنچے گی' جو ہمارے لیے اللہ نے مقدر کردی ہے (التوبہ : ۵۱)

کتاب کا لفظ بنانے اور شمار کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے' قرآن مجید میں ہے :

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (ال عمران : ۵۳) سو گواہی دینے والوں کے ساتھ ہمارا شمار کرلے۔

اللہ کی طرف سے حجت ثابتہ کے معنی میں بھی کتاب کا لفظ مستعمل ہے' قرآن کریم میں ہے۔

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ کیا ہم نے اس (قرآن) سے پہلے انہیں کوئی حجت ثابتہ دی ہے؟ (الزخرف : ۲۱)

فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ تم اپنی حجت ثابتہ لے آؤ' اگر تم سچے ہو! (الصافات : ۱۵۷)

کتاب کا لفظ حکم کے معنی میں بھی وارد ہے' قرآن مجید میں ہے :

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (الانفال : ۶۸) اگر پہلے سے (معاف کردینے کا) حکم' اللہ کی طرف سے نہ ہوتا تو (کافروں سے) جو (فدیہ کا مال) تم نے لیا تھا' تمہیں اس میں ضرور بڑا عذاب پہنچتا۔

قرآن مجید میں جہاں اہل کتاب کا لفظ آتا ہے تو اس کتاب سے تورات' انجیل یا یہ دونوں کتابیں مراد ہوتی ہیں۔

(المفردات ص ۴۲۵۔۴۲۳' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

کتاب کا اصطلاحی معنی یہ ہے : وہ صحیفہ جو ایسے متعدد مسائل کا جامع ہو جو جنساً" متحد ہوں اور نوعاً" اور صنفاً" مختلف ہوں اور وہ صحیفہ ابواب اور فصول پر منقسم ہو۔ جیسے کتاب الطہارۃ' کتاب الزکوۃ وغیرہ۔

اس آیت میں کتاب سے مراد آسمانی صحیفہ ہے یعنی قرآن مجید۔

ریب کا معنی

علامہ زبیدی لکھتے ہیں :

ریب کا معنی حاجت ہے' حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے کچھ یہودی گزرے' بعض نے کہا ان سے سوال کرو' اور بعض نے کہا ما رابکم الیہ تمہیں ان سے سوال کی کیا حاجت ہے؟ اور ریب کا معنی شک اور تہمت ہیں' ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ریب اس شک کو کہتے ہیں جس میں تہمت کا عنصر شامل ہو' حدیث میں ہے' جس چیز میں ریب ہو اس کو چھوڑ دو اور اس کو اختیار کرو جس میں ریب نہ ہو' حضرت ابوبکر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت کی علیک بالرائب من الامور جس چیز میں بالکل شبہ نہ ہو اس کو لازم کرلو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا یریبنی ما یریبھا جو چیز (حضرت) عائشہ کو بے قرار کرتی ہے وہ مجھے بے قرار کرتی ہے اور تہذیب میں ہے شک مع تہمت کو ریب کہتے ہیں۔

(تاج العروس ج ۱ ص ۲۸۳۔۲۸۲' مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ مصر' ۱۳۰۶ھ)

قرآن مجید میں ریب کی نفی اور اثبات کا محمل

Marfat.com

شک کی حقیقت ہے کسی چیز کا دل میں کھٹکنا اور دل کا مضطرب ہونا' شک کی ضد طمانیت ہے' آیت کا معنی یہ ہے کہ اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے میں' اس کی ہدایت اور ارشاد میں' فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے اس کے معجز اور بے مثال ہونے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے :

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (البقرہ : ۲۳)

جو کلام ہم نے اپنے عبد (مقدس) پر نازل کیا ہے' اگر تم کو اس (کے منزل من اللہ ہونے) میں شک ہے تو اس جیسی کوئی سورت (بنا کر) لے آؤ۔

اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کو اس میں شک تھا' اور پہلی آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ فی نفسہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے ایسے بلند مرتبہ پر ہے کہ اس کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی تردد نہیں ہے' اور جو شخص بھی کھلے ہوئے ذہن اور بصیرت کی آنکھوں سے اس کو پڑھے گا یا بہ غور اس کلام کو سنے گا تو اس کو اس کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شک اور شبہ نہیں ہو گا' اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی شخص اس میں شک نہیں کرتا بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے واضح اور روشن دلائل کی وجہ سے یہ شک کا محل نہیں ہے اور اس میں تردد کی کوئی گنجائش نہیں ہے' اس کے باوجود اگر کفار اور مشرکین اس میں شک کرتے ہیں تو اس کی وجہ ان کی بصیرت سے محرومی ہے' خواہش نفس کی اتباع' تکبر اور ہٹ دھرمی ہے' اور اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید ہے انہوں نے اپنے دماغ کے دریچے بند کر لیے ہیں اور وہ کسی نئی فکر کو اپنے ذہن میں آنے نہیں دیتے۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ "فیہ" ریب کی صفت ہے اور للمتقین اس کی خبر ہے اور معنی یہ ہے کہ متقین کے لیے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور جن لوگوں نے شک کیا ہے وہ متقین نہیں ہیں۔ کفار اور مشرکین ہیں۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲

یہ (کتاب) متقین کے لیے ہدایت ہے

آیا قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے یا صرف متقین کے لیے

اس جگہ فرمایا ہے کہ قرآن مجید متقین کے لئے ہدایت ہے' اور ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ یہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ (البقرہ : ۱۸۵)

رمضان کے مہینہ میں قرآن کو نازل کیا گیا ہے دراں حالیکہ وہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔

قرآن مجید کی صراط مستقیم پر دلالت ہے اور متقین کو قرآن مجید کے احکام پر عمل کی توفیق بھی نصیب ہوتی ہے' وہ قرآن مجید کے انوار سے مستنیر اور مستفید ہوتے ہیں اور قرآن مجید میں تدبر اور تفکر کرنے سے ان کے دماغ کی گرہیں کھلتی چلی جاتی ہیں اور غیر متقین کے لیے بھی قرآن کریم ہدایت ہے' نیکی اور دنیا کی خیر کی طرف رہنمائی ہے' اگرچہ وہ اس کی ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور اس کے احکام پر عمل کر کے اپنی دنیا اور آخرت کو روشن نہیں کرتے' اور جن کفار اور مشرکین نے قرآن مجید کی ہدایت کو قبول نہیں کیا' اس سے قرآن کریم کے ہدایت ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا' اگر اندھا

marfat.com
Marfat.com

آفتاب کو نہ دیکھے تو اس سے آفتاب کے روشن ہونے میں کیا فرق پڑتا ہے! اور صفراوی مزاج والا اگر شہد کی شیرینی محسوس نہ کرے تو اس سے شہد کی مٹھاس میں کیا کمی ہوتی ہے!

قرآن مجید میں جہاں فرمایا ہے کہ یہ تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ فی نفسہ قرآن مجید کی ہدایت تمام انسانوں کے لیے ہے اور یہاں جو فرمایا ہے کہ یہ متقین کے لیے ہدایت ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نتیجۃً" اور مآل کار یہ متقین ہی کے لیے ہدایت ہے کیونکہ اس ہدایت سے وہی فیضیاب ہوتے ہیں' دوسرا جواب یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تعارض نہیں ہے کیونکہ حقیقت میں انسان وہی ہیں جو متقی ہیں اور رہے غیر متقی تو وہ اس آیت کا مصداق ہیں:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۖ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۗ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ (الاعراف : ۱۷۹)

اور بے شک ہم نے دوزخ کے لیے بہت سے جن اور انسان پیدا کئے' ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں' ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں' وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے (بھی) زیادہ گمراہ ہیں۔ وہی غافل ہیں۔

اس کا تیسرا جواب یہ ہے کہ ہرچند کہ قرآن تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے لیکن چونکہ متقی انسانوں کے اعلیٰ افراد ہیں اس لیے ان ہی کا تشریفاً" اور تکریماً" ذکر کیا گیا ہے۔

تقویٰ کا صیغہ اور اس کا لغوی معنی

علامہ زبیدی حنفی لکھتے ہیں:

ابن سیدہ نے کہا ہے کہ تقویٰ اصل میں وقوی تھا' یہ فعلی کے وزن پر اسم (حاصل بالمصدر) ہے اور وقیت سے بنا ہے' واؤ کو تا سے بدل دیا یہ تقویٰ ہو گیا اسی طرح تقاۃ اصل میں وقاۃ ہے اور تجاہ اور تراث اصل میں وجاہ اور وراث ہیں وقاہ یقیہ کا معنی ہے کسی چیز کو اذیت سے محفوظ رکھنا اور اس کی حمایت اور حفاظت کرنا' قرآن مجید میں ہے مالھم من اللہ من واق (الرعد : ۳۴) "انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہے۔"

(تاج العروس ج ۱۰ ص ۳۹۶' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

تقویٰ کا معنی ہے کسی ڈرانے والی چیز سے نفس کو بچانا اور اس کی حفاظت کرنا' اور کبھی خوف کو بھی تقویٰ کہتے ہیں اور اس کا شرعی معنی ہے گناہ کی آلودگی سے نفس کی حفاظت کرنا' اور یہ ممنوعہ کاموں کے ترک سے حاصل ہوتا ہے' اور کامل تقویٰ تب حاصل ہوتا ہے جب بعض مباحات کو بھی ترک کر دیا جائے' جیسا کہ حدیث میں ہے حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے سو جو شخص مشتبہات سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا' الحدیث (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳' طبع کراچی) تقویٰ کے کئی مراتب ہیں جو حسب ذیل آیات سے ظاہر ہوتے ہیں:

(المفردات ص ۵۳۱۔ ۵۳۰' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (الاعراف : ۳۵)

پس جو لوگ گناہوں سے باز رہے اور انہوں نے نیکیاں کیں' تو ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

Marfat.com

اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ (اٰل عمران : ۱۰۲) اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ (الزمر : ۷۳) جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ جنت کی طرف گروہ در گروہ بھیجے جائیں گے۔

تقویٰ کا اصطلاحی معنی

علامہ میر سید شریف نے تقویٰ کی حسب ذیل تعریفات لکھی ہیں :

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر کے نفس کو عدم اطاعت کے عذاب سے بچانا تقویٰ ہے' اللہ تعالیٰ کی معصیت کے عذاب سے نفس کو بچانا تقویٰ ہے' اللہ تعالیٰ کے ماسوا سے خود کو محفوظ کرنا تقویٰ ہے' آداب شریعت کی حفاظت کرنا تقویٰ ہے' ہر وہ کام جو تم کو اللہ سے دور کر دے اس سے خود کو باز رکھنا تقویٰ ہے' حظوظ نفسانیہ کو ترک کرنا اور ممنوعات سے دور رہنا تقویٰ ہے' تم اپنے نفس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ دیکھو یہ تقویٰ ہے' تم اپنے آپ کو کسی سے بہتر گمان نہ کرو یہ تقویٰ ہے' ماسوی اللہ کو ترک کرنا تقویٰ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قولاً اور فعلاً اقتداء کرنا تقویٰ ہے۔

(کتاب التعریفات ص ۳۹' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ ۱۳۰۶ھ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

تقویٰ کا معنی ہے کسی ناپسندیدہ چیز سے خود کو بچانے کے لیے' اپنے اور اس چیز کے درمیان کوئی آڑ بنا لینا' اور متقی وہ شخص ہے جو اپنے نیک اعمال اور پر خلوص دعاؤں سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا لے' زر بن حبیش کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک دن فرمایا : لوگ بہت ہیں لیکن ان میں بہتر وہ ہیں جو تائب ہوں یا متقی ہوں' پھر ایک دن کہا لوگ بہت ہیں لیکن ان میں بہتر وہ ہیں جو عالم ہوں یا متعلم ہوں' ابو یزید بسطامی نے کہا متقی وہ ہے جس کا ہر قول اور ہر عمل اللہ کے لیے ہو' ابو سلیمان دارانی نے کہا متقی وہ ہے جس کے دل سے شہوات کی محبت نکال لی گئی ہو' ایک قول یہ ہے کہ متقی وہ ہے جو شرک سے بچے اور نفاق سے بری ہو' ابن عطیہ نے کہا یہ غلط ہے کیونکہ فاسق بھی اس طرح ہوتا ہے' حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا کیا آپ نے کانٹوں والا راستہ دیکھا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں! پوچھا پھر آپ نے کیا کیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے پائنچے اوپر اٹھائے اور ان سے بچ کر نکلا' حضرت ابی بن کعب نے کہا یہی تقویٰ ہے' حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا تقویٰ ہر قسم کی خیر کا جامع ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اولین اور آخرین کو وصیت کی ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۶۲-۱۶۱ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ۱۳۸۷ھ)

امام رازی لکھتے ہیں :

متقی وہ شخص ہے جو عبادات کو انجام دے اور ممنوعات سے بچے' اس میں اختلاف ہے کہ گناہ صغیرہ سے بچنا بھی تقویٰ میں داخل ہے یا نہیں' حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ اس وقت تک متقین کے درجہ کو نہیں پا سکتا جب تک ان چیزوں کو ترک نہ کر دے جن میں حرج نہ ہو اس خوف سے کہ شاید ان میں حرج ہو' حضرت ابن عباس نے فرمایا متقی وہ لوگ ہیں جو عذاب سے بچنے کے لیے خواہش نفس پر عمل نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید رکھتے ہیں۔

marfat.com
Marfat.com

امام رازی فرماتے ہیں یہاں تقویٰ سے مراد خوف خدا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء اور سورہ حج کی ابتدا میں فرمایا :

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ (النساء:۱' الحج:۱) اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔

حسب ذیل آیات میں بھی تقویٰ سے مراد خوف خدا ہے!

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ (الشعراء : ۱۰۶) جب ان کے ہم قوم نوح نے ان سے کہا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (الشعراء:۱۲۴) جب ان کے ہم قوم ھود نے ان سے کہا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (الشعراء:۱۴۲) جب ان کے ہم قوم صالح نے ان سے کہا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (الشعراء:۱۶۱) جب ان کے ہم قوم لوط نے ان سے کہا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟

اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ (الشعراء:۱۷۷) جب شعیب نے ان سے کہا کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ط (العنکبوت : ۱۶) اور ابراہیم نے جب اپنی قوم سے کہا' اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو۔

اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (اٰل عمران : ۱۰۲) اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

ہرچند کہ تقویٰ خشیت الٰہی کا نام ہے لیکن قرآن مجید میں تقویٰ توحید پر ایمان' توبہ' طاعت' ترک معصیت اور اخلاص کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى (الفتح : ۲۶) اللہ نے انہیں کلمہ توحید پر مستحکم کردیا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا (الاعراف:۹۶) اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور توبہ کرتے۔

اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ (النحل : ۲) لوگوں کو ڈراؤ کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' سو میری اطاعت کرو۔

وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ (البقرۃ : ۱۸۹) اور گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو اور اللہ کی نافرمانی نہ کرو۔

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (الحج : ۳۲) اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کی تو یہ دلوں کے اخلاص سے ہے۔

تقویٰ کا مقام بہت عظیم اور بلند ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

marfat.com
Marfat.com

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا (النحل : ۱۲۸) بے شک اللہ متقین کے ساتھ ہے۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۔ (الحجرات : ۱۳) بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے مکرم وہ ہے' جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم ہو وہ اللہ سے ڈرے' اور حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا معصیت پر اصرار نہ کرنا' اور عبادت پر مغرور نہ ہونا' تقویٰ ہے' ابراہیم بن ادھم نے کہا تقویٰ یہ ہے کہ تمہاری زبان پر مخلوق کا عیب نہ ہو' فرشتے تمہارے افعال میں عیب نہ پائیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں کوئی عیب نہ دیکھے' علامہ واقدی نے کہا تقویٰ یہ ہے کہ جس طرح تم اپنے ظاہر کو مخلوق کے لیے مزین کرتے ہو اس طرح اپنے باطن کو اللہ کے لیے مزین کرو' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو وہاں نہ دیکھے جہاں اس نے منع کیا ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ جو رسول اللہ ﷺ کی سیرت کو اپنائے اور دنیا کو پس پشت ڈال دے' اپنے نفس کو اخلاص اور وفا کا پابند کرے اور حرام اور جفا سے اجتناب کرے وہی متقی ہے اور اگر ھدی للمتقین کے سوا متقین کی فضیلت میں اور کوئی آیت نہ ہوتی تو یہی آیت کافی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ھدی للمتقین فرمایا ہے اور اس کے بعد ھدی للناس فرمایا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حقیقت میں انسان وہی ہے جو متقی ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۱۲-۲۱۱' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

تقویٰ اور متقین کے متعلق احادیث

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کوئی بندہ اس وقت تک متقین میں سے شمار نہیں ہو گا جب تک کہ وہ بے ضرر چیز کو اس خوف سے نہ چھوڑ دے کہ شاید اس میں ضرر ہو۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۵۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت میمون بن مہران نے کہا بندہ اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنا اس طرح حساب نہ کرے' جس طرح اپنے شریک کا محاسبہ کرتا ہے کہ اس کا کھانا کہاں سے آیا اور اس کے کپڑے کہاں سے آئے۔

(جامع ترمذی ص ۳۵۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ایک دوسرے سے حسد نہ کرو' تناجش (کسی کو پھنسانے کے لیے زیادہ قیمت لگانا) نہ کرو' ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو' ایک دوسرے سے روگردانی نہ کرو' کسی کی بیع پر بیع نہ کرو' اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ' مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے اس پر ظلم نہ کرے اس کو رسوا نہ کرے' اس کو حقیر نہ جانے حضور ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرکے تین بار فرمایا "تقویٰ یہاں ہے۔" کسی شخص کے برے ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو برا جانے' ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر مکمل حرام ہے' اس کا خون اس کا مال اور اس کی عزت

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

marfat.com
Marfat.com

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمۃ التقوی کی تفسیر میں فرمایا لا الہ الا اللہ
(جامع ترمذی ص ۴۷۰، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام دارمی روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارا رب یہ فرماتا ہے کہ میں ہی اس بات کا مستحق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے، سو جو شخص مجھ سے ڈرے گا تو میری شان یہ ہے کہ میں اس کو بخش دوں۔
(سنن دارمی ج ۲ ص ۲۱۳، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ایک ایسی آیت کا علم ہے کہ اگر لوگ صرف اسی آیت پر عمل کرلیں تو وہ ان کے لیے کافی ہوگی : جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۲۱۳، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

امام احمد روایت کرتے ہیں :

ابو نضرہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے ایام تشریق کے وسط میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ سنا اس نے یہ حدیث بیان کی : آپ نے فرمایا اے لوگو سنو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، سنو کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں ہے نہ عجمی کو عربی پر فضیلت ہے، نہ گورے کو کالے پر فضیلت ہے، نہ کالے کو گورے پر فضیلت ہے، مگر فضیلت صرف تقویٰ سے ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : شاید اس سال کے بعد تم مجھ سے ملاقات نہیں کرو گے، حضرت معاذ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کے صدمہ میں رونے لگے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میرے سب سے زیادہ قریب متقی ہوں گے خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں ہوں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

تقویٰ کے مراتب

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید کا متقین کے لیے ہدایت ہونا تحصیل حاصل ہے کیونکہ متقین تو خود ہدایت یافتہ ہیں اس کے کئی جواب ہیں، پہلا جواب یہ ہے کہ متقین سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ تقویٰ حاصل کرنے کا ارادہ کریں سو یہ کتاب ان کے لیے ہدایت ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہدایت سے مراد ہدایت پر دوام اور ثبات ہے یعنی اس کتاب کے مطالعہ اور اس پر عمل کرنے سے متقین کو ہدایت پر دوام اور ثبات حاصل ہوگا، تیسرا جواب یہ ہے کہ تقویٰ کے کئی مراتب ہیں : (ا) نفس کی کفر اور شرک سے حفاظت کرنا، (ب) نفس کی گناہ کبیرہ سے حفاظت کرنا (ج) نفس کی گناہ صغیرہ سے حفاظت کرنا (د) نفس کی خلاف سنت سے حفاظت کرنا (ہ) نفس کی خلاف اولیٰ سے حفاظت کرنا (و) نفس کی ماسوی اللہ سے حفاظت کرنا، سو جو شخص تقویٰ کے کسی ایک مرتبہ پر فائز ہو یہ کتاب اس کے لیے تقویٰ کے اگلے مرتبہ کے لیے ہدایت ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں

Marfat.com

متقین کی تین صفات بیان کی ہیں' ایمان بالغیب' اقامت صلوۃ اور انفاق فی سبیل اللہ' پہلی صفت ایمان بالغیب ہے' جس کا اس آیت میں بیان ہے اس آیت کریمہ کی تفسیر کے جاننے کے لیے ایمان اور غیب کو سمجھنا ضروری ہے' ہم پہلے ایمان کی تشریح اور تحقیق کریں گے اور اس کے بعد غیب پر مفصل گفتگو کریں گے فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

ایمان کے لغوی معنی کی تفصیل اور تحقیق

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

ایمان امن سے ماخوذ ہے اور امن کا معنی ہے نفس کا مطمئن ہونا' اور خوف کا زائل ہونا' امن' امانت اور امان اصل میں مصادر ہیں' امان انسان کی حالت امن کو کہتے ہیں' انسان کے پاس جو چیز حفاظت کے لیے رکھی جائے اس کو امانت کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ (الانفال : ٢٧)

اے ایمان والو اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو' اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔

نیز قرآن مجید میں ہے :

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ (الاحزاب : ٧٢)

بے شک ہم نے آسمانوں' زمینوں اور پہاڑوں پر اپنی امانت پیش کی۔

اور قرآن مجید میں ہے :

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (آل عمران : ٩٧)

اور جو حرم میں داخل ہوا وہ بے خوف ہو گیا۔

یعنی وہ دوزخ سے بے خوف ہو گیا' یا وہ دنیا کی مصیبتوں سے بے خوف ہو گیا' اس کا معنی ہے کہ حرم میں اس سے قصاص لیا جائے گا نہ اس کو قتل کیا جائے گا۔

ایمان کا استعمال کبھی اس شریعت کو ماننے کے لیے کیا جاتا ہے جس کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے اس استعمال کے مطابق قرآن مجید کی یہ آیت ہے :

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ (البقرہ : ٦٢)

بے شک اسلام قبول کرنے والے' یہودی' عیسائی اور ستارہ پرست۔

ایمان کے ساتھ ہر اس شخص کو متصف کیا جاتا ہے جو حضرت محمد ﷺ کی شریعت میں داخل ہو در آں حالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کا اور آپ کی نبوت کا اقرار کرتا ہو۔

اور کبھی ایمان کا استعمال بر سبیل مدح کیا جاتا ہے اور اس سے مراد ذہن کا بہ طور تصدیق حق کو ماننا اور قبول کرنا ہے اور اس کا تحقق دل کے ماننے' زبان سے اقرار کرنے اور اعضاء کے عمل کرنے سے ہوتا ہے' اس اعتبار سے ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے :

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر (کامل) ایمان لائے وہی اپنے رب کی بارگاہ میں صدیق اور شہید ہیں ان کے لیے اجر

marfat.com
Marfat.com

وَنُوۡرُهُمۡ (الحدید : ۹) اور ان کا نور ہے۔

تصدیق بالقلب' اقرار باللسان اور عمل بالارکان میں سے ہر ایک پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ تصدیق بالقلب پر ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے :

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡاِيۡمَانَ (المجادلہ : ۲۲) وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت فرما دیا۔

دل میں صرف تصدیق ہوتی ہے اس لیے اس آیت سے مراد صرف تصدیق ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں بھی ایمان کا اطلاق تصدیق پر کیا گیا ہے :

وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُؤۡمِنٍ لَّنَا وَلَوۡ كُنَّا صٰدِقِيۡنَ (یوسف : ۱۷) اور آپ ہماری بات کی تصدیق کرنے والے نہیں ہیں خواہ ہم سچے ہوں۔

اور اعمال صالحہ پر ایمان کا اطلاق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے :

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيۡعَ اِيۡمَانَكُمۡ (البقرہ : ۱۴۳) اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ وہ (تحویل قبلہ سے پہلے تمہاری پڑھی ہوئی) نمازوں کو ضائع کر دے۔

جب جبرائیل علیہ السلام نے نبی ﷺ سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں' اس کے صحیفوں' اس کے رسولوں' قیامت اور ہر اچھی اور بری چیز کو تقدیر کے ساتھ وابستہ ماننا ایمان ہے' اس حدیث میں چھ چیزوں کے ماننے پر ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے' یہ حدیث صحیح بخاری' صحیح مسلم اور حدیث کی دوسری مشہور کتابوں میں ہے۔ (المفردات ص ۲۶-۲۵' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں :

ایمان تصدیق ہے' علامہ زمخشری نے اساس میں اسی پر اعتماد کیا ہے' اور اہل علم میں سے اہل لغت وغیرہ کا اسی پر اتفاق ہے' علامہ سعد الدین تفتازانی نے کہا ہے کہ ایمان کا حقیقی معنی تصدیق ہے' اور کشاف میں لکھا ہے کہ کسی شخص پر ایمان لانے کا معنی یہ ہے کہ اس کو تکذیب سے مامون اور محفوظ رکھا جائے' بعض محققین نے کہا ہے کہ ایمان کا معنی تصدیق ہو تو یہ بنفسہ متعدی ہوتا ہے' اور جب اس کا معنی اذعان (ماننا اور قبول کرنا) ہو تو لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے اور جب اس کا معنی اعتراف ہو' تب بھی لام کے ساتھ متعدی ہوتا ہے' ازہری نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے بندے کو جس امانت پر امین بنایا ہے اس میں صدق کے ساتھ داخل ہونا ایمان ہے' اگر بندہ جس طرح زبان سے تصدیق کرتا ہے اسی طرح دل سے بھی تصدیق کرے تو وہ مومن ہے اور جو صرف زبانی اقرار کرے اور دل سے تصدیق نہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت کو ادا نہیں کر رہا' وہ منافق ہے اور جس کا یہ زعم ہے کہ تصدیق بالقلب کے بغیر صرف زبان سے اظہار کرنا ایمان ہے وہ یا منافق ہوگا یا جاہل (علامہ زبیدی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ کبھی صرف زبانی اقرار پر بھی ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے' جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا ثُمَّ كَفَرُوۡا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ (المنافقون : ۳) یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ (زبان سے) ایمان لائے پھر انہوں نے (دل کا) کفر (ظاہر) کیا تو ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی۔

Marfat.com

اور اس آیت میں بھی زبانی اظہار پر ایمان کا اطلاق ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا (النساء : ۱۳۷)

بے شک جو لوگ زبان سے ایمان لائے پھر دل سے کافر ہوئے' پھر (زبان سے) ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر وہ کفر میں اور بڑھ گئے۔

زجاج نے کہا ہے کبھی ایمان کا اطلاق اظہار خشوع پر کیا جاتا ہے اور کبھی شریعت کے قبول کرنے پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے ہیں اس پر اعتقاد رکھنے اور دل سے اس کی تصدیق کرنے پر ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے' امام راغب نے کہا ہے کہ ایمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا نام ہے اور کبھی بہ طور مدح حق کی تصدیق کرنے اور ماننے کو ایمان کہتے ہیں' ایمان تصدیق' اقرار اور عمل سے متحقق ہوتا ہے اور ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ بھی ایمان کا اطلاق کیا جاتا ہے' مومن اللہ تعالیٰ کی صفت ہے' جس کا معنی ہے مخلوق کو ظلم سے امن دینے والا' یا اپنے اولیاء کو عذاب سے امن میں رکھنے والا' منذری نے ابوالعباس سے روایت کیا ہے کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ امتوں سے اپنے رسولوں کی تبلیغ کے متعلق سوال کرے گا اور وہ امتیں انبیاء کی تکذیب کریں گی اور اللہ تعالیٰ کے مسلمان بندے انبیاء کی تصدیق کریں گے پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا جائے گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی تصدیق کریں گے اور اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی تصدیق کرے گا اور اسی تصدیق کی وجہ سے اللہ کا نام مومن ہے' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرتا ہے اور وہ اس اعتبار سے مومن ہے' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں کو عذاب سے امان میں رکھے گا اس وجہ سے وہ مومن ہے' یہ علامہ ابن اثیر کا قول ہے۔

(تاج العروس ج ۹ ص ۱۲۵' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

ایمان کی تعریف میں اہل قبلہ کے مذاہب

ایمان کی تعریف میں اہل قبلہ کے مذاہب کا خلاصہ یہ ہے :

(۱) جمہور متکلمین کے نزدیک صرف تصدیق بالقلب کا نام ایمان ہے۔

(۲) امام ابو منصور ماتریدی کا مذہب ہے کہ ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے اور اقرار اجراء احکام مسلمین کے لیے شرط ہے۔ یہ دونوں تعریفیں نفس ایمان کی ہیں۔

(۳) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایمان کے دو جز ہیں' اقرار اور تصدیق' لیکن اکراہ کے وقت اقرار ساقط ہو سکتا ہے۔

(۴) ائمہ ثلاثہ اور محدثین کے نزدیک ایمان کے تین جز ہیں' تصدیق' اقرار اور اعمال صالحہ' لیکن اعمال کے ترک کرنے سے انسان ایمان سے خارج ہوتا ہے اور نہ کفر میں داخل ہوتا ہے بلکہ فاسق ہو جاتا ہے' یہ تعریف ایمان کامل کی ہے۔

(۵) معتزلہ میں سے واصل بن عطاء' ابو الہذیل اور قاضی عبد الجبار کا یہ نظریہ ہے کہ تصدیق' اقرار اور اعمال کے مجموعہ کا نام ایمان ہے اور اعمال میں واجب اور مستحب داخل ہیں اور عمل کے ترک کرنے سے انسان ایمان سے نکل جاتا ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا' عمل کی نفی سے وہ ایمان سے خارج ہو گیا اور تکذیب نہ کرنے کی وجہ سے وہ کفر میں داخل نہیں ہوا۔

(۶) ابو علی جبائی معتزلی اور ابوہاشم معتزلی کا یہ مسلک ہے کہ فقط اعمال واجبہ کا نام ایمان ہے' باقی تفصیل حسب سابق ہے۔

(۷) نظام معتزلی کا مذہب ہے جس کام پر وعید ہے اس کے ترک کرنے کا نام ایمان ہے۔

marfat.com
Marfat.com

(۸) خوارج کا مذہب ہے تصدیق' اقرار اور اعمال کے مجموعہ کا نام ایمان ہے اور انسان معصیت کے ارتکاب سے کافر ہو جاتا ہے خواہ معصیت صغیرہ ہو یا کبیرہ۔

(۹) کرامیہ کا یہ قول ہے کہ فقط زبان سے اقرار کرنا ایمان ہے۔

(۱۰) غیلان بن مسلم دمشقی اور فضل رقاشی کا یہ نظریہ ہے کہ اقرار بہ شرط معرفت کا نام ایمان ہے۔

(۱۱) جہم بن صفوان کا یہ نظریہ ہے کہ فقط معرفت بالقلب کا نام ایمان ہے۔

(۱۲) مرجئہ کے نزدیک ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اور اعمال کی کوئی ضرورت نہیں۔

نفس ایمان اور ایمان کامل کا بیان

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں :

امام شافعی سے منقول ہے کہ ایمان تصدیق' اقرار اور عمل کا نام ہے' جس کی تصدیق میں خلل ہو وہ منافق ہے' جس کے اقرار میں خلل ہو وہ کافر ہے اور جس کے عمل میں خلل ہو وہ فاسق ہے' وہ دوزخ کے دائمی عذاب سے نجات پالے گا' اور جنت میں داخل ہو جائے گا' امام رازی نے کہا اس مسلک پر یہ قوی اشکال ہے کہ جب اعمال ایمان کی جز ہیں اور جز کی نفی سے کل کی نفی ہو جاتی ہے تو بے عمل شخص مومن کیسے ہو گا؟ اور وہ کیسے دوزخ سے خارج اور جنت میں داخل ہو گا؟ اس اشکال کا یہ جواب ہے کہ شارع کے کلام میں ایمان کبھی اصل ایمان کے معنی میں ہوتا ہے اور اصل ایمان میں اعمال کا اعتبار نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :

ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس سے ملاقات پر' اس کے رسولوں پر اور مرنے کے بعد اٹھنے پر ایمان لاؤ' اور اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' اور نماز قائم کرو اور فرض زکوۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ (صحیح مسلم)

اور کبھی شارع کے کلام میں ایمان' ایمان کامل کے معنی میں ہوتا ہے جس میں اعمال داخل ہوتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے وفد عبدالقیس سے فرمایا :

کیا تم جانتے ہو کہ اللہ وحدہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے' آپ نے فرمایا : اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' محمد اللہ کے رسول ہیں' اور نماز قائم کرنا' زکوۃ ادا کرنا' رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت سے خمس ادا کرنا۔ (صحیح مسلم)

پہلی حدیث میں ایمان اصل ایمان یا نفس ایمان کے معنی میں ہے اور اس دوسری حدیث میں ایمان' ایمان کامل کے معنی میں ہے' اور جن احادیث میں اعمال کی نفی سے ایمان کی نفی کی گئی ہے ان میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہے اور جن احادیث میں عمل کی نفی کے باوجود ایمان کا اطلاق کیا گیا ہے اور جنت کی بشارت دی گئی ہے ان میں ایمان سے مراد نفس ایمان ہے۔ اس کی مثال یہ ہے :

جس وقت زانی زنا کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں ایمان کامل کی نفی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا :

Marfat.com

جس شخص نے بھی لا الہ الا اللہ کہا پھر اسی پر مر گیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا' میں نے کہا خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو! آپ نے فرمایا خواہ اس نے زنا کیا ہو اور چوری کی ہو۔ (صحیح مسلم)

اس حدیث میں نفس ایمان مراد ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف لفظی ہے کیونکہ اس کا رجوع ایمان کی تفسیر کی طرف ہے' اور ایمان کا کون سا معنی منقول شرعی ہے اور کون سا معنی مجاز ہے اس میں اختلاف ہے' اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جس ایمان کی وجہ سے دوزخ میں دخول سے نجات ملتی ہے وہ ایمان کامل ہے اس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے' اور جس ایمان کی وجہ سے دوزخ کے خلود سے نجات ملتی ہے وہ نفس ایمان ہے' اس میں اہل سنت کا اتفاق ہے اور خوارج اور معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ سلف اور امام شافعی نے جو اعمال کو ایمان کی جز کہا ہے اس ایمان سے ان کی مراد ایمان کامل ہے نہ کہ نفس ایمان یا اصل ایمان مراد ہے' اور جب وہ کسی بے عمل یا بد عمل شخص پر مومن کا اطلاق کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد نفس ایمان ہوتی ہے نہ کہ ایمان کامل' وہ کہتے ہیں کہ اس شخص میں ہرچند کہ ایمان کامل نہیں ہے لیکن وہ نفس ایمان کی وجہ سے نجات پا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۰۴۔۱۰۲' ملخصاً' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۸۴ھ)

مومن ہونے کے لیے فقط جاننا اور سمجھنا کافی نہیں ہے بلکہ ماننا ضروری ہے

علامہ بدر الدین عینی لکھتے ہیں :

ایمان کی تعریف میں جو تصدیق بالقلب معتبر ہے اس سے مراد علم' معرفت اور جاننا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ کی تصدیق کرنا اور آپ کو مخبر صادق ماننا ہے' کیونکہ بعض کفار بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جانتے تھے لیکن وہ مومن نہیں تھے' قرآن مجید میں ہے :

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (البقرہ : ۱۴۶)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس نبی کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حکایت کی ہے' انہوں نے فرعون سے فرمایا :

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآىِٕرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا (بنی اسرائیل : ۱۰۲)

موسیٰ نے فرمایا : یقیناً" تو جانتا ہے کہ ان (چمکتی ہوئی نشانیوں) کو آسمانوں اور زمینوں کے رب نے ہی اتارا ہے جو آنکھیں کھولنے والی ہیں اور اے فرعون میں گمان کرتا ہوں کہ تو ہلاک ہونے والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا کفار اور فرعون کو علم تھا' اس کے باوجود وہ کافر تھے اور وہ مومن نہیں تھے' نیز اس سے واضح ہوا کہ ایمان کے تحقق کے لیے صرف جاننا کافی نہیں ہے ماننا ضروری ہے' یعنی اپنے قصد اور اختیار سے مخبر کی طرف صدق کو منسوب کرے اور اسے اس کی دی ہوئی خبروں میں صادق قرار دے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۰۵۔۱۰۴' ملخصاً' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۳۴۸ھ)

شیخ اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں :

marfat.com
Marfat.com

ایمان سچا سمجھنے کو کہتے ہیں' عمل کرنا دوسری بات ہے' پس جتنی کتابیں اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء علیہم السلام پر نازل کی ہیں سب کو سچا سمجھنا فرض اور شرط ایمان ہے۔ (بیان القرآن ص ۳' مطبوعہ تاج کمپنی لیمٹڈ لاہور)

جیسا کہ باحوالہ تفصیل اور تحقیق سے واضح ہو گیا ہے ایمان سچا سمجھنے یا سچا جاننے کو نہیں کہتے بلکہ ایمان سچا ماننے کو کہتے ہیں' اس لیے ایمان کی یہ تعریف صحیح نہیں ہے' شیخ محمود الحسن نے بھی یؤمنون بالغیب کی تفسیر میں اسی طرح لکھا ہے "یعنی جو چیزیں ان کے عقل و حواس سے مخفی ہیں (جیسے دوزخ' جنت' ملائکہ وغیرہ) ان سب کو اللہ اور رسول کے ارشاد کی وجہ سے حق اور یقینی سمجھتے ہیں۔(۱)" شیخ محمود الحسن کی بھی یہ عبارت صحیح نہیں ہے' اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد کی وجہ سے کسی خبر کو حق اور یقینی ماننا ایمان ہے' اس کو حق اور یقینی سمجھنا ایمان نہیں ہے' کیونکہ بعض کفار ان خبروں کو حق اور یقینی سمجھتے تھے لیکن عناداً" مانتے نہیں تھے' البتہ انہوں نے اس کے بعد یہ جملہ لکھا ہے : ان امور غائبانہ کا منکر ہدایت سے محروم ہے۔" یہ جملہ صحیح ہے' لیکن ان دونوں شیوخ نے ایمان کی تعریف صحیح نہیں لکھی۔

ایمان کی حقیقت میں فقط تصدیق کے معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد

ہم نے ذکر کیا تھا کہ محققین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت فقط تصدیق بالقلب ہے اس پر محققین نے حسب ذیل دلائل پیش کئے ہیں قرآن مجید میں ہے :

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ (المجادلہ : ۲۲) — یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت فرما دیا۔

قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ ۛ (المائدہ:۴۱) — انہوں نے اپنے منہ سے کہا ہم ایمان لائے ہیں' حالانکہ ان کے دل مومن نہیں۔

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۖ قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ (الحجرات:۱۴) — دیہات کے لوگوں نے کہا ہم ایمان لائے' آپ فرمائیں تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو ہم نے اطاعت کی ہے' اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

ان آیات میں ایمان کا محل قلب کو قرار دیا ہے اور قلب میں تصدیق ہوتی ہے' اقرار کا محل زبان اور اعمال کا تعلق باقی اعضاء سے ہوتا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ ایمان صرف تصدیق بالقلب کا نام ہے۔

ایمان کی حقیقت میں فقط اقرار کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد

صرف اقرار باللسان کے ایمان نہ ہونے پر قرآن مجید کی یہ آیت دلیل ہے :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ (البقرۃ : ۸) — بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لے آئے' حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔

زبان سے اقرار کے باوجود ان لوگوں کو اس لیے مومن نہیں قرار دیا گیا کہ انہوں نے نبی ﷺ کے دعویٰ نبوت کی تصدیق نہیں کی تھی' نیز قرآن مجید میں ہے :

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ — جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی

(۱) شیخ محمود الحسن حنفی ۱۳۳۹ھ' حاشیۃ القرآن ص ۳' مطبوعہ العربیۃ السعودیہ

Marfat.com

لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ (المنافقون : ۱)

دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً ضرور آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

ایمان کی حقیقت میں اعمال کے غیر معتبر ہونے پر قرآن مجید سے استشہاد

اعمال ایمان میں داخل نہیں ہیں' اس پر قرآن مجید کی حسب ذیل آیات دلیل ہیں :

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (الکھف:۱۰۷)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے جنت الفردوس کی مہمانی ہے۔

اس آیت میں اعمال کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف میں اصل تغایر ہے اس سے معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کا غیر ہیں اور ایمان میں داخل نہیں ہیں' اور قرآن مجید میں ایسی بہت آیات ہیں۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (النحل:۹۷)

جس نے نیک عمل کیے خواہ مرد ہو یا عورت بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے۔

اس آیت میں اعمال کو مشروط اور ایمان کو شرط قرار دیا ہے اور مشروط شرط سے خارج ہوتا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ اعمال ایمان سے خارج ہیں' اور اسی نہج پر یہ آیات ہیں :

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ (النساء:۱۲۴)

اور جس نے نیک کام کیے خواہ مرد ہو یا عورت' بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا (طٰہٰ:۱۱۲)

اور جس نے نیک کام کیے بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو اس کو ظلم کا خوف ہو گا نہ کسی نقصان کا۔

وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (الانفال:۱)

اور اپنے باہمی معاملات درست رکھو' اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو' بہ شرطیکہ تم مومن ہو۔

قرآن مجید میں مرتکب کبیرہ پر بھی مومن کا اطلاق کیا گیا ہے اگر نیک اعمال ایمان کی جز ہوتے تو معصیت کبیرہ کرنے والے پر مومن کا اطلاق نہ کیا جاتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى (البقرہ:۱۷۸)

اے ایمان والو! تم پر ان کا بدلہ فرض کیا گیا ہے جن کو ناحق قتل کیا گیا ہے۔

قصاص قاتل پر فرض کیا جاتا ہے اور اس آیت میں قاتل پر مومن کا اطلاق کیا گیا ہے' اور قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا (الحجرات:۹)

اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں قتل کریں تو ان میں صلح کرا دو۔

جب دو جماعتیں قتل کریں گی تو ان میں سے ایک حق پر اور دوسری باطل پر ہو گی اور اس آیت میں دونوں جماعتوں پر مومنوں کا اطلاق کیا گیا ہے۔

marfat.com
Marfat.com

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ (النور : ۳۱) اے مومنو! تم سب اللہ کی طرف توبہ کرو۔

توبہ معصیت پر واجب ہوتی ہے۔ اس آیت میں مومنین کو توبہ کا حکم دیا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ معصیت ایمان کے منافی نہیں ہے اور اسی نہج پر یہ آیت ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا (التحریم : ۸) اے ایمان والو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو۔

ایمان میں کمی اور زیادتی کے ثبوت پر قرآن مجید سے استشہاد

ائمہ ثلاثہ اور محدثین اور دیگر اسلاف جو یہ کہتے ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے وہ قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کرتے ہیں :

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا (الانفال : ۲) اور جب ان پر اللہ کی آیات پڑھی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو اور زیادہ کردیں۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (التوبہ : ۱۲۴) اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان کو زیادہ کردیا ہے سو جو ایمان والے ہیں تو اس سورت نے ان کے ایمان کو زیادہ کردیا اور وہ خوش ہوتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا (آل عمران : ۱۷۳) لوگوں نے ان سے کہا بے شک لوگوں نے (تم سے مقابلہ کے لیے بڑے لشکر) جمع کر لیے ہیں سو تم ان سے ڈرو' تو ان کا ایمان اور زیادہ ہوگیا۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا (الاحزاب: ۲۲) اور جب مسلمانوں نے (کافروں کے) لشکر دیکھے (تو) کہنے لگے یہ وہ ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا' اور اس سے ان کا ایمان اور اسلام زیادہ ہی ہوا۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى (محمد: ۱۷) اور جن لوگوں نے ہدایت کو قبول کیا اللہ نے ان کی ہدایت کو اور زیادہ کردیا۔

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى (الکہف : ۱۳) بے شک کچھ جوان اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت کو زیادہ کردیا۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى (مریم: ۷۶) اور جن لوگوں نے ہدایت پائی' اللہ ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ اور ہم نے (دوزخ کے فرشتوں کی تعداد) صرف اس لیے

Marfat.com

لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا (المدثر: ۳۱)

مقرر کی ہے کہ کافروں کی آزمائش ہو' اہل کتاب یقین کرلیں اور ایمان والوں کا ایمان اور زیادہ ہو جائے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ (الفتح: ۴)

وہی ذات ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں سکون نازل فرمایا تاکہ ان کے ایمان میں اور ایمان کی زیادتی ہو۔

ایمان میں کمی اور زیادتی کے ثبوت پر احادیث سے استشہاد

ائمہ ثلاثہ' محدثین اور دیگر اسلاف جن کے نزدیک اعمال ایمان میں داخل ہیں اور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے' انہوں نے بکثرت احادیث سے استدلال کیا ہے' جن میں سے بعض احادیث یہ ہیں :

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان کے ساٹھ اور کچھ حصے ہیں' اور حیاء بھی ایمان کا ایک حصہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے ضرر) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں' اور مہاجر وہ ہے جو اللہ کے منع کئے ہوئے کاموں کو ترک کردے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۶ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے حتی کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز کو قائم کریں اور زکوۃ کو ادا کریں' اور جب وہ یہ کریں گے تو مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کرلیں گے ماسوا اس کے جو اسلام کا حق ہو اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کیا تم اللہ وحدہ پر ایمان لانے کا معنی جانتے ہو؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے! آپ نے فرمایا یہ شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے خمس ادا کرنا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

ان احادیث میں ایمان کے متعدد اجزاء بیان کئے گئے ہیں اور جو شخص ان اجزاء میں سے کسی جز پر عمل کو ترک کرے گا اس کا ایمان اس شخص سے کم ہو گا' جو ان تمام اجزاء پر عمل کرے گا۔

ایمان میں کمی اور زیادتی کے دلائل کا جواب

مذکور الصدر آیات اور احادیث سے ائمہ ثلاثہ اور محدثین نے اس پر استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان کا جز ہیں اور ایمان میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے اگر اعمال کم ہوں گے تو ایمان کم ہو گا اور اگر اعمال زیادہ ہوں گے تو ایمان زیادہ ہو گا۔

ان تمام آیات اور احادیث کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام آیات اور احادیث ایمان کامل پر محمول ہیں اور ایمان کامل میں اعمال داخل ہیں' اور نفس ایمان میں اعمال داخل نہیں ہیں اور ان آیات اور احادیث میں نفس ایمان بالاتفاق مراد نہیں ہے۔

marfat.com
Marfat.com

امام رازی نے کہا یہ بحث لفظی ہے کیونکہ اگر ایمان سے مراد تصدیق ہو تو وہ کمی اور زیادتی کو قبول نہیں کرتا اور اگر اس سے مراد عبادات ہوں تو وہ کمی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے' پھر امام نے کہا عبادات تصدیق کی تکمیل کرتی ہیں' اور جن دلائل کا یہ تقاضا ہے کہ ایمان کمی اور زیادتی کو قبول نہیں کرتا' ان سے مراد اصل ایمان اور نفس ایمان ہے اور جن دلائل کا یہ تقاضا ہے کہ ایمان کمی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے ان سے مراد ایمان کامل ہے جس میں اعمال داخل ہیں۔

بعض متاخرین نے یہ کہا ہے کہ حق یہ ہے کہ ایمان کمی اور زیادتی کو قبول کرتا ہے' خواہ ایمان تصدیق اور اعمال کا مجموعہ ہو یا فقط تصدیق کا نام ہو کیونکہ تصدیق بالقلب وہ اعتقاد جازم ہے جو قوت اور ضعف کو قبول کرتا ہے' کیونکہ جس شخص کو ہم قریب سے دیکھتے ہیں اس کی ہمیں اس سے زیادہ تصدیق ہوتی ہے جس کو ہم دور سے دیکھتے ہیں۔

بعض محققین نے یہ کہا کہ حق یہ ہے کہ تصدیق دو وجہوں سے کمی اور زیادتی کو قبول کرتی ہے' پہلی وجہ تو یہ ہے کہ تصدیق کیفیت نفسانیہ ہے' جیسے خوشی' غم اور غصہ وغیرہ کیفیات نفسانیہ ہیں اور ان میں قوت' ضعف اور کمی اور زیادتی ہوتی ہے' اسی طرح تصدیق میں بھی کمی اور زیادتی ہوتی ہے' اور اگر ایسا نہ ہو تو لازم آئے گا کہ رسول اللہ ﷺ اور عام افراد امت کا ایمان برابر ہو اور یہ اجماعاً باطل ہے اور دوسری وجہ ہے تصدیق تفصیلی' کیونکہ انسان کو جس جس چیز کے متعلق علم ہوتا جائے گا کہ نبی ﷺ اس کو لے کر آئے ہیں' اس کا ایمان اس کے ساتھ متعلق ہوتا جائے گا' اور ایمان زیادہ ہوتا جائے گا۔

بعض علماء نے اس کی تفصیل میں یہ کہا ہے کہ پہلے انسان اجمالی طور پر تمام شریعت پر ایمان لاتا ہے' پھر جیسے جیسے اس کو احکام شرعیہ کی تفصیل کا علم ہوتا جاتا ہے وہ ان سب پر ایمان لاتا جاتا ہے اور یوں اس کا ایمان زیادہ ہوتا ہے اور بعض محققین نے یہ کہا ہے کہ زیادہ غور و فکر کرنے اور کثرت دلائل سے ایمان زیادہ ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ صدیقین اور علماء راسخین کا ایمان دوسروں کی بہ نسبت زیادہ قوی ہوتا ہے' یہی وجہ ہے کہ تشکیک اور مغالطہ آفرینی سے ان کا ایمان متزلزل نہیں ہوتا۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۰۹-۱۰۸' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

آیا اسلام اور ایمان متغایر ہیں یا متحد

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں :

ایک بحث یہ ہے کہ آیا اسلام اور ایمان متغایر ہیں یا متحد ہیں' پس ہم کہتے ہیں کہ لغت میں اسلام کا معنی ہے انقیاد (اطاعت) اور اذعان (ماننا اور تسلیم کرنا) اور اسلام کا شرعی معنی ہے رسول اللہ ﷺ کو مان کر اللہ کی اطاعت کرنا' کلمہ شہادت پڑھنا' واجبات پر عمل کرنا اور ممنوعات کو ترک کرنا کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی ﷺ سے اسلام کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا : اسلام یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' نماز قائم کرو' زکوۃ مفروضہ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو' اور اسلام کا اطلاق دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی کیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں دین یہودیت' دین نصرانیت' اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران: ۱۹) اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہے۔

اور نبی ﷺ نے فرمایا :

ذاق طعم الاسلام من رضی باللہ ربا و جس شخص نے اللہ کو رب مان لیا' اور اسلام کو دین مان

marfat.com
Marfat.com

بالا سلام دینا لیا' اس نے اسلام کا ذائقہ چکھ لیا۔

پھر اس میں علماء کا اختلاف ہے' محققین کا مذہب یہ ہے کہ ایمان اور اسلام متغائر ہیں اور یہی صحیح ہے' اور بعض محدثین' متکلمین اور جمہور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان اور اسلام شرعاً مترادف ہیں' علامہ خطابی نے کہا ایمان اور اسلام مطلقاً متحد یا متغائر نہیں ہیں' کیونکہ مسلم بعض اوقات مسلم ہوتا ہے' اور بعض اوقات مسلم نہیں ہوتا؟ (یعنی بعض اوقات اسلام کے احکام کی پیروی کرتا ہے اور بعض اوقات نہیں کرتا) اور مومن ہر وقت مومن ہوتا ہے' (یعنی ہر وقت انقیاد باطن کرتا ہے) لہٰذا ہر مسلم مومن ہوتا ہے' اور ہر مومن مسلم نہیں ہوتا۔

ایمان کی اصل تصدیق ہے اور اسلام کی اصل استسلام اور انقیاد (اطاعت) ہے بسا اوقات انسان ظاہر میں اطاعت گزار ہوتا ہے اور باطن میں اطاعت گزار نہیں ہوتا' اور کبھی باطن میں صادق ہوتا ہے اور ظاہر میں اطاعت گزار نہیں ہوتا؟ میں کہتا ہوں کہ اس کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان میں عموم' خصوص مطلق کی نسبت ہے' جیسا کہ بعض فضلاء نے اس کی تصریح کی ہے' اور تحقیق یہ ہے کہ ان میں عموم' خصوص من وجہ کی نسبت ہے' کیونکہ کبھی ایمان بغیر اسلام کے ہوتا ہے' مثلاً کوئی شخص کسی پہاڑ کی چوٹی پر اپنی عقل سے اللہ کی معرفت حاصل کرے اور کسی نبی کی دعوت پہنچنے سے پہلے اللہ کے وجود' اس کی وحدت اور اس کی تمام صفات کی تصدیق کرے' اسی طرح کوئی شخص تمام ضروریات دین پر ایمان لے آئے اور اقرار اور عمل کرنے سے پہلے اچانک مر جائے تو یہ مومن ہے اور مسلم نہیں ہے' کیونکہ اس نے باطنی اور ظاہری اطاعت نہیں کی' اور منافقین ظاہری اطاعت کرتے تھے اور باطنی اطاعت نہیں کرتے تھے تو وہ مسلم تھے مومن نہیں تھے اور صحابہ کرام' تابعین اور بعد کے مسلمان مومن بھی ہیں اور مسلم بھی ہیں' لہٰذا ایمان اور اسلام میں ایک مادہ اجتماعی اور دو مادے افتراقی ہیں۔

علامہ عینی کا ایمان اور اسلام کو متغائر قرار دینا' صحیح نہیں ہے تحقیق یہ ہے کہ ایمان اور اسلام مفہوماً" متغائر اور مصداقاً" متحد ہیں۔

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں :

ایمان اور اسلام واحد ہیں' کیونکہ اسلام خضوع اور انقیاد ہے' یعنی احکام کو قبول کرنا اور ماننا' اور یہی ایمان کی حقیقت ہے اور اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے :

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○	اس بستی میں جو مومنین تھے ہم نے ان سب کو نکال لیا تو
فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ	ہم نے اس میں مسلمین کے ایک گھر کے سوا (اور کوئی گھر) نہ
(الذاریات: ٣٦-٣٥)	پایا۔

اگر اسلام ایمان کا غیر ہو تو اس آیت میں مومنین سے مسلمین کا استثناء صحیح نہیں ہو گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ شریعت میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فلاں شخص مومن ہے اور مسلم نہیں ہے یا مسلم ہے اور مومن نہیں ہے' ایمان اور اسلام کے اتحاد سے ہماری یہی مراد ہے (یعنی ان دونوں کا مصداق واحد ہے' خواہ مفہوم متغائر ہو) اور مشائخ کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایمان اور اسلام کو مصداق کے لحاظ سے واحد اور مفہوم کے لحاظ سے متغائر مانتے ہیں' جیسا کہ کفایہ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبروں اس کے اوامر اور نواہی کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے اور انقیاد اور خضوع (طاعت) کا نام

marfat.com
Marfat.com

اسلام ہے اور جب تک انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کی تصدیق نہیں کرے گا انقیاد متحقق نہیں ہو گا' اس لیے ایمان اسلام سے مصداق کے لحاظ سے الگ نہیں ہوتا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید میں ہے :

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا (الحجرات: ۱۴) دیہاتیوں نے کہا ہم ایمان لائے' آپ فرمائیں تم ایمان نہیں لائے' ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے (مطیع ہوئے ہیں)

اس آیت میں ایمان کے بغیر اسلام کے تحقق کی تصریح ہے' ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ شریعت میں جو اسلام معتبر ہے وہ ایمان کے بغیر متحقق نہیں ہوتا' اور اس آیت میں اسلام کا شرعی معنی مراد نہیں ہے بلکہ لغوی معنی مراد ہے یعنی تم ظاہری اطاعت کر رہے ہو باطنی اطاعت نہیں کر رہے' جیسے کوئی شخص بغیر تصدیق کے کلمہ شہادت پڑھ لے۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نبی ﷺ سے اسلام کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا :

اسلام یہ ہے کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور یہ کہ (حضرت) محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو اور اگر تم کو استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اسلام اعمال کا نام ہے نہ کہ تصدیق قلبی کا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں اسلام سے مراد اسلام کے ثمرات اور اس کی علامات ہیں' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ عبد القیس کے وفد سے فرمایا :

کیا تم جانتے ہو کہ فقط اللہ پر ایمان لانے کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے آپ نے فرمایا' یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور (حضرت) محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور مال غنیمت میں سے خمس ادا کرنا۔ (بخاری)

اس حدیث میں بھی ایمان سے مراد ایمان کی علامات اور اس کے ثمرات ہیں۔

غیب کا معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

جس چیز کا حواس (خمسہ) سے ادراک نہ کیا جا سکے اور نہ اس کو ابتداءً عقل سے معلوم کیا جا سکے' وہ غیب ہے' اس کا علم صرف انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے سے ہوتا ہے۔ (المفردات ص ۳۶۷' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویۃ' ایران ۱۳۴۲ھ)

علامہ زبیدی لکھتے ہیں :

جو چیز تم سے غائب ہو وہ غیب ہے' ابو اسحاق زجاج نے یؤمنون بالغیب کی تفسیر میں کہا ہے : جو چیز متقین سے غائب تھی اور نبی ﷺ نے ان کو اس کی خبر دی وہ غیب ہے' جیسے مرنے کے بعد اٹھنا' جنت' دوزخ' اور ہر وہ چیز جو ان سے غائب تھی اور نبی ﷺ نے ان کو اس کی خبر دی وہ غیب ہے۔ (تاج العروس ج ۱ ص ۴۱۹' مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ مصر' ۱۳۰۶ھ)

کتب مذکورہ میں غیب کا مصداق

علامہ قرطبی لکھتے ہیں :

marfat.com

Marfat.com

اس جگہ غیب کے مصداق میں مفسرین کا اختلاف ہے' ایک گروہ نے کہا اس آیت میں غیب سے مراد اللہ سبحانہ ہے' ابن العربی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے' دوسرے مفسرین نے کہا اس سے مراد قضاء و قدر ہے' ایک جماعت نے کہا اس سے مراد قرآن اور قرآن میں مذکور غیوب ہیں' بعض علماء نے کہا ہر ایسی چیز جس کی طرف عقل کی رسائی نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے وہ غیب ہے مثلاً علامات قیامت' عذاب قبر' حشر' نشر' صراط' میزان اور جنت' دوزخ وغیرہ' ابن عطیہ نے کہا یہ اقوال متعارض نہیں ہیں' بلکہ ان سب پر غیب کا اطلاق ہوتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱ ص ۱۴۳' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

آیت مذکورہ میں مومنین بالغیب کا مصداق

علامہ سمرقندی لکھتے ہیں :

اس سے مراد صحابہ کرام اور ان کے قیامت تک کے متبعین ہیں کیونکہ وہ قرآن کے غیب کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے' اور اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام قرار دیتے ہیں' حارث بن قیس نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا اے اصحاب محمد! ہم آپ کو اس لیے افضل سمجھتے ہیں کہ آپ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا ہے! حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہم تم کو اس لیے افضل سمجھتے ہیں کہ تم آپ پر بن دیکھے ایمان لائے ہو اور افضل ایمان' ایمان بالغیب ہے پھر حضرت عبداللہ نے یہ آیت پڑھی الذین یؤمنون بالغیب

(تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۹۰' مطبوعہ مکتبہ دارالباز' مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ)

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس نے مجھ کو دیکھا اس کے لیے ایک سعادت ہے' اور جس نے مجھے نہیں دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کے لیے سات سعادتیں ہیں۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۲۶۴' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد ہوں گے' ان میں سے ایک شخص کی یہ خواہش ہو گی کہ کاش وہ اپنے (سارے) اہل اور مال کے بدلہ میں میری زیارت کر لے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

آیا مخلوق کے علم پر علم غیب کا اطلاق جائز ہے یا نہیں؟

اس آیت میں متقین کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں یعنی جنت دوزخ وغیرہ کی تصدیق کرتے ہیں اور تصدیق علم کی قسم ہے' اس کا معنی ہے وہ غیب کا علم رکھتے ہیں' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقین کے علم پر علم غیب کا اطلاق فرمایا ہے' لیکن یہ واضح رہے کہ اس غیب سے مراد غیب المطلق (جمیع معلومات الٰہیہ) نہیں ہے بلکہ غیب کے وہ افراد مراد ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے متقین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے خبر دی ہے۔ ہمارا مدعا صرف اتنا ہے کہ مخلوق کی طرف علم غیب کا اسناد عقلاً جائز ہے شرک نہیں ہے بہ شرطیکہ اس سے مراد مخصوص غیب ہو' الغیب المطلق (تمام معلومات کا علم) نہ ہو۔

marfat.com
Marfat.com